بنات النعش

از

ڈپٹی نذیر احمد

www.iqbalcyberlibrary.net

بنات النعش

از

ڈپٹی نذیر احمد

www.iqbalcyberlibrary.net

ڈپٹی نذیر احمد اور ان کی ناول نگاری

سوانح

نذیر احمد 6 دسمبر 1830ء کو ضلع بجنور کے ایک گاؤں ریہڑ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سعادت علی تھا۔ وہ ایک متقی اور عالم فاضل بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والد سے حاصل کی۔ مولوی نصر اللہ خان خورجوی ڈپٹی کلکٹر بجنور سے آپ کے خاندان کے دیرینہ مراسم تھے۔ وہ ایک سرکاری افسر ہی نہیں بلکہ ایک جید عالم اور شاعر بھی تھے۔ مزید تعلیم کے لیے آپ کو ان کے سپرد کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ڈپٹی نصر اللہ کا تبادلہ بجنور سے مظفر نگر ہو گیا وہ اپنے ساتھ آپ کو بھی مظفر نگر لے گئے۔ یہاں سے پھر کچھ عرصہ بعد ان کا تبادلہ اعظم گڑھ ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے مولوی سعادت علی کو مشورہ دیا کہ آپ کو تعلیم کی خاطر دہلی بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو پنجابی کٹڑے کی اورنگ آبادی مسجد کے مکتب میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سے جنوری 1846ء کو دلی کالج میں داخلہ لیا۔ چار روپے ماہوار وظیفہ مقرر رہوا۔ دلی کالج میں مولانا محمد حسین آزاد، مولوی ذکاء اللہ، شیخ ضیاء الدین، منشی شہامت علی اور منشی پیارے لال آشوب کی رفاقت آپ کو نصیب ہوئی۔ دسمبر 1853ء میں دہلی کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ستمبر 1854ء میں کنجاہ ضلع گجرات کے ایک سرکاری سکول میں مدرس مقرر ہوئے۔ دو سال بعد ڈپٹی انسپکٹر مدارس بن کر کانپور چلے گئے۔ وہاں کے انسپکٹر مدارس سے نبھ نہ سکی اور استعفیٰ دے کر دلی آ گئے۔ 1857ء کے ہنگامہ کے دوران میں ایک عورت کی جان بچانے کے صلے میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس الہ آباد بنا دیئے گئے۔ قیام الہ آباد کے دوران آپ نے انگریزی سیکھنے کا آغاز کیا اور شوق و محنت کی بنا پر بہت جلد اچھی خاصی استعداد بہم پہنچائی۔ آپ نے انکم ٹیکس ایکٹ اور انڈین پینل کوڈ کے ترجمے کیے۔ ان تراجم کے صلے میں

www.iqbalcyberlibrary.net

حکومت نے اول تحصیلدار بنا دیا اور بعد میں ترقی دے کر ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز کیا۔ 1877ء میں نواب سر سالار جنگ نے ریاست حیدر آباد دکن کے لیے آپ کی خدمات حاصل کر لیں وہاں پر ناظم بندوبست متصرم صدر تعلقہ دار اور ممبر بورڈ آف ریونیو ہو گئے۔ 1884ء میں آپ نے حالات سے دل برداشتہ ہو کر استعفیٰ دے دیا اور سبکدوش ہو کر دہلی چلے آئے اور سر سید کی علی گڑھ تحریک اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی علمی خدمات سراہتے ہوئے حکومت برطانیہ نے 1897ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ 1902ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ آخر عمر میں بینائی کم ہو گئی اس کے باوجود تصنیف و تالیف دوسروں کی مدد سے کرتے رہے۔ 27 اپریل 1912ء کو فالج کا حملہ ہوا اور 3 مئی کو اسی عارضہ سے وفات پائی۔ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔

نذیر احمد کی ناول نگاری

اُردو ادب پر مولوی نذیر احمد کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُردو کا پہلا ناول انہی کے قلم سے وجود میں آیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کی ناول نگاری کوئی شعوری کوشش نہیں تھی بلکہ محض حسن اتفاق تھی۔ مولوی صاحب ضلع جالون میں ڈپٹی کلکٹر تھے تو انہیں خیال آیا کہ دونوں بیٹیاں اور بیٹا پڑھنے کے قابل ہو گئے، اب اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ تبادلے کی نوکری تھی، آج یہاں کل وہاں اس لیے یہ بات دل میں پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ جس طرح ان کے والد نے انہیں پڑھایا تھا اسی طرح وہ خود اپنے بچوں کو تعلیم دیں گے۔ اب جو مسئلہ سب سے پہلے سامنے آیا وہ تھا کتابوں کا انتخاب، اُردو میں ایسی کتابیں ناپید تھی جو مفید ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہوں۔ مولوی صاحب مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر رہ چکے تھے۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ اردو میں

www.iqbalcyberlibrary.net

چھوٹے بچوں کے جتنے قاعدے موجود ہیں اور جتنی کتابیں دستیاب ہیں ان سے بچوں کے دل افسردہ اور ذہن کند ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کے لیے کتابیں بھی خود ہی تیار کریں گے اور فوراً ہی اس فیصلے پر عمل بھی شروع ہو گیا۔ مراۃ العروس 1867ء میں تیار ہوا اور 1869ء میں شائع ہوا۔ مراۃ العروس کے تین برس بعد یعنی 1872ء میں بنات النعش شائع ہوئی۔ اسے ایک طرح مراۃ العروس کا حصہ دوم بھی کہا جا سکتا ہے۔ توبتہ النصوح 1877ء میں مولوی نذیر احمد کا تیسرا ناول توبتہ النصوح شائع ہوا۔ پلاٹ، کردار نگاری، مکالمے اور زبان و بیان ہر لحاظ سے یہ بہت دلچسپ ناول ہے۔ نذیر احمد کے ناولوں میں اسے سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ فسانہ مبتلا مولوی نذیر احمد کا چوتھا ناول ہے۔ جو 1885ء میں شائع ہوا۔ اس کا ایک نام ''محصنات'' بھی ہے۔ ابن الوقت بھی مولوی نذیر احمد کا بہت مقبول ناول ہے۔ جب وہ حیدر آباد سے پنشن لے کر دہلی آئے تو زیادہ انہماک کے ساتھ علمی کاموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی زمانے میں یہ ناول تصنیف ہو کر 1888ء میں شائع ہوا۔ ایامیٰ 1891ء میں شائع ہوا۔ اس میں ایک اہم سماجی مسئلے یعنی بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ رویائے صادقہ مولوی نذیر احمد کا ساتواں اور آخری ناول ہے جو 1894ء میں شائع ہوا۔

نذیر احمد کی ناول نگاری کی خصوصیات

حقیقت نگاری

ناول کو اس آئینے سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں جیتی جاگتی دنیا کا عکس نظر آئے۔ گویا ناول نام ہے زندگی کی تصویر کشی کا، اور نذیر احمد کے ناول اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ زندگی کی تصویر کشی وہ اس کامیابی سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو اس پر اکثر اپنے گھر اور اپنے ماحول کا گمان گزرتا

www.iqbalcyberlibrary.net

ہے اوران کے کردار جانے پہچانے سے لگتے ہیں۔ افتخار عالم نے لکھا ہے کہ اکبری اصغری کے قصے کو لوگ سچا واقعہ خیال کرتے تھے اور کتنے تو ان بہنوں کے گھروں کا پتہ پوچھتے پھرتے تھے۔ بہتوں کو یہ شبہ بھی ہوا کہ کہیں اس ناول میں ان کے اپنے خاندان کو تو بے نقاب نہیں کیا گیا۔ ابن الوقت کو سرسید کا چربہ کہا گیا، حجتہ الاسلام کو مولوی نذیر احمد کا عکس بتایا گیا اور آزادی بیگم میں مولوی صاحب کی ایک بیوہ سالی کا عکس ڈھونڈ نکالا گیا۔ مختصر یہ کہ نذیر احمد کے ناولوں میں حقیقی زندگی کے مرقعے نظر آتے ہیں۔ ان کی نظر گہری ہے اور معمولی سے معمولی تفصیل بھی ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہو پاتی۔ ایک ماہر فنکار کی طرح وہ زندگی کے کسی قابل ذکر حصے کو منتخب کر لیتے ہیں اور قاش کی طرح تراش کر گویا محدب شیشے کے نیچے رکھ دیتے ہیں کہ اس کا ایک ایک حصہ پوری طرح نمایاں ہو جائے۔

افادی نقطۂ نظر

نذیر احمد کے عہد کو دو تہذیبوں کے تصادم کا عہد بھی کہا جا سکتا ہے اور اسے دور اصلاح کے نام سے یاد کرنا بھی مناسب ہے۔ دراصل یہ دونوں باتیں الگ نہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ قوم کے باشعور افراد نے جب مشرقی تہذیب کا مغرب کے نئے حکمرانوں سے موازنہ کیا تو اپنی تہذیب کی بہت سی خامیاں ان پر روشن ہو گئیں اور وہ ان کی اصلاح پر کمر بستہ ہو گئے۔ مصلحین کے اس کارواں کے سالار بلاشبہ سرسید تھے لیکن بعض معاملات میں نذیر احمد کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ چونکہ عربی زبان کے ماہر اور عالم دین بھی تھے اس لیے مذہبی مسائل میں افراط و تفریط سے محفوظ رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی طبیعت میں سرسید کی بہ نسبت زیادہ اعتدال و توازن تھا اور تیسری بات یہ کہ بعض اصلاحی امور میں وہ سرسید سے بھی آگے تھے۔ مثلاً تعلیم و

www.iqbalcyberlibrary.net

تربیت نسواں کی طرف انہوں نے سرسید سے زیادہ توجہ کی۔ بیواؤں کے عقد ثانی کی ضرورت کو انہوں نے پہلی بار دل نشین پیرائے میں بیان کیا۔

مولوی نذیر احمد ادب کو محض وقت گزاری اور تفنن طبع کا ذریعہ نہیں خیال کرتے تھے بلکہ اسے زندگی کو سنوارنے کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔ ان کے تمام ناول اصلاحی نوعیت کے ہیں اور ایک واضح اصلاحی پروگرام کے تحت وجود میں آئے۔ مراۃ العروس اور بنات النعش لڑکیوں کی تربیت کے لیے لکھے گئے۔ توبۃ النصوح میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اولاد کی اصلاح والدین کا فرض اولین ہے۔ ابن الوقت کے ذریعے یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اپنی تہذیب پر شرمانا اور بغیر سوچے سمجھے دوسروں کی نقالی کرنے کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ فسانہ مبتلا میں ایک سے زیادہ شادیوں کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں، ایامیٰ میں بیواؤں کے عقد ثانی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ رویائے صادقہ میں مذہبی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کہیں نئی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان مذہب سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ غرض یہ کہ ان کے تمام ناول مقصدی اور اصلاحی ناول ہیں۔ عالمی ادب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً ساری زبانوں میں یہی صورت حال رہی ہے اور بیشتر ابتدائی ناولوں پر مقصدیت کا غلبہ رہا ہے۔ نذیر احمد کا دور تو انقلاب و اصلاح کا دور تھا۔ ان کے ناول مقصدیت سے دامن کس طرح بچا سکتے تھے۔

مختصر کینوس

نذیر احمد کے ناولوں کا کینوس بہت وسیع نہیں ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ انہوں نے ملک کے طول و عرض کا سفر نہ کیا ہو یا باہر کی دنیا سے بے خبر رہے ہوں۔ مذہب، ادب اور تعلیم کے علاوہ انہوں نے سیاست کے میدان میں بھی قدم رکھا اور سیاسی تقریریں بھی کیں لیکن ناول لکھتے وقت انہوں نے

www.iqbalcyberlibrary.net

محدود گھریلو دنیا سے باہر قدم نہیں رکھا۔ ان کے تمام ناول درحقیقت گھریلو ناول ہیں۔ فنکار اپنے مقصد اور دلچسپی کا لحاظ کر کے اپنی تخلیق کا میدان متعین کرتا اور اپنے موضوع کا انتخاب کرتا ہے۔ تخلیقی عمل کا پہلا مرحلہ یہی ہے۔ فنکار اگر یہاں ناکام ہوا تو آگے ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ نذیر احمد کے ذہن میں مقصد پوری طرح واضح تھا۔ انہوں نے اپنے ناولوں کے کینوس کو مختصر رکھا لیکن انہوں نے جو مرقعے پیش کیے ہیں ان میں اپنی گہری نظر اور فنی مہارت کا پورا ثبوت دیا ہے۔

پلاٹ

مولوی نذیر احمد کے سامنے اردو کا افسانوی ادب محض داستان کی شکل میں موجود تھا اور ان داستانوں میں مربوط منضبط پلاٹ کے پائے جانے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، لیکن وہ مغربی ناول سے بھی واقف تھے اور پلاٹ کا صحیح تصور ان کے ذہن میں کسی نہ کسی حد تک ضرور موجود تھا۔ ان کے ناولوں کے پلاٹ کمزور ہیں لیکن آگے چل کر وہ بے نقص پلاٹ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مراۃ العروس کی بنیاد اکبری اصغری دو بہنوں کی زندگی ہے مگر دونوں کی زندگی کے واقعات الگ الگ بیان ہوئے ہیں۔ یہ دونوں آپس میں گھل جاتے تو ایک مرکب پلاٹ وجود میں آتا جو زیادہ پر اثر ہوتا لیکن مرکب اور پیچیدہ پلاٹ سنبھالنے کا سلیقہ ابھی ناول نگار میں پیدا نہ ہوا تھا۔

بنات النعش کا پلاٹ بھی اکہرا ہے۔ اسے پہلے ناول کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ اسے تھامس ڈے کے سینڈفورڈ اینڈ برٹن کے انداز پر لکھا گیا ہے۔ ایک بدسلیقہ اور بد اطوار لڑکی کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے اصغری کے مدرسے میں داخل کیا جاتا ہے۔ یہاں دھیرے دھیرے اس کی عادتیں سدھرتی ہیں اور وہ پوری طرح علم سے بہرہ مند ہو جاتی ہے۔ گویا یہاں بھی پلاٹ سیدھا اور سپاٹ ہے۔ کہانی خط مستقیم پر سفر کرتی ہے۔ البتہ تیسرے ناول تک پہنچتے پہنچتے فن پر ان کی گرفت مضبوط

www.iqbalcyberlibrary.net

ہو جاتی ہے۔توبتہ النصوح کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناول نگار ادبی اور فنی تقاضوں کو اچھی طرح سمجھنے لگا ہے۔اس ناول کے پلاٹ میں ترتیب وتوازن کا حسن موجود ہے۔واقعات میں ایسا ربط ہے کہ ایک کڑی دوسری کڑی سے جڑتی چلی جاتی ہے۔ابن الوقت کا پلاٹ اور زیادہ پیچیدہ اور پراسرار ہے۔مقصد نگار کبھی اپنی تخلیق کو گرفت سے باہر نہیں ہونے دیتا وہ پلاٹ اور کردار دونوں کو قابو میں رکھتا ہے اور ان سے حسب منشا کام لیتا ہے۔اس سے بے ساختہ پن ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کبھی کرداروں کا عمل غیر فطری ہو جاتا ہے تو کبھی پلاٹ کی تعمیر حقیقت سے دور ہو جاتی ہے۔ نذیر احمد کے ناولوں میں یہ عیب کم نظر آتے ہیں۔

پلاٹ کی تعمیر کے نقطہ نظر سے ابن الوقت کو ایک کامیاب ناول قرار دیا جا سکتا ہے۔اس ناول کے مطالعے کے دوران بار بار اندازہ ہوتا ہے کہ واعظ و مقصد نگار نذیر احمد فنکار نذیر احمد کے آگے بے دست و پا ہو جاتا ہے اور پلاٹ کی تعمیر بالکل فطری اور حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ناول نگار غیر جانب دار نظر آتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ نیکی وبدی کی فتح وشکست سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ حجتہ الاسلام کی تقریر کو خارج کر دیا جائے تو یہ عہد حاضر کے کسی جدید ناول کا پلاٹ معلوم ہوتا ہے۔ رویائے صادقہ کے ابتدائی ڈیڑھ سو صفحات پڑھ کر یہ خیال ہوتا ہے نذیر احمد کے ہاتھوں ایک بے عیب پلاٹ وجود میں آنے والا ہے مگر آگے چل کر مایوسی ہوتی ہے۔صادقہ کے خواب کی طوالت پلاٹ میں جھول پیدا کر دیتی ہے اور یہ دینی تعلیم کا رسالہ معلوم ہونے لگتا ہے۔

حسن ترتیب اور پلاٹ کی تعمیر کے لحاظ سے فسانہ مبتلا نذیر احمد کا بہترین ناول ہے۔یہاں مصلح نذیر احمد پر فنکار نذیر احمد نے فتح پالی ہے۔ فنی نقطہ نظر سے یہ ناول ابن الوقت سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔یہاں جزئیات نگاری میں نذیر احمد بالزاک کی اور ظرافت میں جین آسٹن کی ہمسری

www.iqbalcyberlibrary.net

کرتے ہیں۔ پورے ناول میں متعدد بار اور مناسب وقفوں کے بعد طنز و ظرافت سے کام لیا گیا ہے جس سے ایک پیٹرن اور آہنگ پیدا ہو گیا ہے۔ ناول نگار نے اس ناول میں تجسس بھی پیدا کیا ہے جو آخر تک برقرار رہتا ہے اور دلچسپی میں اضافہ کرتا ہے۔ شروع میں قصے کی رفتار سست ہے مگر یہ بے سبب نہیں۔ ناول کے اس حصے سے مبتلا کی ذہنی ساخت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مختصر یہ کہ فسانہ مبتلا کا پلاٹ اکہرا ہونے کے باوجود فنکارانہ ہے۔ ایامیٰ کا پلاٹ بھی گتھا ہوا ہے مگر فسانہ مبتلا سے کم۔ آزادی بیگم کی تقریر نے اس کے تناسب و توازن کو مجروح کر دیا ورنہ پلاٹ کے لحاظ سے یہ بھی انتہائی کامیاب ناول ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ نذیر احمد پلاٹ کی تعمیر کا سلیقہ رکھتے تھے اور جیسے جیسے ان کے ناولوں کی تعداد بڑھتی گئی اس سلیقے میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ پلاٹ کے اعتبار سے فسانہ مبتلا اور ابن الوقت ان کے بہترین ناول کہے جا سکتے ہیں۔ توبتہ النصوح اور ایامیٰ کے پلاٹ بھی کامیاب ہیں مگر نسبتاً کم۔ رویائے صادقہ کے پلاٹ کو مقصدیت کے غلبے نے نقصان پہنچایا۔ مراۃ العروس اور بنات النعش بالکل ابتدائی ناول ہیں۔ ان کے پلاٹ ناقص ہیں۔ یہاں مہارت کی کمی صاف نظر آتی ہے۔

کردار نگاری

نذیر احمد نے کردار نگاری میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا تجربہ وسیع اور نگاہیں تہ رس تھیں۔ انہوں نے زندگی میں ٹھوکریں بھی کھائیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی منصب بھی حاصل کیے۔ چنانچہ ہر قسم کے لوگوں کو دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا۔ نظر ایسی تیز تھی کہ جس پر پڑی اسے اکسرے کی طرح آر پار دیکھ لیا۔ ذہن میں کیمرے کی سی خاصیت تھی کہ جو کچھ سامنے آیا نقش ہو گیا۔ مردم شناس ایسے تھے کہ ذہن انسانی کے پیچ و خم سے پوری طرح واقف اور انسانی نفسیات سے بخوبی

www.iqbalcyberlibrary.net

آشنا تھے۔ جن دنوں پنجابیوں کے کٹڑے کی مسجد میں قیام تھا تو پیٹ بھرنے کے لیے گھر گھر جانا پڑتا تھا۔ کسی کا مسالا پیستے، کسی کا سودا لا کے دیتے تب دو روٹیاں میسر آتیں لیکن اس بہانے متوسط طبقے کے مسلم گھرانوں کو اندر سے دیکھنے، ان کے رہن سہن کا مطالعہ کرنے اور ان لوگوں کے ذہنی رویوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ نذیر احمد نے کردار نگاری میں اپنے تمام تجربوں اور اپنی ساری صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھایا اور ہمارے افسانوی ادب میں کئی زندہ جاوید کرداروں کا اضافہ کر دیا۔ مرزا ظاہر دار بیگ، کلیم، ابن الوقت، مبتلا اور ہریالی اردو ادب کے لافانی کردار ہیں۔

کردار نگاری کے سلسلے میں نذیر احمد نے مختلف فنی تدابیر اختیار کی ہیں۔ کبھی مصنف خود کرداروں کا تفصیلی تعارف کراتا ہے، کبھی کرداروں کے عمل سے ان کی طبیعتوں کا سراغ ملتا ہے اور کبھی ان کی گفتگو ان کی خاصیتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ نذیر احمد اپنے کرداروں کے متعلق معمولی سے معمولی بات کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے اور ایک ایک کردار پر مختلف زاویوں سے اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ اس کے اصلی اور جاندار ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حیات النذیر کے مصنف کے بیان کے مطابق دہلی میں لوگ اکبری اور اصغری کا پتہ پوچھتے تھے۔ آج تک لوگوں کا خیال ہے کہ ابن الوقت سرسید کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ آزادی بیگم بیوی صاحبہ کی بہن تھیں۔ نصوح، حجت الاسلام، دور اندیش خاں، میر متقی اور مبتلا نذیر احمد ہی کے بدلے ہوئے روپ نظر آتے ہیں۔

اس کے باوجود نذیر احمد کی کردار نگاری خامیوں سے یکسر پاک نہیں ہے۔ اس میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ ہر کردار یا صرف خوبیوں کا مجموعہ ہے یا محض بدی کا مجسمہ۔ یہ حقیقت ناول نگار کی نظر سے اوجھل رہی کہ انسان نیکی و بدی اور خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ آل احمد سرور کے الفاظ میں ان

www.iqbalcyberlibrary.net

کے کردار یا فرشتے ہوتے ہیں یا شیطان، اصلی انسان نہیں ہوتے۔ اصلی انسان کی تصویر نہ تو سیاہ رنگ سے بنائی جاسکتی ہے نہ سفید رنگ سے بلکہ دونوں رنگوں کی آمیزش سے یہ تصویر وجود میں آتی ہے۔ جس میں سیاہی غالب ہوتی ہے وہ برا کہلاتا ہے اور جس میں سفیدی نمایاں ہوتی ہے اسے نیک سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر دار بیگ میں خودغرضی، مکاری اور نمود ونمائش کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اصغری اور فہمیدہ سرتاسر نیکی ہی نیکی ہیں۔ حجت الاسلام اور میر تقی سارے عیبوں سے پاک ہیں۔ اکبری میں نیکی کی رمق نظر نہیں آتی۔ نذیر احمد ایک ستم اور کرتے ہیں۔ وہ اپنے کردار کو نام کیا دیتے ہیں یوں کہیے کہ لیبل لگا دیتے ہیں۔ اور کردار کے نام سے اس کی جملہ خصوصیات واضح ہو جاتی ہیں۔ کلیم ضرور خوش کلام ہوگا، فہمیدہ یقیناً ذی عقل ہوگی، ظاہر دار بیگ میں ظاہر داری کے سوا کچھ نہ ملے گا' کلیم کو پکڑنے کے لیے مرزا زبردست بیگ دوڑے گا تو بیچارہ کلیم بھاگ کر کہاں جائے گا' نصوح کا کام نصیحت کرنا ہی ہوگا۔ دوراندیش کی فراست کا قائل ہونا پڑے گا۔ مبتلا ضرور مبتلائے الم ہوگا۔ اس طریق کار کا نقص یہ ہے کہ تجسس باقی نہیں رہتا پہلے سے طے ہو جاتا ہے کہ کس موقع پر کردار کا کیا رویہ ہوگا۔ اس خصوصیت کی بناء پر نذیر احمد کے ناولوں کو اخلاقی تمثیلیں کہا گیا لیکن صرف ناموں کی بناء پر ایسا فیصلہ صادر کر دینا قرین انصاف نہیں۔

دوسرا عیب یہ ہے کہ نذیر احمد کے کرداروں میں ارتقا کم نظر آتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خواہ انسان کی بنیادی سرشت نہ بدلے لیکن وہ کسی نہ کسی درجے میں ماحول اور حالات سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ نذیر احمد کے بیشتر کردار شروع سے آخر تک یکساں رہتے ہیں۔ حالات ان پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو پاتے۔ ظاہر دار کا فریب بے نقاب ہو جاتا ہے مگر اس میں ذرا سی تبدیلی بھی نہیں آتی۔ ابن الوقت حجت الاسلام کے آگے لاجواب ہو جاتا ہے مگر اس کا دل نہیں بدلتا۔ ہریالی

www.iqbalcyberlibrary.net

تائب ہو جانے کا لاکھ سوانگ رچائے مگر بری عادتوں سے اسے نجات نہیں ملتی۔کلیم کے کردار میں آخری وقت میں تبدیلی ہوتی ہے جو غیر فطری معلوم ہوتی ہے۔ مبتلا کا کردار البتہ حالات سے تبدیل ہوتا ہے اور یہ تبدیلی حقیقی و اصلی معلوم ہوتی ہے۔صادق کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آتی ہے۔

نذیر احمد کے زیادہ تر کردار سادہ اور سپاٹ ہیں لیکن کلیم' ابن الوقت' مبتلا' ہریالی' ماما عظمت کے کرداروں کو مدور(راؤنڈ) کردار کہا جا سکتا ہے۔ان کے ذہنی پیچ وخم کو نذیر احمد نے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ابن الوقت کی جذباتی کشمکش اور نفسیاتی پیچیدگی کو ناول نگار نے بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔میر متقی کے رخصت ہو جانے کے بعد مبتلا کا ذہن طوفانوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے دل اسے ایک طرف کھینچتا ہے تو دماغ دوسری طرف۔ اس کشمکش کو ناول کے صفحات پر پیش کر دینا آسان کام نہ تھا لیکن نذیر احمد نے اس معاملے میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ہریالی کے ظاہر و باطن کے تضاد نے اسے سپاٹ کرداروں کی سطح پر سے بلند کر دیا ہے، بلکہ اس ناول کے کئی کرداروں کے مختلف ابعاد مختلف موقعوں پر سامنے آتے ہیں۔ جب یہ راز فاش ہو جاتا ہے کہ ہریالی خادمہ نہیں بلکہ مبتلا کی منکوحہ بیوی ہے تو غیر بیگم کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور انتہائی تکلیف کے عالم میں اس کے منہ سے بے ربط جملے نکلتے ہیں۔نذیر احمد کرداروں کی پیشکش میں انسانی نفسیات کی گہری بصیرت کا ثبوت دیتے ہیں اور ان کے قلم سے لافانی کردار وجود میں آتے ہیں۔

مکالمہ نگاری

مکالمہ نگاری میں نذیر احمد کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ان کے ہر کردار کی زبان سے وہی

www.iqbalcyberlibrary.net

مکالمے ادا ہوتے ہیں جو اس کی شخصیت سے مطابقت رکھتے ہوں اور موقع محل کے عین مطابق ہوں۔ ان کے کرداروں کی گفتگو سننے والا محض اس گفتگو سے ان کرداروں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتا ہے۔ ان کے بیشتر مکالموں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کا ادا کرنے والا کون ہے، کس مزاج کا ہے، اور اس کی پرورش کس ماحول میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی اس کی عمر کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مکالمہ نگاری میں نذیر احمد کی اس کامیابی کے کئی اسباب ہیں۔ اول تو نذیر احمد ایک کثیر المطالعہ انسان تھے اور زبان پر انہیں پوری قدرت حاصل تھی۔ وہ مشکل سے مشکل بات اور پیچیدہ سے پیچیدہ خیال کو سہل بنا کے بات چیت کی زبان میں ادا کرنے کا گر جانتے تھے۔ دوسرے وہ انسانی نفسیات کے رمز شناس تھے اور تیسرے یہ کہ عملی زندگی کے وسیع تجربے سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ اُنہوں نے ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگوں کو نزدیک سے دیکھا تھا۔ اس لیے خوب جانتے تھے کہ کس شخص کی زبان سے کس موقعے پر کیا الفاظ ادا ہوں گے۔

نذیر احمد اپنے کرداروں کا تفصیلی تعارف بھی کراتے ہیں، کرداروں کے عمل سے بھی ان کی شخصیتوں کو نمایاں کرتے ہیں لیکن جو چیز نذیر احمد کے کرداروں کے سمجھنے میں سب سے زیادہ معاون ہوتی ہے وہ ان کے اپنے مکالمے ہیں۔ مراۃ العروس اور بنات النعش ان کے ابتدائی ناول ہیں۔ ان میں متعدد خامیاں موجود ہیں لیکن مکالمہ نگاری میں مولوی صاحب کو جو قدرت حاصل ہے اس کا اظہار یہیں سے ہونے لگا ہے۔ اکبری اور اصغری کی سیرت کا اندازہ ان کی اپنی گفتگو سے ہی ہوتا ہے ان کی گفتگو اور اس کا انداز ہو بہو ویسا ہی ہے جیسا متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں میں ہو سکتا ہے۔ حسن آرا بنات النعش کا مرکزی کردار ہے۔ محمودہ سے اس کی گفتگو یوں ہوتی ہے

محمودہ: محتاج کے سر میں کیا سینگ ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر محتاجی اور کیا ہو گی کہ آپ کا

www.iqbalcyberlibrary.net

ایک دن بھی بے نوکروں کے نہیں کٹ سکتا۔ بھلا میں پوچھتی ہوں ماما نہ ہو تو کھانا کون پکائے، لونڈیاں نہ ہوں تو پانی کون پلائے، منہ کون دھلائے، پنکھا کون جھلے، چیز کون اٹھا کر دے، چارپائی کون بچھائے، بچھونے کون کرے، گھر میں جھاڑو کون دے، یہ تو روزمرہ کے کام ہیں۔ کھانا، کپڑا، برتن، زیور اور ضرورت کی کل چیزیں چھوٹی یا بڑی یہاں تک کہ پانی پینے کا مٹی کا آبخورہ، کنگھی، سوئی، سلائی کیا آپ نے اپنے ہاتھوں بنائی ہیں؟

حسن آرا: بے شک ضرورت کی سب چیزیں اور لوگ بناتے اور ٹہل خدمت بھی کرتے ہیں۔ مگر کیا کوئی چیز ہم کو مفت دی جاتی ہے اور کیا بے لئے کوئی ٹہل خدمت کرتا ہے۔ ہر چیز اور ہر کام کے لیے ہم روپیہ خرچ کرتے ہیں روپے کے لالچ سے لوگ خودبخود چیزیں لیے دوڑے چلے آتے ہیں۔ بے بلائے ٹہل خدمت کرنے کو حاضر ہوتے ہیں۔ روپیہ ہو تو گھر بیٹھے دنیا کا سامان لے لو اور نوکر تو ایک صبح رکھو ایک شام۔

توبتہ النصوح میں کلیم کی ادبی اور شاعرانہ گفتگو، مرزا ظاہر بیگ کی جھوٹ اور مکاری سے بھری باتیں، نعیمہ کی اپنی ماں سے بے ادبی سے بات چیت، ان کرداروں کے مزاج کو پوری طرح نمایاں کرتی ہے۔ ابن الوقت اور حجت الاسلام کے مکالمے طویل ہونے کے باوجود بہت دلچسپ ہیں۔ ایامی میں آزادی بیگم کی خودکلامی اس کی ذہنی تہوں کو کھولتی اور اس کے باطن کو بے نقاب کرتی ہے۔ اس زیر لب گفتگو سے اس کی ذہنی کشمکش کا پتہ چلتا ہے۔ فسانہ مبتلا میں مکالمہ نگاری کے عمدہ نمونے نظر آتے ہیں۔ مبتلا کے چچا میر متقی کی آمد پر بھانڈ آپس میں جو طنزیہ گفتگو کرتے ہیں وہ دلچسپ بھی ہے اور اس عہد کے افکار پر روشنی بھی ڈالتی ہے۔ ہریالی کی مبتلا سے گفتگو، غیرت بیگم کی ماما سے بات چیت، مبتلا کی عارف سے بحث نذیر احمد کی مکالمہ نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ مبتلا

www.iqbalcyberlibrary.net

ہریالی سے نکاح کر کے اسے خادمہ کے بھیس میں گھر لے آتا ہے لیکن آخر کار ایک روز یہ راز افشا ہو جاتا ہے۔ غیرت بیگم اس صدمے کو برداشت نہیں کر پاتی۔ اس کی حالت متغیر ہو جاتی ہے۔ غصے کے عالم میں اس کی زبان سے بے ربط فقرے نکلتے ہیں جن سے اس کی ذہنی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ غصے میں کہتی ہے

غیرت بیگم: "یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے۔ یہ بی بی ہے۔ یہ میری سوکن ہے۔ میں رانڈ ہوں یہ سہاگن ہے۔ میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے۔ یہ میاں کی لاڈو ہے۔ یہ میاں کی چہیتی ہے۔ یہ میاں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔"

نذیر احمد کے پہلے ناول سے ہی ان کی مکالمہ نگار کا قائل ہونا پڑتا ہے لیکن اس فن میں مسلسل ارتقا نظر آتا ہے۔ بعد کے ناولوں کے مکالمے اور بھی زیادہ کامیاب ہیں۔ ان کے مکالموں کی خامیاں کہیں کہیں کھٹکتی ہیں۔ بعض جگہ ان کے مکالمے ضرورت سے زیادہ طویل ہوتے ہیں۔ یہ بالعموم ان موقعوں پر ہوتا ہے جہاں مذہبی امور زیر بحث آتے ہیں۔ اس کا سبب نذیر احمد کا اصلاحی مشن اور مذہبی ذہن ہے۔ ثقیل الفاظ کا استعمال بھی کہیں کہیں ناگوار گزرتا ہے۔ ابتدائی ناولوں میں یہ عیب زیادہ نمایاں ہے۔ محاوروں اور کہاوتوں کی بھرمار نے بھی ان کے مکالموں کو داغدار کیا ہے لیکن یہ تینوں خامیاں ہر جگہ نہیں بلکہ کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ مجموعی طور پر نذیر احمد مکالمہ نگاری کے فن میں کامیاب ہیں۔

زبان و بیان

نذیر احمد عربی زبان کے عالم تھے۔ اس کے علاوہ دیندار آدمی تھے اور قرآن و حدیث سے خاص شغف رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی تحریروں پر عربیت کا غلبہ ہے۔ ان کے قلم سے عربی کے ثقیل اور

www.iqbalcyberlibrary.net

نامانوس الفاظ بے اختیار نکل جاتے ہیں اور یہ صورت ناولوں میں بھی پیش آتی ہے جبکہ ناول کے ناقدین نے اس پر زور دیا ہے کہ ناول نگار کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ ناول نگار کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زبان کو ناول کے موضوع اور قاری کے درمیان حائل نہ ہونے دے۔ ناول کی زبان کھڑکی میں لگے ہوئے شیشے کے مانند ہوتی ہے جس سے آر پار صاف نظر آتا ہے اور ایک ناقد کے الفاظ میں ناول نگار کا کام یہ ہے کہ وہ اس شیشے کو شفاف رکھے تاکہ اس کے پار نظر آنے والا منظر صاف نظر آئے۔ نذیر احمد کی زبان اکثر قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے جو ایک ناول نگار کا عیب ہے، لیکن تیسرے ناول میں یہ عیب کم ہو جاتا ہے۔ یعنی توبتہ النصوح کی زبان زیادہ صاف اور شگفتہ ہے۔ مولوی صاحب عربی کے اثر سے اپنا دامن بالکل تو نہ بچا سکے لیکن رفتہ رفتہ ان کے ناولوں کی زبان زیادہ صاف اور شگفتہ ہوتی گئی۔

محاورات کی کثرت سے نذیر احمد کی زبان کبھی آزاد نہ ہو سکی۔ ان کی تحریروں میں جو محاورے اور کہاوتیں استعمال ہوتی ہیں انہیں یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ کبھی کبھی تو وہ ایک ایک سطر میں کئی کئی محاورے استعمال کر جاتے ہیں۔ یہ شوق اس حد کو پہنچا ہوا ہے کہ کبھی کبھی محاورات کا بے محل استعمال کر جاتے ہیں۔ امہات الامہ میں بعض محاورے اس طرح استعمال ہوئے کہ بزرگان دین کی شان میں گستاخی کا پہلو پیدا ہو گیا اور اس کتاب کو نذر آتش کر دینا پڑا۔

مولوی صاف بڑے ظریف آدمی تھے۔ ان کی تحریریں چٹکلوں، لطیفوں اور دلچسپ قصوں سے بہت پر کشش ہو گئی ہیں۔ ان کے ناولوں کے بعض کردار ظرافت کا کافی مواد فراہم کر دیتے ہیں۔ توبتہ النصوح کے مرزا ظاہر دار بیگ اور فسانہ مبتلا کے بھانڈ اس کی اچھی مثالیں ہیں۔ ظرافت مولوی صاحب کی ایسی کمزوری ہے کہ سنجیدہ موقعوں پر بھی اس سے احتراز نہیں کر پاتے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

نقطہ ٔ نظر

ناول کے جو اصول متعین کیے گئے تھے ان میں نقطۂ نظر کو بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ نذیر احمد کے ناول اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ وہ ایک واضح نقطۂ نظر کے حامل تھے۔ وہ مشرقی اقدار کے حامی اور اسلامی روایات کے علمبردار تھے۔ انہوں نے اپنے ناولوں کو اصلاح معاشرت اور استحکام دین کا وسیلہ بنایا۔ گویا وہ افادی ادب کے قائل تھے اور اس سے زندگی کو سنوارنے کا کام لینا چاہتے تھے۔

دلچسپی کا عنصر

ہمارا دور ادبی روایات کی شکست و ریخت کا دور ہے۔ روایت سے انحراف تو ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے لیکن اب روایت سے مکمل بغاوت کا زمانہ ہے۔ عہد حاضر کے ناول نے تمام مسلمہ اصولوں سے کنارا کر لیا ہے۔ اب ناول کے لیے نہ پلاٹ ضروری ہے نہ روایتی کردار اور نہ نقطۂ نظر لیکن یہ عام طور پر آج بھی محسوس کیا جاتا ہے کہ ناول میں دلچسپی کا عنصر بہر حال موجود ہونا چاہیے جو قاری کی توجہ کو پوری طرح گرفت میں لیے رہے۔ نذیر احمد کے ناول اس شرط کو پورا کرتے ہیں۔

حسن آرا کی بدمزاجی اور شرارت

حسن آرا کے مزاج کی افتاد ایسی بری پڑتی تھی کہ اپنے ہی گھر میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا ادب نہ آپا کا لحاظ۔ نہ باپ کا ڈر نہ بھائیوں سے ملاپ۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

شاہ زمانی بیگم کے آنے جانے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی لیکن شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگا تار دو تین فریادیں آئیں۔ نرگس روتی آئی کہ بیگم صاحب، دیکھیے، چھوٹی صاحبزادی نے اس زور سے پتھر مارا کہ میری آنکھ پھوٹتے پھوٹتے بچ گئی۔ سوسن نے آکر فریاد کی کہ بیگم صاحب، چھوٹی بیگم صاحب نے مجھ سے کہا کہ دیکھو سوسن تیری زبان۔ جونہی میں نے دکھانے کو زبان نکالی، نیچے سے تھوڑی میں ایسا مکا مارا کہ سارے دانت زبان میں بیٹھ گئے۔ گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے میرا کان خونا خون ہو گیا۔ دائی چلائی کہ دیکھیے، میری لڑکی کمبخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی پڑ گئی۔ باورچی خانے سے ماما نے دہائی دی کہ اچھی کوئی ان کو سمجھانا۔ سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی کہ حسنا، یہاں آؤ، خالہ کی آواز پہچان، بارے حسن آرا چلی تو آئی، نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں راکھ، پاؤں میں کیچڑ۔ ایسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا حسنا، تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔ حسن آرا نے کہا۔ ''اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی'' یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل لپک کر بے خطا قصور سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں، ایک نہ سنی۔

حسن آرا کو مکتب میں بٹھانے کی صلاح اور استانی اصغری خانم کا مختصر حال

تب تو شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولیں ''بوا سلطانہ اس لڑکی کے لیے تو ازبرائے خدا استانی رکھو۔''

سلطانہ بیگم نے کہا ''باجی اماں، کیا کروں۔ مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں۔ کہیں نہیں

www.iqbalcyberlibrary.net

ماتی۔"

شام زمانی بیگم بولیں "اوئی بوا، تمہاری بھی وہی کہاوت ہوئی، ڈھنڈورا شہر میں، لڑکا بغل میں۔ خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔"

سلطانہ نے کہا "مجھ کو آج تک اطلاع نہیں ہوئی۔ دیکھو، میں ابھی آدمی بھیجتی ہوں" یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی، کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں؟ باجی اماں کہتی ہیں ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گری کی نوکری کریں تو ان کو بلوالاؤ، کھانا کپڑا دس روپیہ پان زردے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں اور جب لڑکی پہلا سپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی تو تنخواہ کے علاوہ بھی انشاءاللہ ہم استانی جی کو خوش کر دیں گے۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی اور پوچھا

"اچھی بی، مولوی صاحب کی بی بی تم ہی ہو؟"

ماما دیانت: ہاں، یہی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔ کہاں سے آئیں؟

مانی جی: (گھروالی کی طرف مخاطب ہوکر) تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟

محمد کامل کی ماں: کوٹھے پر ہیں۔

مانی جی: میں ان کے پاس اوپر جاؤں؟

دیانت: آپ اپنا پتا نشان بتلایئے۔ بہو صاحب یہیں آجائیں گی۔

مانی جی: میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔

یہ سن کر محمد کامل کی ماں نے نام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی اور مانی سے کہا۔

"تمیز دار بہو سے کیا کام ہے؟"

www.iqbalcyberlibrary.net

مانی جی: وہی آئیں تو کہوں۔

تمیز دار کے نیچے اترنے کا وقت بھی آ گیا تھا کیونکہ عصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آئی تھی اور مغرب اور عشاء دونوں نمازیں نیچے پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو استانی گری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں البتہ کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کی تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔

اصغری نے کہا، دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جو کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے کسی سے مجھ کو عذر نہیں ہے۔ اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنے میکے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی اور میرا جی تو بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں لیکن کیا کروں، نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ میرا جانا وہاں ہوسکتا ہے۔

مانی جی نے تنخواہ کا نام صاف تو نہ لیا مگر دبی زبان سے کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمہ داری بھی کرنے کو موجود ہیں۔ اصغری نے کہا کہ یہ سب ان کی مہربانی ہے۔ ان کی ریاست کو یہی بات زیبا ہے۔ لیکن ان کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں رکھتا ہے۔ بے داموں کی لونڈی بن کر تو خدمت کرنے کو حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔

اس کے بعد مانی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب یہ سنا کہ تحصیلدار کی بیٹی ہے اور مولوی محمد فاضل صاحب بھی پچاس روپیہ ماہواری کے نوکر ہیں تو مانی کو ندامت ہوئی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا۔ مانی ہر چند نوابی کے کارخانے دیکھے ہوئے تھی لیکن اصغری کی شستہ تقریر سن کر دنگ ہوگئی اور

www.iqbalcyberlibrary.net

معذرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔ اصغری نے کہا، تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔ اول تو نوکری کچھ گناہ نہیں، عیب نہیں اور پھر نا واقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ۔

غرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جا کر کہا کہ بیگم صاحب، استانی تو واقع میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے، جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے، پاس بیٹھنے سے انسانیت حاصل کر لے، سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے، ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے، لیکن نوکری کرنے والی نہیں، تحصیلدار کی بیٹی ہے، رئیس لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے۔ چاند پر سوزنی، اوپر سے گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اچھی خوش گزران زندگی۔ بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے؟

شاہ زمانی: سچ ہے بوا سلطانہ۔ تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔

مانی جی: لیکن وہ تو ایسی اچھی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔

سلطانہ: یہاں آ کر؟

مانی جی: بھلا بیگم صاحب جو نوکری کی پرواہ نہیں رکھتا، وہ یہاں کیوں آنے لگا؟

سلطانہ: کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟

شاہ زمانی: اس میں کیا قباحت ہے؟ دو قدم پر تو گھر ہے۔ اور مولوی صاحب کو تم نے ایسا بے عزت سمجھا؟

بھائی علی نقی خاں کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں!

سلطانہ: آہا! تو ایک حساب سے ہماری برادری ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

شاہ زمانی: تو خدا نہ کرے کچھ ایسے ویسے ہیں۔ پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا۔ جب سے رئیس بگڑا، بیچارے

غریب ہو گئے ہیں۔ پھر بھی گھر میں ماما ہمیشہ رہی۔ ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی برابر رہتے ہیں۔

سلطانہ: خیر، حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبانہ سامان تھا لیکن اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی وہ مدارات ہوئی کہ ہر طرح کی چیز وہیں، بیٹھے بیٹھے، موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر، چوکھڑا الا یچی چکنیاں، چائے، بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب مزے کی گلوریاں تیار ہو گئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے ذرا اس لڑکی کو دل سے پڑھا دیجئے۔

اصغری نے کہا کہ اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے، مگر وہ دو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں۔ انشاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔ چلتے ہوئے سلطانہ بیگم ایک اشرفی اصغری کو دینے لگیں۔ اصغری نے کہا کہ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پڑھوائی آپ سے لوں۔ سلطانہ بیگم نے کہا، استغفر اللہ! پڑھوائی دینے کے واسطے ہمارا کیا منہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔ اصغری نے کہا، شروع میں تبرک کے واسطے سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔ یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کوٹھڑی میں سے تاب بھر کر ملکتیاں نکال لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور بھری تاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔

سلطانہ نے کہا، اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا۔ اصغری نے کہا، ہم بیچارے غریب کس لائق ہیں۔ یہاں جو کچھ ہے، وہ بھی آپ کا ہی ہے۔ البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا کو پڑھا دوں۔ سو خدا وہ

www.iqbalcyberlibrary.net

دن کرے کہ میں آپ سے سرخ رو ہوں۔ غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا اور لونڈیوں کی بے جا خوشامد

یوں دیکھنے اور کہنے کو حسن آرا اکیلی مکتب میں بیٹھی مگر کوئی درجن بھر تو لونڈیاں اس کے ساتھ تھیں اور کوئی کوڑی بھر سہیلیاں۔ لونڈیوں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ بے ضرورت بھی ہر دم اور ہر لحظہ چاروں طرف سے حسن آرا کو گھیرے رہتیں اور کچھ کام نہیں تو بات بات میں خوشامد، بات بات پر تعریف۔ ذرا بیٹھک بدلی اور سب بول اٹھیں، بسم اللہ۔ بسم اللہ۔ چھینک لی تو سب چلائیں، شکر الحمد اللہ۔ مانی جی ہیں کہ چپکے ہی چپکے قل ہو اللہ کی تسبیحاں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی ہیں۔ انا ہیں کہ بار بار ''ان یکاد'' (ان یکاد کا اشارہ ہے طرف ایک آیت قرآن مجید کے، جو دفع نظر بد کے واسطے پڑھ کر پھونک دیا کرتے ہیں) دم کرتی جاتی ہیں۔ اور جونہیں حسن آرا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کوئی جلدی جلدی پنکھا جھلنے لگی۔ کوئی چولی یا رومال ہلانے کھڑی ہوگئی۔ کوئی بولی، واری جاؤں، گلوری کھا لو یا گوٹے ہی کے دو دانے ڈال لو۔ دیر ہوئی منہ بدمزہ ہو گیا ہو گا۔ کوئی کہنے لگی، صدقے گئی۔ ایک گھونٹ شربت پی لو۔ نگوڑے ہونٹ ہیں کہ سوکھے چلے جاتے ہیں۔ پپڑیاں بندھ گئی ہیں۔ بھاڑ میں جائے ایسا پڑھنا اور آگ لگے ایسے مکتب کو۔ لڑکی کا منہ تو دیکھو، کیسا ذرا سا نکل آیا ہے۔ یہ کہہ کر جلدی سے لپک، چٹا چٹ بلائیں لے لیں، حسن آرا کو گلے سے لگا لیا۔ جس شخص پر حسن آرا کی طرح ایسی لونڈیوں کا غضب الٰہی اور ایسے نوکروں کی بلا مسلط ہو، اس کے مزاج کا درست رہنا عجب کی بات ہے۔ فرشتہ بھی ہو تو ایسی صحبت میں توبہ! بھوت سے بدتر ہو جائے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا کی عادات

حسن آرا بے چاری بھی اسی آفت میں مبتلا تھی۔کوئی خرابی نہ تھی کہ اس کے مزاج میں نہ ہو اور کوئی بگاڑ نہ تھا کہ اس کی عادتوں میں نہ ہو۔ مکتب میں گئی تو شرارت، بدمزاجی، بدزبانی، خودپسندی، بے باکی، جنگ جوئی، حسد، دروغ گوئی، بدلحاظی، تنگ چشمی، لالچ، بے صبری، سستی، بے ہنری، بدسلیقگی۔ اپنی قدیمی سہیلیوں کو ساتھ لیتی گئی۔ چونکہ استانی جی خود ماشاءاللہ امیر گھر کی بیٹی اور امیروں کے دستور اور قاعدے سے بخوبی واقف تھیں، ان کو تو حسن آرا کے چو چلے اور اس کے نوکروں کی ناز برداریاں دیکھ کر کچھ بھی اچنبھا نہیں ہوا۔مگر مکتب کی لڑکیوں کو اچھا خاصا تماشا مل گیا۔ کیسا پڑھنا اور کس کا سبق یاد کرنا، سب کی سب ٹکٹکی باندھ کر حسن آرا اور اس کے ساتھ والیوں کو دیکھنے لگیں۔

اصغری نے دیکھا، اسی سنگت نے حسن آرا کو پیٹ بھر کر بگاڑا ہے۔ اگر اب بھی یہ سنگ ساتھ موجود رہا تو تعلیم و تربیت کا اثر ہونا معلوم۔ ماما جی سے کہا کہ اب ان لوگوں کو اجازت دیجئے کہ گھر کا کام کاج دیکھیں۔ مکتب کی لڑکیاں ہیں کہ انہی میں محو رہی ہیں اور حسن آرا بیگم کا دل بھی اچاٹ ہوا چلا جاتا ہے۔ ماما جی سمجھ دار تو تھی ہی، سننے کے ساتھ سب کو رخصت کا اشارہ کیا۔ مگر لونڈیوں چلنے کا نام سن کر بے طرح مچلیں۔ ایک نے کہا، لو بھلا، بی صاحبزادی مجھ کو ایک دم قرار ہو گا، گھر میں مجھ سے بیٹھا جائے گا۔ دوسری بولی، ماما جی، ایسی نوکری کو سلام ہے۔ میں نے کچھ روٹی کپڑے کے لالچ سے نوکری نہیں کی۔ ایک اس بچی کی محبت ہے۔ تنخواہ ہے تو یہ ہے اور انعام ہے تو یہ ہے۔

ان نوکروں کا مطلب یہ تھا کہ حسن آرا کے حیلے سے گھر کے کام دھندے سے بچیں۔ یہ سن کر اصغری نے کہا، بوا، بیگم صاحب سے بڑھ کر محبت کا دعویٰ تو دعویٰ ہے۔ وہی کہاوت ہے، ماں سے

www.iqbalcyberlibrary.net

زیادہ چاہیے، پھاپھا کٹنی کہلائے۔ اور خدانخواستہ رخصت نہیں وداع نہیں۔ چار قدم پر گھر لگا ہے۔ مکتب میں دیکھتی ہو، جگہ کی کتنی کوتاہی ہے۔ لڑکیوں میں تم سب کا اٹھنا بیٹھنا ان کے لکھنے پڑھنے میں ضرور حرج ڈالے گا۔ بہتر ہے کہ اس وقت چلی جاؤ۔ اپنا اپنا کام دیکھو۔ اس پر بھی دو چار نے عذر کیا کہ آخر صاحبزادی کو پنکھا جھلنے، پانی پلانے کو ایک دو آدمیوں کا رہنا ضرور ہے۔ اصغری نے جواب دیا کہ ہم لوگ اپنا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے ہی ہیں۔ اتنا کام بوا حسن آرا بیگم کا کر دیں گی تو ہاتھ گھس نہ جائیں گے۔ غرض کہ زبردستی اصغری نے سب کو دھکیلا۔ مانی جی بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ بھی ایک کمخواب کے جزدان میں رکھ، بغل میں داب لائی تھیں۔ چلنے لگیں تو وہ جزدان حسن آرا کو دینے لگیں۔ اصغری نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

مانی جی: بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ ہے۔ دیکھیے تو سہی، کیا پاکیزہ خط ہے۔

اصغری: مگر بالفعل اس کی ضرورت نہیں۔

مانی جی: آخر صاحبزادی کو کیا شروع کرائیے گا؟

استانی جی: ابھی تو کچھ بھی نہیں۔

مانی جی: کچھ بھی نہیں تو پھر مکتب میں بیٹھنے سے حاصل؟

اصغری: مجھ کو ہتھیلی پر سرسوں جمانی نہیں آتی۔ حاصل حصول جو کچھ ہوگا، چند روز میں آپ ہی نظر آ جائے گا۔ خلاف خواہش پڑھانا میرا دستور نہیں۔ پڑھنا پڑھانا بھی اسی وقت فائدہ دیتا ہے جب پڑھنے والا خواہش کرے۔ ورنہ مارے باندھے کچھ پڑھایا بھی تو کیا۔ اول تو ایسا پڑھایا یاد نہیں رہتا، دوسرے جب دل نہیں چاہتا تو زبردستی کرنے سے الٹا ذہن اور کند ہوتا ہے۔

مانی جی: سچ ہے۔ مگر بچوں کی خواہش پر ملتوی رکھا کریں تو پڑھنا لکھنا سب نیست و نابود ہو

www.iqbalcyberlibrary.net

جائے۔

اصغری: میں یہ نہیں کہتی کہ سب بچے شوق ہی سے پڑھا کرتے ہیں۔مگر میں نے اپنا یہی دستور رکھا ہے کہ اول علم کا شوق دل میں پیدا کر دیتی ہوں، تب پڑھنا شروع کراتی ہوں۔

مانی جی: سبحان اللہ! شوق ہو تو پڑھنا کیا بڑی بات ہے۔ بے شوق سے برسوں میں نہ ہو اور شوق والا مہینوں میں کر دکھائے۔مگر صاحبزادی تو پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتی ہیں۔ان کو تو خدا ہی شوق دے گا تو ہو گا۔

اصغری: جی مانی جی، انشاء اللہ یہی حسن آرا بیگم پڑھنے کے لیے ہاتھ جوڑیں، پاؤں پڑیں، منتیں کریں،

تب تو سہی۔

غرض کہ ساتھ والیاں تو سب رخصت ہوئیں، اب حسن آرا اکیلی اصغری خانم کے پاس رہ گئی۔ اصغری اول تو خود بڑی زیرک تھی، حسن آرا کے قیافے اور تھوڑی ہی دیر کے طرز و انداز سے سمجھ گئی۔دوسرے ایک محلے کا واسطہ۔ بہت کچھ پہلے سے سن سنا چکی تھی۔غرض جو دقتیں حسن آرا کی اصلاح میں پیش آنے والی تھیں، اصغری سب جان گئی تھی۔خیریت اتنی تھی کہ حسن آرا کے مزاج میں جہاں دنیا بھر کی خرابیاں تھیں، ایک یہ اچھائی تھی کہ ذہین اور سمجھدار ہونے کے علاوہ نیک ذات بھی تھی۔فوراً اس کا دل اچھی بات کا اثر قبول کر لیتا تھا۔اور اس سے کوئی خطا ہو جاتی اور نرمی سے اس کو متنبہ کر دیا جاتا تو قائل اور نادم ہو کر اپنی حرکت پر تاسف اور تلافی مافات میں کوشش کرتی۔ اتنی ہی بات کا سہارا تھا کہ اصغری خانم نے اس کی تعلیم کا بیڑا اٹھا لیا۔اصل میں حسن آرا کا مزاج نہایت نیک تھا۔ناز پروردگی اور دولت مندی سے جن خرابیوں کا پیدا ہونا ممکن تھا وہ البتہ درجہ

www.iqbalcyberlibrary.net

غایت اس کے مزاج میں اثر کر گئی تھیں۔ حسن آرا جب مکتب میں بیٹھی تو اصل خیر سے گیارھویں برس میں تھی اور ہر چند اس وقت تک مکتب میں لڑکیوں کی کچھ بہت بھیڑ بھاڑ نہ تھی تاہم اصغری کی نند محمودہ، زبیدہ، آمنہ، رابعہ، کلثوم، حلیمہ، کنیز فاطمہ، خیر النساء، ہاجرہ، شہر بانو، دس لڑکیاں مکتب میں بیٹھی تھیں۔

مکتب کی لڑکیوں کا حال

یہ لڑکیاں کچھ حسن آرا کی طرح سب کی سب امیرزادیاں تو تھی نہیں۔ اکثر تو پیشہ وروں کی بیٹیاں تھیں اور بعض خوش باش نوکری پیشہ لوگوں کی۔ اگرچہ حسن آرا کے مقابلے میں سب کی سب غریب تھیں مگر بمقابلہ یک دیگر کوئی زیادہ خوشحال تھی، کوئی متوسط الحال۔ کوئی نہایت غریب۔ اور جس طرح ان کی حالتیں متفاوت تھیں، ان کی صورتیں اور سیرتیں ضرور ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ مگر مکتب کی تعلیم نے سیرتوں کے اختلاف کو بالکل مٹا دیا تھا۔ یہ لڑکیاں باوجودیکہ کئی گھروں کی تھیں، تاہم آپس میں ایسی ملی جلی رہتیں کہ گویا سب کی سب سگی بہنیں ہیں۔ نہ ان میں کوئی لڑائی ہوتی نہ کبھی کسی طرح کی رنجش پیدا ہوتی۔ صورتوں کے اختلاف کا رفع کر دینا تو اصغری کے اختیار میں نہ تھا۔ البتہ کر دیا تھا کہ کسی کے نزدیک اختلاف صورت کی کچھ وقعت باقی نہ رہی تھی۔ جو رنگ کی اجلی اور گوری چٹی تھی، وہ کبھی سیاہ فام کالی بھٹ کو نظر حقارت سے نہ دیکھتی۔ نہ اپنی صباحت پر ناز کرتی۔ اور جس کا نقشہ اچھا تھا وہ کم رو سے نفرت نہ کرتی اور نہ اپنے چہرے مہرے کو دیکھ کر خوش ہوتی۔ امیری غریبی سے تو یہاں کچھ بحث ہی نہ تھی۔ کوئی نہیں جانتی تھی کہ امیری کیا بلا ہے اور غریب ہونا بھی کچھ حقارت کی بات ہے۔ حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا تھا کہ صورت شکل اور امیری غریبی مضمون تازہ ہو گئے، اور حسن آرا آتے کے ساتھ ہی غریبوں کو دیکھ کر تیوری چڑھانے

www.iqbalcyberlibrary.net

اور منہ بنانے۔ پاس بیٹھنا تو درکنار، سرے سے غریب لڑکیوں کا مکتب میں ہونا اس کو ناگوار ہوا۔ اور صورت شکل پر تو حسن آرا کو اس بلا کا گھمنڈ تھا کہ بعض لڑکیوں کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دیتی اور بے تامل کہہ بیٹھتی۔ "صورت نہ شکل، بھاڑ میں سے نکل" محمودہ کی حسن آرا سے ایک طرح کی پہلی جان پہچان تھی۔ دو چار دفعہ کسی کی شادی بیاہ میں دیکھنے بلکہ بات چیت کرنے کا اتفاق بھی ہوا تھا۔ سو قاعدہ ہے کہ آدمی جو کسی نئی جگہ جانا چاہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اپنے کسی جان پہچان والے سے پوچھتا ہے۔ حسن آرا محمودہ کے پاس تو بیٹھی ہی تھی، چپکے چپکے مکتب کی لڑکیوں کا حال محمودہ سے پوچھنے لگی۔

حسن آرا کا مکتب کی لڑکیوں کو نظر حقارت سے دیکھنا اور محمودہ کا اس کو قائل کرنا

اس نے زبیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کیوں بوا محمودہ بیگم، یہ سامنے والی چیچک رو لڑکی طباق کی روٹی کا سا منہ لئے کون ہے؟ یہ کہہ کر حسن آرا آپ ہی آپ ہنسی اور اس امید سے کہ محمودہ بھی ایسی پھبتی سن کر پھڑک جائے گی محمودہ کا منہ دیکھنے لگی۔ یہاں محمودہ پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر حسن آرا کی بات کو اس قدر حقارت سے سنا کہ اس کے چہرے سے یہ بات ظاہر ہوگئی اور بے رخ ہو کر جواب دیا کہ امیر خاں کی حویلی میں رہتی ہیں۔ زبیدہ ان کا نام ہے۔ ان کے ابا رفو کا کام کرتے ہیں۔

حسن آرا: اچھی، کیسے رفوگر ہیں؟ بیٹی کے چہرے میں پاؤ بھر قیمہ لے کر رفو نہیں کرتے؟

محمودہ: بیٹی چیچک پھٹ ہے، منہ پھٹ ہوتی تو رفو کرتے۔

حسن آرا: اور ان کے پہلو میں یہ دوسری کالی کالی کون ہے، جیسے سیہ تاب کا سیر فرش رکھا ہو؟

محمودہ: یہ بیچاری ایک غریب قلعی گر کی بیٹی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: گھر کے گھر میں چہرے پر قلعی نہیں کرا لیتی ؟

محمودہ: امیروں کے گھر قلعی کرنے سے فرصت نہیں ملتی ہوگی۔

حسن آرا: اچھی، یہ کونے میں کون لڑکی بیٹھی ہے؟ اے ہے! روتے میں اس کی صورت کیسی بدرونق ہو
جاتی ہوگی؟

محمودہ: روتے میں سبھی کی صورت بگڑ جاتی ہے۔

حسن آرا: ہماری تو نہیں بگڑتی۔

محمودہ: آپ نے کیوں کر جانا ؟

حسن آرا: میں نے روتے میں اپنا منہ آئینے میں دیکھا تھا تو خاصی پیاری پیاری صورت تھی بلکہ لال منہ
ہو جانے سے چہرہ اور بھی گرم گرم نکل آیا تھا۔

محمودہ: روتی صورت کی تعریف میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔خیر، آپ کو آپ کا بسورتا ہوا حسن
مبارک رہے۔یہاں کوئی اس کا خواہاں نہیں۔

اسی طرح حسن آرا نے اور دو چار پھبتیاں کہیں تو محمودہ نے کچھ داد نہ دی۔ آخر حسن آرا کھسیانی ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔مگر پہلے ہی دن سے امیری کے زعم میں اس نے مکتب میں اپنا ایسا تسلط بٹھانا شروع کیا کہ گویا سب لڑکیاں اس کی لونڈیاں ہیں اور بے تکلف لگی سب پر حکم چلانے۔اصغری خانم کو ابتدا میں اس کا اہتمام ضرور تھا کہ حسن آرا کو مکتب سے بے دلی نہ ہوئے

www.iqbalcyberlibrary.net

پائے کیونکہ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ اگر کہیں اس کا جی اچاٹ ہوا تو پھر ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے گی مگر یہ خدا کی بندی مکتب کی طرف رخ نہ کرے گی۔ مکتب کی لڑکیاں تو حسن آرا کا طرز مدارات دیکھ کر کھٹک چلی تھیں اور ایک عام نفرت اس کی طرف سے سب کو ہو گئی تھی۔ جتنا وہ اپنے تئیں کھینچتی، لڑکیاں اس سے کنارہ کشی کرتیں اور جس قدر وہ لڑائی کی لیتی، لڑکیاں اس کو ذلیل سمجھتیں۔

اصغری نے اشارہ سے سب کو روک دیا اور محمودہ سے کہا کہ حسن آرا بہت اچھی لڑکی ہے اور بڑی عمدہ سہیلی تم کو ہاتھ لگی ہے۔ تھوڑے دن صبر کرو۔ اس کو بددل مت ہونے دو۔ بیچاری طائر وحشی کی طرح گرفتار قفس ہے۔ اگر کہیں تم نے اس کو بھڑکا دیا تو پھڑ پھڑا کر اڑ جائے گی اور پھر نہ پکڑائی دے گی۔ اور اگر پر چا پایا تو دیکھنا کیسی کیسی میٹھی صفیریں سناتی اور دلوں کو لبھاتی ہے۔

غرض ادھر تو لڑکیاں دلداری پر آمادہ ہوئیں، ادھر استانی جی نے پڑھنے لکھنے کا نام تک منہ سے نہ نکالا۔ پھر حسن آرا کو وحشت کی کیا وجہ تھی؟ تھوڑے ہی دنوں میں لڑکیوں سے ایسی بے تکلف ہو گئی کہ مدتوں ساتھ کھیلی ہوئی ہے اور خود فرمائش اور تقاضا کر کے محمودہ کی گڑیاں کھلوائیں۔

محمودہ کی گڑیوں کا گھر دیکھ کر حسن آرا کا تعجب کرنا

اگر چہ حسن آرا کے گھر گڑیوں کا بڑا سامان تھا مگر یہاں محمودہ کی گڑیوں کو دیکھ کر نہایت ششدر ہوئی۔ حسن آرا کی گڑیاں بازاری گڑیاں تھیں۔ صورت دیکھو تو بے ہنگم۔ جوڑے دیکھو تو بھدے۔ جھوٹا مسالا، کھوٹا کام۔ نہ سلائی درست نہ ٹنکائی ٹھیک۔ مگر محمودہ کی سر سے پاؤں تک اس کے اپنے ہاتھوں سے کاڑھی بنائی ہوئی تھیں۔ کہاں وہ بازاری بیگاری کام، کہاں یہ خانہ ساز۔ حسن آرا نے گڑیوں کے لیے بنا بنایا لکڑی کا گھر دو منزلہ پندرہ روپے کو مول لیا تھا اور اسی پر اتراتی تھی۔ محمودہ نے تیلیوں اور پنی کا نہایت خوبصورت خوش قطع مکان خود بنایا تھا۔ حسن آرا کو محمودہ کی گڑیاں

www.iqbalcyberlibrary.net

دیکھ کر اول مرتبہ یہ خیال ہوا کہ ہنر اور سلیقے کے آگے مال و دولت ہیچ ہے۔ اپنے ہاتھ کے ہنر سے ہم وہ کام لے سکتے ہیں جو دولت سے نہیں نکل سکتا۔ بار بار حیران ہو کر محمودہ سے پوچھتی اے ہے! یہ ننھا سا کارچوبی بٹوا بھی تمہیں نے سیا ہے؟ اچھی، سچ کہنا یہ پلنگ کے تکیے تمہی نے بنائے ہیں؟ اس دھانی جوڑے میں تو مسالا تمہارا ٹانکا ہوا نہیں لگتا۔ اس چمنی کا کرتا تو ضرور استانی جی نے قطع کر دیا ہوگا۔ بھلا بتاؤ، تو یہ پٹاپٹ کے پردے کہاں سے لیے؟ یہ گنگا جمنی تاروں بھرا دوپٹہ کس نے دیا؟ بلا کے موباف ہیں! غضب کے ازاربند ہیں! اے لو! اور سنو۔ ابرق کے جھاڑ، کاغذ کے پنکھے، ابری کی دریاں! اجی یہ تو دیکھو، سینکو کی چلمنیں، سرکنڈوں کے کھمبے" غرض کہ محمودہ کی گڑیاں دیکھ کر حسن آرا ایسی حیرت زدہ ہو گئی تھی کہ متعجب ہو ہو کر محمودہ ہی کو دکھاتی تھی۔

محمودہ نے حسن آرا کے تمام تر تعجب کا یہی جواب دیا کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا دھرا اور میرا ہی سیا پرویا ہے، اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ اگر آپ دو مہینے بھی سینے پرونے میں جی لگائیں تو اس سے کہیں بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھ کو تو گڑیاں کھیلنے کا شوق بھی نہیں۔ استانی جی جب کوئی نیا کام سکھاتی ہیں تو میں پہلے پہل گڑیوں ہی پر ہاتھ صاف کرتی ہوں۔ پس جو کچھ آپ نے دیکھا، یہ میری شروع شروع کی مشق ہے۔

حسن آرا: دو مہینے میں، میں اس سے بہتر بنا سکتی ہوں؟

محمودہ: بے شک۔ بلکہ اس سے بھی کم میں۔

حسن آرا: بس، اس میں سلائی ہی سلائی ہے؟

محمودہ: اور کیا؟ اور سلائی کیسی، بلکہ نرا گوٹہ اور تیچی کا کام ہے۔

حسن آرا: بھلا اتنا سینا مجھ کو دو مہینے میں کیوں کر آ جائے گا؟

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: اگر آپ جی لگائیں تو میرا ذمہ۔ دو مہینوں میں خاصی طرح فراغت سے سیکھ جایئے گا۔

حسن آرا: ابھی تو مجھ کو دھاگا پرونا بھی نہیں آتا۔ لو۔ کل شام ہی کی بات ہے، انا اپنی نواسی کا کرتہ سی رہی

تھی اور دیر سے سوئی میں دھاگا پرو رہی تھی۔ آپ خیر سے عینک بھی ہر دم چڑھائے رہتی ہیں، پھر بھی خاک نہیں سوجھتا۔ دھاگا نہ پڑا پر نہ پڑا۔ میں جو کھیلتی کھیلتی جا نکلی تو مجھ سے گڑگڑا کر کہنے لگی، اچھی بیٹی، اپنی انا کا ایک کام نہیں کر دیتیں؟ ذرا دھاگا پرو دو۔ رعشے کے مارے میری تو انگلیاں کہے میں نہیں ہیں۔ حرمت گلے سے ننگی پھرتی ہے۔ کسی طرح گونتھ گانتھ کر کرتہ کھڑا کیا ہے۔ گریبان رہ گیا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی۔ دھاگا تو ناکے کے منہ پر آ جاتا تھا مگر پرویا نہ گیا۔ تب تو میرا جی جل گیا اور میں نے سوئی اٹھا دور پھینک دی۔

محمودہ: کیسا ہی آسان کام ہو، تھوڑی بہت محنت ضرور چاہتا ہے اور خاص کر سینا پرونا تو بڑی پتے ماری

کا کام ہے۔ دھاگا پرو لینا تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ بل کھا جانے سے دھاگے کے سرے پر پھوسڑے نکل آتے ہیں۔ ان کو چٹکی سے مروڑ دے کر دبا دینا چاہیے۔ پھر تو شاید پرونے میں دیر نہ ہو۔

حسن آرا: ہاں ہاں۔ ضرور یہی بات تھی۔ مجھ کو انا نے یہ حکمت نہیں بتائی۔ بھلا ایک سوئی دھاگا تو دو۔

دیکھو، مجھ سے پرویا جاتا ہے یا نہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ نے ایک بہت باریک ناکے کی سوئی اور بہت مہین پیچک کا دھاگا دیا۔ حسن آرا نے دھاگے کے سرے کو چٹکی سے مروڑ دی۔ جوں ہی دھاگے کے سرے کو ناکے کے برابر لگایا، دھاگا ناکے میں چلا گیا۔ تب تو خوشی کے مارے اچھل پڑی اور بولی، آہا جی! ہم نے دھاگا پرو دیا۔ کیا مجھ کو سینا آ گیا؟

محمودہ: سینا تو ابھی نہیں آیا مگر ذرا ہی سی کسر ہے۔

محمودہ نے حسن آرا کو سینا سکھایا

غرض کہ محمودہ نے سیدھی تیچی لگا دی اور آدھی بالشت کے قریب حسن آرا سے سلوایا۔ اس میں تین چار مرتبہ حسن آرا کے سوئی بھی چبھی۔ اس سے ذرا اس کی ہمت سرد ہوگئی اور جیسے کہ دھاگا پرونے پر اچھلی کودی تھی، یہ تیچی تھوڑی ہی سی تھی کہ جلدی سے محمودہ کو پکڑا دی اور کہا کہ بوا، یہ بڑا مشکل کام ہے۔

محمودہ: میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ سینے میں بڑی دیدہ ریزی اور محنت ہے لیکن دنیا میں اکثر

عورتوں کو بڑی بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ دیکھیے، چکی پیسنا کیسی محنت کا کام ہے۔ مگر آخر سینکڑوں ہزاروں ہم ہی جیسی عورتیں کرتی ہی ہیں۔ اس کے مقابلے میں سینا تو کچھ بھی محنت کا کام نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دستور کی بات ہے۔ کیسا ہی آسان کام ہو، مبتدی اور نو آموز کو مشکل معلوم ہوا کرتا ہے۔ یہ صرف آپ کی بے مشقی تھی کہ آپ نے چند بار سوئی ہاتھ میں چبھو لی۔ دیکھیے مجھ کو سیتے سیتے ایسی مشق ہوگئی ہے کہ اگر فرمایئے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی جاؤں، ٹانکا بھی درست بیٹھتا چلا جائے، سیدھ میں ذرا فرق نہ آئے اور سوئی کے چبھنے چبھانے کا تو کیا ذکر۔

www.iqbalcyberlibrary.net

یہ کہہ کر باقی ماندہ تیچی محمودہ نے لے دونوں کپڑے برابر کر جو سوئی لگائی تو یا تو ادھر تھی یا دم کے دم میں اس سرے جا نکلی۔

حسن آرا: دیکھوں کہیں سوئی تو نہیں لگی؟

محمودہ: نہیں تو۔ (یہ کہہ کر ہاتھ دکھایا)

حسن آرا: یہ آپ کی بیچ کی انگلی کھر دری کیوں ہے؟

محمودہ نے ہنس کر کہا کہ سوئیوں کے چبھنے کے نشان تو نہیں ہیں مگر میں اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ یہ ہے سینے کی بدولت۔ مجھ کو انگشتانے کی عادت نہیں۔ بعض کپڑا کلف دار یا دبیز ہوتا ہے کہ سوئی آسانی سے نہیں نکلتی۔ تب ایک طرف سوئی کو چٹکی سے کھینچنا پڑتا ہے اور بیچ کی انگلی سے ناکے کو سہارا لگانا ہوتا ہے۔ یہ اسی کے نشان ہیں۔

حسن آرا: تو پھر کچھ مبتدی پر موقوف نہیں۔ سینے میں سبھی کی انگلیاں لہولہان رہنی ضروری ہیں۔

محمودہ: بڑا تعجب ہے کہ آپ ایسی بے معلوم تکلیف کو بڑی مصیبت خیال کرتی ہیں۔ ایسی ایسی چھوٹی

چھوٹی تکلیفیں نہ معلوم صبح سے شام تک کتنی پہنچ جاتی ہیں۔ کھیلتے ہی میں کہیں چوٹ پھیٹ لگ جاتی ہے۔ پھوڑے پھنسی نکلتے رہتے ہیں۔ آنکھیں ہی دکھنے آجاتی ہیں۔ گرمی سردی کی ایذا سے زکام ہو جاتا ہے۔ بخار آنے لگتا ہے۔

حسن آرا: لیکن ایک مجبوری کی تکلیف جس پر اپنا بس نہیں اور ایک اپنے ہاتھوں آفت مول لینا۔ بھلا کیا

ضرورت ہے کہ بیٹھے بٹھائے میں اپنی انگلیوں کو زخمی کروں، آنکھوں کو ستاؤں، گردن کو دکھاؤں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

جس کی ناک پر ٹکا رکھ دیا، جیسا چاہا، سلوا لیا۔

محمودہ: کیا دوسروں کا محتاج ہو کر رہنا تکلیف کی بات نہیں؟

حسن آرا: محتاج ہو کر رہنا کیسا؟ خدا نہ کرے، ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے؟

محمودہ کا حسن آرا کو آنا نکہ غنی تر اند، محتاج تر اند، مضمون سمجھانا

محمودہ: محتاج کے سر میں کیا سینگ لگے ہوتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر محتاجی اور کیا ہوگی کہ آپ کا ایک

دن بھی بے نوکروں کے نہیں کٹ سکتا۔ بھلا میں پوچھتی ہوں، ماما نہ ہو تو کھانا کون پکائے، منھ کون دھلائے اور پنکھا کون جھلے، چیز کون اٹھا کر دے، چارپائی کون بچھائے، بچھونے کون کرے، گھر میں جھاڑو کون دے۔ یہ تو روزمرہ کے کام ہیں۔ کھانا، کپڑا، برتن اور زیور ضرورت کی کل چیزیں چھوٹی یا بڑی یہاں تک کہ پانی پینے تک کا مٹی کا آب خورہ، کنگھی، سوئی، سلائی کیا آپ نے اپنے ہاتھوں بنائی ہیں یا لوگوں نے آپ کو بنا کر دی ہیں؟ اس پر بھی آپ کہتی ہیں کہ خدا نہ کرے ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے۔

حسن آرا: بے شک، ضرورت کی سب چیزیں اور لوگ بناتے اور ٹہل خدمت بھی اور لوگ کرتے ہیں۔

مگر کیا کوئی چیز ہم کو مفت دے جاتا ہے اور کیا بے لئے کوئی ٹہل خدمت کرتا ہے؟ ہر چیز اور ہر کام کے لیے ہم روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ روپیہ کے لالچ سے لوگ خود بخود چیزیں لئے دوڑتے چلے آتے ہیں۔ بے بلائے ٹہل خدمت کرنے کو حاضر ہوتے ہیں۔ روپیہ ہو تو گھر بیٹھے دنیا کا سامان لے لو اور نوکر تو ایک صبح رکھو اور ایک شام۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ دولت بڑی چیز ہے۔ جس کے

www.iqbalcyberlibrary.net

پاس دولت ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور تمام دنیا اس کی محتاج ہے۔

محمودہ: آپا بیگم صاحب، آپ بڑی غلطی کرتی ہیں۔ بھلا اگر لوگ آپ کی پروانہ کریں اور کوئی روپے

کا خواہاں نہ ہو، تب آپ کیا کیجئے گا؟

یہ سن کر حسن آرا تو چپ ہوئی اور سوچ کر کہا تو یہ کہا کہ ایسی حالت میں سوائے مر رہنے کے اور کیا تدبیر ہے۔ کام کاج ہم سے کچھ ہو نہیں سکتا اور فرض کیا کہ اوپر جبر سہا اور آپ اٹھ کر پانی پی لیا، بچھونا اپنے ہی ہاتھوں کر لیا تب بھی کھانا پکانا تو ممکن نہیں اور مانا کہ کوئی ہیچ سا کھانا بھی مر گر کر پکا لیا، کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ اماں جان سویاں اور خشکا ابال لینا جانتی ہیں، مگر ضرورت کی اور ہزاروں چیزیں ہیں۔ کپڑا کون بنے گا؟ زیور کون گھڑے گا؟ لیکن کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ دولت کی قدر، روپے کی خواہش نہ ہو؟

محمودہ: بے شک ممکن ہے۔ بہت دن ہوئے مجھ کو استانی جی نے ایک کتاب پڑھائی تھی۔ اس میں لکھا

تھا کہ ابتدا دنیا میں بہت مدت تک اشرفی، روپے پیسے کا چلن، کچھ بھی نہ تھا۔ اس زمانے میں لوگ کھیتی کے کام سے بھی ناواقف تھے اور جس طرح اب ہر طرح کا غلہ اور انواع و اقسام کی ترکاریاں اور میوے اور پھل پھول لوگ محنت کر کے زمین میں پیدا کرتے ہیں، ان دنوں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے جانور مار لاتے اور انہی کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتے تھے۔ یا جنگل میں جو ساگ پات از خود جم اٹھتا ہے، جانوروں کی طرح اس کو کھا لیتے۔ یہ زرق برق اور تکلف کے کپڑے جواب اس زمانے میں ایسے سستے ہیں کہ ہر ایک غریب آدمی کو بھی میسر آ جاتے

www.iqbalcyberlibrary.net

ہیں، پہلے ان کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا۔ جانوروں کے چمڑے اور ڈھاک وغیرہ کے پتوں سے بدن کو ڈھانکتے اور عالی شان محلوں کی جگہ درختوں کی چھاؤں اور پہاڑوں کی کھوؤں میں پانی اور سردی گرمی سے پناہ لیتے۔

جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی گئی۔ آدمی اپنے آرام کے لیے نئے نئے پیشے اور نئی چیزیں ایجاد کرتے گئے۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ ایک آدمی ہر ایک طرح کا کام آپ اکیلا کر لیتا اور ہر طرح کی چیز آپ بنا لیتا۔ اس سبب سے کسی نے ایک کام کیا اور کسی نے دوسرا۔ کوئی کھیتی کرنے لگا، کوئی لوہار بنا، کوئی بڑھئی، کوئی سنار، کوئی جولاہا، کوئی موچی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھیتی والا سب کے لئے کھانے کا غلہ پیدا کرے۔ لوہار چاقو مقراض وغیرہ لوہے کی چیزیں بنائے۔ بڑھئی ہل' چارپائی، چوکی، کرسی وغیرہ لکڑی کی چیزیں۔ سنار زیور گھڑا کرے۔ جولاہا ہر قسم کے کپڑے بنے اور آپس میں ضرورتوں اور چیزوں کا مبادلہ کر لیا کریں۔

چندے اسی طرح بے روپیہ بے سکہ دنیا کا کام چلا۔ آخر کار مشکلیں پیش آنے لگیں۔ جس کو کتاب والے نے یوں لکھا ہے کہ اب فرض کرو کہ مثلاً موچی کو کپڑے کی ضرورت ہوئی اور وہ ایک بہت طرح دار جوتی بنا کر جولاہے کے پاس لے گیا اور کہا "دیکھو تو شیخ جی، کیا جوتی بنا کر لایا ہوں۔ کیچڑ میں پھرو، پکی سڑک پر دوڑو، نہ تلا گھسے گا نہ صورت بگڑے گی۔ بھراؤ کا کام نہیں۔ برس روز سے کم چلے تو الٹی میرے سر مارنا۔ مگر مجھ کو گاڑھے کا ایک تھان چاہیے۔ آٹھ سے نہ ہو تو چھ سے پون گز کا پنا" جولاہا بولا "چودھری جی، جوتی تمہاری سر، اور تھان بھی جیسا تم چاہتے ہو موجود۔ سوت بھی گول ہے۔ راچھ بھی پنی دار ہے۔ خوب ٹھوک کر بنا ہے۔ ماری کا نام نہیں۔ مگر وہ پہلی جوتی جو تم نے بنا دی ہے، ابھی تک نئی ہے۔"

www.iqbalcyberlibrary.net

موچی: ارے شیخ جی! تین برس کی جوتی اب تک؟

جولاہا: کیوں! دن بھر کارگاہ میں بیٹھا رہتا ہوں۔ آٹھویں دن پینٹھ جانے کا اتفاق ہوا۔ جوتی پر ایسی

زد کیا پڑتی ہے؟ دوسرے بھائی میں غریب آدمی ہوں۔ پاؤں بھی ہولے ہولے رکھتا ہوں۔

موچی بے چارہ نا امید ہو کر چلا آیا اور پہنچا سنار کے پاس کہ کیوں لالہ جی، تم کو جوتی کی ضرورت ہے؟

سنار: ہاں بھائی، اچھے آئے، دس دن سے ننگے پاؤں پڑا پھرتا ہوں اور اس کے بدلے زیور بھی وہ

بنا کر دوں کہ تمام برادری میں کسی کے یہاں نہ نکلے۔

موچی: اجی شاہ جی! کہاں ہم اور کہاں زیور مجھ کو دیکھو کہ چیتھڑے لگائے پھرتا ہوں۔ گھر میں بچوں

کے پاس ٹوپی تک نہیں۔ گھروالی پیوند گانٹھتے گانٹھتے ہار گئی۔ کپڑے کی ضرورت ہے۔

سنار: کپڑے کی ضرورت ہے تو شیخ غازی کے پاس جاؤ۔

موچی: گیا تھا اس کے پاس جوتی موجود ہے۔

سنار: چلو، دیکھیں۔ شیخ غازی کو کچھ گہنا بنوانا ہو۔ سنا تھا کہ بیٹی کا بیاہ کرنے والا ہے۔ تو میں اس کو

گہنا بنا دوں گا۔ تم جو مجھ کو جوتی دینا اور میں اس سے تھان لے کر تم کو دے دوں گی۔

اب سنار اور موچی دونوں پھر جولاہے کے پاس گئے۔

سنار: شیخ جی، کہو، بیٹی کا بیاہ کب کرو گے؟

جولاہا: چودھری، وہ بات تو بگڑ گئی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

سنار: کیوں؟

جولاہا: وہ لڑکا بڑا خراب نکلا۔ چور، جواری، بھنگ پیتا ہے۔

سنار: کچھ تم کو گہنا بنوانا ہے؟

جولاہا: ابھی تو نہیں۔ جب پھر نسبت ناتا ٹھہرے گا، دیکھا جائے گا۔

غرض کہ پھر بے چارے موچی کی جوتی اینڈ کی اینڈ رہ گئی۔ جب ہر ایک شخص کو ایسی دقت پیش آنے لگی تو سب نے مل کر یہ تجویز کی کہ چیز کا مبادلہ چیز سے ٹھیک نہیں۔ ایک ایسی چیز ٹھہراؤ کہ ہر کوئی ایک چیز کے بدلے اس کو لے لیا کرے۔ موچی اپنا بنایا ہوا جوتا اس کے عوض دیا کرے۔ سنار گھڑا ہوا زیور۔ جولاہا اپنا بنا ہوا تھان۔ تب سکہ چلا۔ پہلے لوہے کا سکہ تھا اور ایسا بھاری تھا کہ شاید سو روپے کی مالیت کے واسطے چھکڑا بھر بوجھ ہوتا تھا۔ پھر تانبے اور چاندی اور سونے کے سکے چلے۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں چمڑے کا روپیہ چلا تھا۔ اس میں بھی سونے کی کیل تھی۔ اب انگریزوں نے وہ انتظام بٹھایا کہ کاغذ کا سکہ چلاتے ہیں۔ ایک ورق کاغذ دس، سو، ہزار، لاکھ روپے کا ہوتا ہے۔ جتنا روپیہ کاغذ میں لکھا ہے۔ جہاں چاہو بھنا لو۔ نہ بٹہ ہے نہ دستوری۔ پس روپیہ اپنی ذات میں کسی کام کا بھی نہیں۔ نہ اس کو نان خطائی کی طرح کھاتے نہ اس کو ہار بنا کر گلے میں پہنتے ہیں۔ مگر جو چیز چاہو، روپے کے بدلے البتہ لے سکتے ہو۔ پس حقیقت میں درکار ہوتی ہے وہ چیز اور اس کے حاصل کرنے اور بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے اس روپے کی جس پر امیروں اور دولتمندوں کو اس قدر ناز ہے۔

حسن آرا: کیا ہی اچھی بات آپ نے بتائی مگر یہ تو فرمائیے کہ جب روپیہ ہر ایک چیز کا عوض ہو سکتا ہے

www.iqbalcyberlibrary.net

تو جس کے پاس روپیہ ہے گویا وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کے اختیار میں ہے۔تو ضرور روپیہ بڑی قدر ومنزلت کی چیز ہے اور روپے والوں کو جتنا ناز اور جتنا گھمنڈ ہو، سب بجا اور درست ہے۔

محمودہ: گھمنڈ کی تو کوئی وجہ میں نہیں پاتی ۔روپیہ بے شک ہر چیز کا بدل ہے۔مگر خود اس چیز کا کام

نہیں دے سکتا۔مثلاً فرض کرو کہ ہم کو ایک جوتی کی ضرورت ہے۔تو دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ جوتی درکار تھی اور جوتی موجود ہے اور دوسری یہ کہ جوتی تو موجود نہیں مگر روپیہ ہے جس کے بدلے ہم جوتی مول لے سکتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غور کیجیے، ہرگز یکساں نہیں۔پھر بھی روپیہ لے کر بازار جائے اور جوتی مول لائے۔فرض کیجیے کہ جوتی نہ ملی یا ملی اور قیمت نہ ٹھہری تو آخر روپے والا مجبور رہے گا یا نہیں؟ اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے مگر جوتی والا حقیقت میں روپیہ کا محتاج نہیں بلکہ وہ اس چیز کا محتاج ہے جس کے بدلے جوتی کی قیمت خرچ کرے گا۔غرض کہ روپے والا زیادہ محتاج ہے اور اگر زیادہ نہیں تو جوتی والے کے برابر ہی۔پھر گھمنڈ کس بات کا ہے؟ ایک چیز کا یہ خواہشمند ہے یعنی جوتی کا اور دوسری یعنی روپے کا دوسرا۔

حسن آرا: لیکن روپے کے بدلے ہر وقت ہر چیز میسر آ سکتی ہے۔

محمودہ: یہ غلطی ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیسے کی جگہ دو دینے کو موجود ہیں۔اور چیز نہیں ملتی۔ میری

امی جان کبھی غدر کے حالات بیان کرتی ہیں کہ سب لوگ بھاگ کر سلطان جی میں جا رہے تھے۔ روپے کا سیر بھر آٹا تلاش کرتے تھے اور نہیں ملتا تھا۔دن بھر مردوے روپے لیے پھرتے تھے اور

www.iqbalcyberlibrary.net

شام کو ہار کر خالی ہاتھ چلے آتے تھے۔غدر کے سبب رسد کا باہر سے آنا بالکل بند تھا۔گاؤں والوں کے پاس جو رسد تھی، وہ کہتے تھے کہ روپیہ لے کر ہم کیا کریں گے۔گھر میں تھوڑا بہت اناج رکھا ہے تو بال بچوں کا سہارا ہے۔

حسن آرا: البتہ اگر ایسا اتفاق پیش آ جائے تو روپیہ محض نکما ہے۔مگر کیا روز روز غدر رہوتا ہے؟ یہ بھی خدا

جانے کیا بات تھی۔اب تو جس کے پاس دولت ہے، وہی آسودہ ہے۔

ایک غریب خاندان کی آسودہ زندگی کی مثال دے کر یہ ثابت کرنا

کہ تکلفات موجب زحمت ہیں اور آرام طلب باعث کلفت

محمودہ: دولت سے ہرگز ہرگز آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔استانی جی اس ہمسائی کا حال دکھا کر مجھ کو

سمجھایا کرتی ہیں کہ دیکھو، کیا آزاد اور آسودہ زندگی اس کی ہے۔ایک آپ ہے، ایک میاں ہے اور چار پانچ بچے ہیں۔وہ بہت چھوٹے ہیں۔کچھ کام کاج کرنے جوگے نہیں۔ میاں کہیں نہر پر مٹی ڈھویا کرتا ہے۔آپ پسائی کا پیستی ہے۔مکان میں جا کر دیکھو تو نہ تخت ہے، نہ فرش۔ شاید ٹوٹی پھوٹی تین چار پائیاں ہیں۔بے تکلف کھری چار پائیوں پر سب بیٹھتے ہیں۔برتنوں میں مٹی کے گھڑے، مٹی کی ہنڈیا، مٹی کے پیالے اور رکابیاں اور لکڑی کی ڈوئی۔اللہ اللہ خیر سلا۔

حسن آرا: یہی آزاد اور آسودہ زندگی ہے تو خدا دشمن کو بھی یہ عیش نہ دکھائے۔دنیا میں اس سے بڑھ کر

اور کیا مصیبت ہوگی۔وہ اپنی جان سے ہلاک ہے اور آپ کو اور استانی جی کو اس کی آسودگی

www.iqbalcyberlibrary.net

پر رشک ہے۔

محمودہ: پہلے مجھ کو بھی استانی جی کے کہنے پر اچنبھا ہوا تھا مگر مدتوں میں ہمسائی اور اس کے بچوں کی

حالت پر غور کرتی رہی۔ آخر کو میں نے بھی سمجھا کہ استانی جی بہت سچ کہتی ہیں۔ سوچنے سے یہ معلوم ہوا کہ جسمانی آرام اور جسمانی تکلیفیں سب عادت پر موقوف ہیں۔ جس کو محنت کی عادت ہے، وہ اسی میں ایسا خوش رہتا ہے کہ ہم جو نکمے پڑے رہتے ہیں، ہرگز وہ خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی ہمسائی، میں نے دیکھا ہے کہ برسات کی چپ چپی گرمی پڑ رہی ہے اور ہوا بند ہے کہ پتا نہیں ہلتا۔ میں باہر صحن میں کھڑی برابر پنکھا اپنے تئیں ہلائے جاتی ہوں اور ندیوں پسینا نکلا چلا آتا ہے۔ دم بولا بولا اٹھتا ہے۔ اور خدا سلامت رکھے بی ہمسائی ہیں کہ دالان کے اندر اکیلی چکی پیس رہی ہیں۔ اور میں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ آپ خیر سے ایسی خوش ہیں کہ مزے میں گا بھی رہی ہیں۔ مجھ کو پہلے تو شبہ ہوا کہ اس حالت میں اس کو کیا خاک گانا سوجھا ہوگا۔ لیکن جب کھڑکی میں سے آواز دی تو نہایت ہشاش بشاش ہو کر بولی: ''کیا ہے بیٹا؟ استانی جی سے کہو دو چار گلے اور رہ گئے ہیں۔ آٹا میں اب لائی کہ لائی۔'' ایسی کراری آواز سے جواب دیا کہ کوئی بات تکلیف کی معلوم نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتی ہوں کہ آپ آٹا لئے، ہنستی چلی آتی ہیں۔ آٹے کے ساتھ باٹ ترازو۔ آٹا تولا، چھانا، مٹکے میں بھرا۔ استانی جی نے کہا کہ ہمسائی آٹے کا مٹکا خوب اچھی طرح ڈھک دیا یا نہیں؟

ہمسائی: ہاں بی بی، بڑا طباق ڈھک کر اوپر سے پنیری رکھ دی ہے۔

استانی جی: اچھا، رخصت۔

www.iqbalcyberlibrary.net

ہمسائی: کیا اور پیسنی نہ دو گی؟

استانی جی نے کتاب دیکھ کر کہا۔ ابھی ضرورت نہیں۔ چار پانچ دن کا آٹا ہے۔ برسات کے دن ہیں۔ جہاں ذرا دیر ہوئی آٹے میں سرسریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تلخانے لگتا ہے۔

ہمسائی: نا بی بی، پیسنی تو دے ہی دو۔

استانی جی: کم بخت ایک دن آرام لیا کر۔ یہ بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔ تیرا جی نہیں گھبراتا؟

ہمسائی: کیا کہوں؟ کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے جس دن پیسنا نہیں ملتا تمام دن بدن دکھا کرتا ہے۔ کھانا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھاتی پر دھرا ہے۔ خالی بیٹھے کچھ آلکسی معلوم ہوتی ہے کہ جی نہیں لگتا۔

استانی جی: پیسنے کو تو دوں مگر ہمسائی آٹا اڑتا ہوا کیوں ہوتا ہے؟

ہمسائی: گیہوں سیلے ہوئے تھے۔ پہلے ہی گلے میں دلیا نکلنے لگا تو میں نے ذرا آنچ دکھا دی تھی۔ میں

تو باہر ہوا میں بھی نہیں پیستی۔ دالان کے اندر پیسا کرتی ہوں۔ جہاں ہوا کا گزر نہیں۔

استانی جی: کیا بتاؤں۔ کئی دن سے راہ دیکھتی ہوں کوئی گدھے والا گلی میں بولے تو دو بورے مٹی کے لے

لوں۔ دالان بھی لپ جائے اور چولہے بھی ٹوٹ گئے ہیں، پھر سے لیس پوت ہو جائے۔ مٹی ہوتی تو میں تم سے چولہے بنوا لیتی۔

ہمسائی: مٹی کا ملنا کیا مشکل ہے۔ ہمت باپ کے پاس تھوڑی دیر میں روٹی لے کر جائے گا۔ ادھر

www.iqbalcyberlibrary.net

سے ایک ٹوکرا مٹی بھر بھی لائے گا۔ نہر کی مٹی چکنی اور پائدار ہوتی ہے۔

استانی جی: اگر مٹی آ جائے تو کل پپائی کے بدلے یہی کام کرو۔

ہمسائی دعائیں دینے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتی کیا ہوں کہ ہمت کی بہن چھوٹی، کوئی دس برس کی، ایک بڑا ٹوکرا سر پر رکھے آگے آگے اور بی ہمسائی پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔ نگوڑی لڑکی کو دیکھ کر تو مجھ کو بہت ہی ترس آیا۔ مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کیا لائی ہے۔ لیکن میں نے جلدی سے دوڑ، دروازہ سے ٹوکرا اتروالیا۔ دیکھوں تو نہر کی گیلی مٹی ہے۔ میں نے کہا ''اری! تجھ کو خدا کی سنوار! یہ تو نے کیا غضب کیا؟ نگوڑی، اتنا بوجھ!'' اتنے میں ہمسائی بھی آ پہنچی اور میں اسے لڑنے لگی کہ ہمسائی ذرا تمہارے دل میں رحم نہیں۔ اس لڑکی کی بساط دیکھو اور اتنا بوجھ گھر سے یہاں تک لانا دیکھو۔ لڑکی ایسی ہی دوبھر ہے تو بلا ہے نگوڑی کو ایک دن زہر دے کر سلا رکھو۔ واہ! کوئی سوتیلی ماں بھی ایسا نہ کرتی ہوگی۔ ٹوکرا میں نے اتروایا تھا۔ ایسا بھاری بوجھل پتھر تھا کہ آدھی ہی دور پر ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ نہر کی گیلی مٹی کی خدا کی پناہ! لوہا بھی ہلکا ہوتا ہے۔ میرا تو اتنی ہی دیر میں دم پھول گیا۔

میں نے تو کس شد ومد سے ہمسائی کو الزام دینا چاہا تھا لیکن ہمسائی نے سرسری طور پر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بیوی، ہم غریب آدمی ہیں اور یہ غریب کی بیٹی ہے۔ ہم کو تو دن رات بوجھ اٹھاتے گزرتی ہے۔ مٹی کی ٹوکری کی کیا حقیقت ہے۔ یہ تو اکیلی چارپائیاں اٹھا لاتی ہے۔ پرسوں دھانے کے لیے چکی کا پاٹ دروازے پر خمرے کو دے آئی تھی۔ ہمارے بچے امیرزادیوں کی طرح باریک جان اور نازک بیگم اور مہین خانم ہوں تو ایک دن بھی کام نہ چلے۔

ہمسائی کی یہ بات سن کر مجھ کو ایسی ندامت ہوئی کہ پسینے پسینے ہوئی اور جی میں سوچی کہ الٰہی کیا

www.iqbalcyberlibrary.net

بات ہے کہ ان لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا تو نصیب نہیں ہوتا، پھر اتنے قوی اور مضبوط کیوں ہیں! ایک دن میں نے استانی جی سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ سب زور اور سب بوتا اور سارا بل محنت کا ہے۔ ہم لوگ دن رات احدیوں کی طرح نکمّے بیٹھے رہتے ہیں۔ کھانا جیسا کھایا، ویسا ہی پیٹ میں رکھا۔ نہ ہضم درست ہے، نہ کھل کر بھوک لگتی ہے۔ سدا کے روگی۔ ہمیشہ کے دکھیا۔ کبھی قبض، کبھی پیچش۔ آئے دن حکیم کے یہاں آدمی موجود۔ علاج کی عادت۔ دوا کا معمول۔ ہم لوگوں کے مزاج ہیں کہ چھوئی موئی کے درخت ہیں۔ ذرا ٹھیس لگی اور کملا کر رہ گئے۔ کوئی موسم ہو، ہم کو کچھ نہ کچھ شکایت ضرور رہتی ہے۔ گرمی ہے تو کہیں درد کے مارے سر پھٹا پڑتا ہے، آنکھیں جلتی ہیں۔ ہتھیلیوں اور آنکھوں سے آگ نکلتی ہے۔ یونہی عمر بھر بھوکے کو روتے رہے۔ گرمیوں میں رہی سہی بھی گئی گزری ہوئی۔ نہ برف اور شورے کے پانی سے تسکین ہوتی ہے، نہ انار اور فالسے اور عناب اور نیلوفر کے شربتوں سے تسلی۔ برسات آئی تو مکھیوں اور مچھروں کے واسطے وہ وہ اہتمام ہو رہے ہیں کہ گویا کسی بادشاہ کے ملک پر غنیم چڑھ آیا۔ پوری جڑ کے سبب قوت ہاضمہ بالکل معطل۔ ریح کا درد صبح کو شانوں میں تھا تو دوپہر کو کمر میں اور شام کو پنڈلیوں میں۔ جاڑا آیا تو زکام اور کھانسی اور نزلے کو ساتھ لایا۔ اب سر ہے کہ کہے میں نہیں۔ ایک ایک آرام طلبی نے ہم کو سب نعمتوں کے مزے اور سب آسائشوں کی لذت سے بے نصیب کر رکھا ہے۔ کھانے میں لاکھ لاکھ تکلف کیے مگر وہ ذائقہ نہ ملا جو غریب آدمیوں کو سوکھی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی میں ہر روز میسر ہے۔ نیند سدا اچاٹ رہی۔ دن اور رات کوشش کرتے ہیں کہ گھڑی دو گھڑی آرام سے سو رہیں مگر نیند ہے کہ ذرا کھٹکا ہوا اور کوسوں دور۔ مجھ کو اس ہمسائی کا حال دیکھ کر بڑی حیرت ہوا کرتی ہے۔

ایک دن کا مذکور ہے کہ میں گرمی کے مارے رات کے وقت کوٹھے پر گھبرائی گھبرائی پھرتی تھی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

دیکھتی کیا ہوں، ہمسائی کے پانچوں بچے ایک کے اوپر ایک، نہ بچھونا ہے، نہ تکیہ، نہ پنکھا۔ کھری چارپائی پر مزے میں خراٹے لے رہے ہیں۔ چھ برس میرے بیاہ کو ہوئے، میرے منہ میں خاک میں نے تو کسی دکھ یا بیماری کی شکایت ہمسائی سے نہیں سنی۔ فصل بدلنے کو ہوتی ہے تو قاعدہ ہے کہ اچھے بھلے آدمی کو بھی دو چار دن کے لیے بخار ہی آجاتا ہے مگر ماشاءاللہ نہیں آتا تو ہمسائی اور ہمسائی کے بچوں کو۔ یہ تو غریبی ہے کہ چولہا کبھی دو وقت نہیں سلگتا۔ مگر بچوں کو دیکھو تو چونچال توانا۔ بھلا یہ چھوٹی لڑکی تمہارے عندیے میں کے برس کی ہوگی؟

استانی جی: میرا چوتھا چالا تھا۔ میرے آئے پر ہوئی ہے۔ خیر سے چھ برس پورے ہو چکے ہیں، ساتویں

میں لگی ہے۔ ماشاءاللہ کیا اچھا اٹھان ہے۔ محمودہ، دیکھو، تم سے بھی نکلتی ہوئی ہے۔

حسن آرا: یہ بات ٹھیک ہے۔ ہمارے گھر بھی نوکروں اور لونڈیوں کا یہی حال ہے۔ کھا کھا کر ایسے

موٹے ہوئے ہیں کہ پہچان نہیں پڑتے۔

محمودہ: بھلا کیا سبب ہے کہ آپ لوگ گھر کی مالک و مختار، خدا کا دیا سب کچھ موجود، سب کچھ میسر اور

بدن پر دیکھو بوٹی نہیں۔ لونڈیاں لاکھ چوری کریں، پھر بھی گھر والیوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔

حسن آرا: البتہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ محنت کا ہی سبب ہے۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ جو کام لونڈیوں کے

کرنے کے ہیں، ہم کیوں کرنے لگیں؟ اول تو ہو نہیں سکتے اور جو جان مار کر ایک آدھ کام کیا بھی تو

www.iqbalcyberlibrary.net

اپنے ہی کنبے والے حقیر سمجھنے لگیں۔

محمودہ: ہو سکنے اور نہ ہو سکنے کی کچھ نہ پوچھئے۔ آدمی کے برابر سخت نہیں اور آدمی کے برابر کوئی چیز نرم

بھی نہیں۔ ہم ہی جیسی عورتیں ہیں جو چکی پیستی ہیں اور وہ وہ کام کرتی ہیں جو شہر کے بعض مردوں سے نہ ہو سکیں۔ اور یہی عورتیں ہیں جن کو اپنی ہی جان دوبھر ہے۔ کام کا کیا ذکر اور محنت کا کیا مذکور۔ جیسی عادت ڈالو، ویسی ہی پڑ جاتی ہے۔ اور کنبے والوں کو حقیر سمجھنے کی تو کوئی وجہ نہیں، نوکر چاکر ہوتے ساتے اپنے ہاتھوں کام کرنے سے تو میرے نزدیک لوگوں کی نظروں میں اور عزت زیادہ ہونی چاہیے۔ کتنی خوبی کی بات ہے کہ ٹہل کر نوکر، خدمت کو لونڈیاں ہوں اور اپنے ہاتھوں کام کرنا آدمی عار نہ سمجھے۔ استانی جی کو دیکھو، نوکر بھی ہے، اوپر کے کام کو بھی ایک عورت نوکر ہے۔ اتنی لڑکیاں مکتب میں بیٹھتی ہیں، جھوٹوں بھی کہیں تو بیچوں کام کو دوڑیں، مگر پانی تک آپ اٹھ کر پیتی ہیں۔ یہ بات خدا کو کیسی بھلی لگتی ہوگی کہ دیکھو، ہم نے اس بندے کو ایسا نوازا اور ایسا بڑھایا کہ اس کے ہم جنس اس کی خدمت اور تابعداری کو دیئے مگر یہ کیسا نیک بندہ ہے کہ اس کو غرور چھو نہیں گیا۔ یہ اپنے تئیں اسی طرح ناچیز سمجھتا ہے۔

حسن آرا: بھلا جو کام اپنے سے ہو ہی نہ سکے تو آدمی کیا کرے؟

محمودہ: اس کا جواب میں ابھی دے چکی ہوں کہ جو کام دوسرے آدمی کرتے ہیں، ہر ایک آدمی کر سکتا

ہے۔ مگر خیر، دنیا میں خدا جس کو دولت ثروت دے اور اگر بڑی محنت کے کام وہ بھی نہ کرے تاہم ہزاروں چھوٹے چھوٹے کام ایسے ہیں کہ بے زحمت ان کو کر سکتا ہے۔ ایسے کاموں میں آپ نہ ہلنا

www.iqbalcyberlibrary.net

اور ہمیشہ نوکروں اور خدمت گاروں کا محتاج رہنا بڑی بری بات ہے۔ ایک تو انسان آلکسی ہو جاتا ہے، آرام طلبی کی عادت چپکے چپکے بڑھتی جاتی ہے، دوسرے کیسا ہی چھوٹا کام ہو، آدمی اپنی مرضی کے موافق جیسا اپنے ہاتھ سے کر سکتا ہے، نوکر کتنا سلیقہ منداور مزاج شناس کیوں نہ ہو، کبھی نہیں کر سکتا۔ میں نے تو اپنا یہی قاعدہ رکھا ہے کہ لکھنے پڑھنے سے جتنا وقت بچتا ہے، اس میں کچھ نہ کچھ کام کیا کرتی ہوں۔ دو برس ہوئے کہ میں اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے سیتی اور قطع کر لیتی ہوں۔ پکانے میں بھی بہت ربط ہو گیا تھا۔ اب تین چار مہینے سے ذرا کم ہو گیا ہے۔ پھر بھی گوشت میں ہی بگھارتی ہوں، اور گھر میں کوئی نئ چیز پکے تو میں ہی پکاتی ہوں۔

حسن آرا: آہا! تم کو پکانا بھی آتا ہے؟

محمودہ: آتا کیا ہے، خیر، غریبا موبھون بھلس لیا۔ استانی جی کی مہربانی سے ایک آدھ چیز ذرا اچھی بننے

لگی ہے۔ اور مجھ پر کیا منحصر ہے۔ مکتب کی سب لڑکیاں جانتی ہیں۔ سب لڑکیوں نے ساجھا ملایا ہے۔ کل کڑھائی چڑھے گی۔ سامان آیا رکھا ہے۔ تلی تو ابھی جاتی، استانی جی نے کہا دن کے وقت گرمی بہت ہوتی ہے۔ سویرے تڑکے دھوپ نکلتے تل تلا کر فراغت پا جاؤ۔ سو کل آپ بھی سیر دیکھیے گا۔

حسن آرا: سموسے بھی تلنے آتے ہیں؟

محمودہ: انشاء اللہ ایسے سموسے تل کر کھلاؤں، نرم اور خستہ پتلے پرت کہ آپ بھی پسند کریں۔ مگر یہ

فرمائیے کہ میٹھے، سلونے، سادے یا قیمہ بھرے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: میٹھے۔

محمودہ: میٹھے سموسے شہربانو ایسے بناتی ہیں کہ سبحان اللہ!

صبح خیزی

حسن آرا: مگر سویرے تڑکے تو میں نہیں آ سکتی۔ میں تو کوئی پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی ہوں۔

پہر دن چڑھے کا نام سن کر محمودہ بے اختیار ہنس پڑی۔

محمودہ: کیا آپ ہر روز پہر دن اٹھا کرتی ہیں؟

حسن آرا: ہر روز۔

محمودہ: سوتی آپ کس وقت ہیں؟

حسن آرا: سرشام۔

محمودہ: بلا کی نیند آپ نے بڑھا رکھی ہے۔

حسن آرا: میں نے بڑھا رکھی ہے؟ نیند بھی کوئی اپنے اختیار کی بات ہے؟ میری آنکھیں تو کچھ

دن رہے

سے بند ہونے لگتی ہیں۔ اماں جان کھانے کے واسطے مجھ کو بلاتی ہی رہتی ہیں۔ جب دیکھتی ہیں کہ یہ سوئی ہی جاتی ہے تو ناچار کھانا کھلوا دیتی ہیں۔ پہر دن چڑھے ہی میری آنکھ آپ سے نہیں کھلتی۔ سوتی کو زبردستی اٹھا بٹھاتی ہیں۔ کچھ نیند جو جگا دیتی ہیں تو گھنٹوں نیند کا خمار رہتا ہے۔ اسی واسطے دوپہر کو پھر کوئی دو چار گھڑی کے واسطے سو رہتی ہوں۔

دوپہر کے سونے کا نام سن کر محمودہ پھر ہنسی اور کہنے لگی کہ اگر آپ کو جی بھر کے سونے دیا جائے تو شاید آپ رات دن سویا ہی کریں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: کیا بتاؤں۔ نیند کم بخت ایسی ٹوٹ پڑی ہے کہ کسی طرح مجھ کو سوتے سے سیری ہی نہیں ہوتی۔

گھر بھر مجھ کو چھیڑا کرتا ہے اور چاہے کوئی بیماری ہو، ابا جان ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ تمام تر سونے کا فساد ہے۔ مگر کیا کروں، نیند پر قابو نہیں چلتا۔ ہر روز ارادہ کرتی ہوں کہ آج سب کے ساتھ سوؤں، مگر جب وقت آتا ہے تو نیند کے غلبے سے ایسا جی خراب ہونے لگتا ہے کہ کچھ بن نہیں پڑتی۔ نیند کے آثار شروع ہوتے ہیں تو مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ آج بڑا پکا وعدہ کر چکی ہوں۔ ابھی سے سو رہوں گی تو لوگ چھیڑیں گے اور اس شرمندگی کے مارے جی مضبوط کر کے تھوڑی دیر سنبھلی۔ بیٹھا جاتا نہیں۔ پلنگ پر جھکی اور ادھر سے اماں جان بولیں، ادھر سے آپا جان۔ لیکن ان کی بات پوری بھی نہیں ہونے پائی کہ بندی لیٹتے کے ساتھ خراٹے لینے لگی۔ میرے لئے پیچھے جو لوگ کہتے سنتے ہوں، مجھ کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔

محمودہ: اگر آپ دل سے نیند کو گھٹانا چاہیں تو کچھ مشکل بات نہیں۔ میں آپ کو بہت سہل تدبیر بتا سکتی

ہوں۔

حسن آرا: ہاں، اس نظر سے کہ گھر بھر مجھ کو سونے کے واسطے چھیڑا کرتا ہے، میں بھی چاہتی ہوں کہ زیادہ

نہیں تو سب کے ساتھ سوؤں اور اٹھ بیٹھوں۔

محمودہ: دو باتوں کا التزام کیجیے۔ اول تو یہ کہ نیند کو بہلانے کے لیے کچھ مشغلہ چاہیے کہ طبیعت اس

www.iqbalcyberlibrary.net

میں مصروف ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص سویرے اٹھنے والا ہو، اس پر تاکید کر دیجئے کہ جس طرح ممکن ہو جھنجھوڑ کر، پانی کے چھینٹے دے کر، آپ کو ہوشیار کر دیا کرے اور اٹھتے کے ساتھ، آپ منہ ہاتھ دھو، طبیعت کو سنبھال، کسی کام میں لگ جایا کیجئے۔ اول اول آٹھ دس دن خلاف عادت سویرے اٹھنے سے ایک خفیف سی گرانی اور درد معلوم ہو گا مگر پھر عادت ہو جائے گی۔ خود بخود آنکھ کھلنے لگے گی اور گرانی سر بھی موقوف ہو جائے گی۔ بلکہ سویرے اٹھنے سے صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھا کر مزاج ایسا باغ باغ ہو جائے گا کہ دن بھر طبیعت بحال رہا کرے گی۔

میں بھی بلا کی سونے والی تھی۔ مردوں سے شرط باندھ کر سوتی۔ استانی جی ہر روز مجھ کو نصیحت کیا کرتیں کہ دنیا میں انسان اس واسطے نہیں آیا کہ سونے اور نکمّے پڑے رہنے سے دن تیر کرے۔ خدا نے دن کام کے لیے بنایا ہے۔ رات کیا تھوڑی ہوتی ہے کہ دن کو بھی سویا کریں۔ بہت سونے سے انسان کاہل، غبی اور ذہن مٹھا ہو کر کند ہو جاتا ہے۔ آدمی کا وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ فرصت کا ایک ایک لمحہ بس غنیمت ہے۔ اس وقت میں ہو سکے تو لگ لپٹ کر علم و ہنر حاصل کر لیں۔ جس سے دنیا اور عاقبت دونوں درست ہوں۔ چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ سونا کم کر دیا۔ یہاں تک کہ اب سب سے پیچھے سوتی اور سب سے پہلے اٹھتی ہوں اور بہ نسبت سابق کے میں اپنے تئیں زیادہ تندرست بھی پاتی ہوں۔ مگر مکتب کی لڑکیاں غضب کرتی ہیں کہ گھر بھی ان کے چار چار چھ چھ پیسے ڈولی پر ہیں اور اندھیرے منہ یہاں آ جاتی ہیں۔ آپس میں شرط لگا رکھی ہے کہ دیکھیں سب سے پہلے کون مکتب میں پہنچتا ہے۔

حسن آرا: دیکھئے انشاء اللہ اب میں بھی ضرور اس کا انتظام کروں گی اور جس طرح بن پڑے گا، خدا نے

www.iqbalcyberlibrary.net

چاہا تو کل گڑا ہی چڑھنے نہ پائے گی کہ یہاں مجھ کو پہنچا دیکھنا۔

محمودہ اور حسن آرا آپس میں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ استانی جی نے آواز دی۔

"محمودہ! تم نئی سہیلی سے اس قدر جلد بے تکلف ہوئیں کہ کون وقتوں سے باتیں کر رہی ہو۔ اب تک تمہاری باتیں ہو نہیں چکیں۔ پہلے ہی دن ایسا کیا صلاح مشورہ ہونے لگا؟

محمودہ: بیگم صاحب تو نہایت اچھی آدمی ہیں۔ دو ہی باتوں میں میرا دل ان سے مل گیا۔ میں نے

ان کو اپنی گڑیاں دکھائیں۔ مراۃ العروس، چند پند وغیرہ سے طاعت شعاری اور صبح خیزی کے

فائدے سنائے۔

استانی جی: تم نے ایسی باتیں کر کے حسن آرا بیگم کو کہیں ناخوش تو نہیں کیا؟

حسن آرا: استانی جی، ایسی اچھی، عقل اور نصیحت اور فائدے کی باتیں محمودہ بیگم نے بیان کی ہیں کہ میں

نے کبھی نہیں سنی تھیں اور میرا جی ان باتوں سے نہایت خوش ہوا۔ صرف ایک بات البتہ میں کسی قدر

ناپسند کرتی ہوں کہ یہ امیروں کی بہت مذمت کرتی ہیں۔

استانی جی: امیروں کی یا ان کے کردار کی؟

حسن آرا: کردار کی مذمت ہوئی تو امیروں کی ہوئی۔ وہ ایک ہی بات ہے۔

استانی جی: نہیں۔ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر مطلق امیروں کی مذمت کی جائے تو

اس سے مطلق دولت کی مذمت نکلتی ہے، حالانکہ دولت بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے۔ (یہ سن کر

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا نے محمودہ کی طرف دیکھا)۔ لیکن اگر دولت پا کر آدمی گھمنڈ اور غرور کرے اور یہ سمجھے کہ وہی سب سے بڑا ہے اور جتنے غریب ہیں، حقیر اور ذلیل ہیں اور اس کی ٹہل اور خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تا کہ وہ آپ ہاتھ نہ ہلائے اور دوسروں کی محنت سے آرام کرے اور دولت اس کو صرف اسی کے آرام و آسائش کے لیے دی گئی ہے اور غریبوں کو دینا اور محتاجوں کی مدد کرنا اپنا فرض نہ سمجھے تو ایسی دولت دنیا کا جنجال ہے اور عاقبت کا وبال۔

حسن آرا: مجھ کو اس میں شبہے ہیں۔

استانی جی: میں تمہارے سب شبہوں کو انشاء اللہ بخوبی رفع کر دوں لیکن اب وقت بہت کم ہے۔ سب لڑکیاں کہانیوں کی منتظر ہیں۔

کہانیوں کا نام سن کر تو حسن آرا اور بھی خوش ہوئی اور بے تاب ہو کر پوچھنے لگی:

اچھی! کون کہانیاں کہے گا؟ آپ یا محمودہ؟

استانی جی: نہ میں اور نہ محمودہ بلکہ جس کی باری ہوگی۔

حسن آرا: کیا سب لڑکیوں کو کہانیاں یاد ہیں؟

استانی جی: یاد تو شاید کسی کو بھی نہیں۔

حسن آرا: پھر کہیں گی کہاں سے؟

استانی جی: بہت اچھی اچھی کہانیاں ایک کتاب میں لکھی ہیں۔ پڑھنا ان سب کو آتا ہے۔ جس کی باری ہوگی، وہی کتاب میں سے پڑھ پڑھ کر کہانی کہے گی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

پڑھنے کے فائدے سن کر حسن آرا کے دل میں شوق کا پیدا ہونا

حسن آرا: جس کو پڑھنا آتا ہو، کہانیوں کی کتاب پڑھ لے۔

استانی جی: بے شک!

حسن آرا: تو پڑھنا بڑی اچھی چیز ہے۔ ایک پڑھنا آ جائے تو سینکڑوں ہزاروں کہانیاں آ جائیں۔

استانی جی: پڑھنے کا یہ تو ایک ادنیٰ فائدہ ہے۔ سینکڑوں فائدے اور بڑے بڑے عمدہ ہیں جن سے لکھا

پڑھا آدمی مزے لیا کرتا ہے۔ کہانیوں ہی کو دیکھو کہ بعض مرتبہ جی چاہتا ہے کہ کوئی اچھی سی کہتا ہوتو سنتے۔ اور ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ یا تو کسی کوئی کہانی آتی نہیں یا آتی ہے تو اس کو فرصت نہیں۔ پس دل کا شوق دل ہی میں رہ جاتا ہے۔ پڑھنا آتا ہوتو کتاب اٹھالی اور بیسیوں افسانہ خواں ہاتھ جوڑ آموجود ہوئے۔ اور نگوڑی کہانیاں بھی کسی فائدے، کسی گنتی میں ہیں؟ پڑھنا تو وہ چیز ہے کہ اس سے ہر طرح کی ہوشیاری آتی ہے۔ جن کے منہ پر آنکھیں نہیں، وہ ظاہری کے اندھے ہیں۔ دل کے اندھے وہ ہیں جن کو علم نہیں۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں۔ سو علم کے بدون دنیا بھی اکارت ہے اور دین بھی خراب ہے۔

آدمی کسی حالت میں کیوں نہ ہو، علم سے اس کو فائدہ ہی ہوگا۔ اگر مصیبت میں ہے تو علم اس کی ایسی غم گساری کرے گا جو کسی دردمند سے نہ ہو سکے۔ اور اگر خوشی میں ہے تو علم اس خوشی کو بے خرخشہ اور پائدار کرے گا۔ آسودگی اور قائم مزاجی اور استغنا اور سیر چشمی جیسی علم سے حاصل ہوتی ہے، نہ دولت سے حاصل ہوتی ہے، نہ حکومت سے۔ واری جایئے پڑھنے کے اور صدقے جایئے

www.iqbalcyberlibrary.net

کتاب کے۔فرصت کا مشغلہ، دل بہلاؤ۔ گھر بیٹھے کی سیر۔استانی کی استانی اور سہیلی کی سہیلی۔ جو عورتیں پڑھنا نہیں جانتیں، کیسی بری طرح ان کا وقت کٹتا ہے کہ معاذ اللہ۔اس کی غیبت، اس کی بدی، مجھ سے لڑ، تجھ سے بھڑ، یا اٹھوانٹی کھٹوانٹی لے پڑ رہیں۔پڑھنا آتا ہو تو کتاب ہاتھ میں لے لی۔جس ملک کی چاہی، سیر کر آئے۔پڑھنا حاضرات کا ایک عجیب وغریب علم ہے۔جس کو چاہا، پکڑ بلایا اور اسی سے باتیں کرنے لگے۔

حسن آرا: اچھی استانی جی، پڑھنے سے یہ کرامت بھی حاصل ہو جاتی ہے؟

استانی جی: بے شک۔دیکھو اب یہ لڑکیاں کتابیں پڑھتیں ہیں۔گویا ان کے مصنفوں سے، جنہوں نے
یہ کتابیں بنائیں ہیں، باتیں کر رہی ہیں۔غرض کہ علم جنت کا میوہ ہے جس نے کھایا ہے، وہی اس کی لذت جانتا ہے۔کہنے اور بیان کرنے سے اس کی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔ہزاروں برس پہلے کی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا آنکھوں کے سامنے سماں بندھا ہوا ہے۔

حسن آرا: استانی جی، مجھ کو بھی پڑھنا آجائے گا؟

استانی جی: تم اور تمہاری لونڈیوں کو، کرتب کی بدیا مشہور بات ہے۔علم کچھ کسی کی میراث نہیں۔ جو کرے
گا، اس کو آئے گا۔

حسن آرا: کتنے دنوں میں؟

استانی جی: لوگوں نے عمریں صرف کر دیں مگر علم کی اتھاہ نہیں ملی۔پڑھتے پڑھتے ایسی چاٹ بڑھتی جاتی

www.iqbalcyberlibrary.net

ہے کہ انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اور رہا نہیں جاتا۔ کوئی مزہ ہو، کبھی نہ کبھی دل اس سے بھر ہی جاتا ہے، اور نہیں بھرتا تو علم سے۔

حسن آرا: کیا کچھ بڑی محنت کرنی پڑے گی؟

استانی جی: ذرا بھی نہیں۔ تھوڑے دنوں جب تک تم کو عبارت پڑھنی نہ آجائے، البتہ طبیعت اکتائے

گی۔ اور عبارت پڑھنی آئی تو اڑ چلیں۔ پھر تو تم کو ایسا مزہ ملنے لگا کہ بے پڑھے تم کو ایک لمحہ چین نہ پڑے گا۔

حسن آرا: عبارت پڑھنی کتنے دنوں میں آسکتی ہے؟

استانی جی: تم ماشاء اللہ ذہین ہو۔ اگر خوب جی لگا کر سیکھو تو چار مہینے میں۔

حسن آرا: اس قدر جلد؟

استانی جی: اور کیا۔

حسن آرا: اچھا تو مجھ کو پڑھنا شروع کرا دیجئے۔

استانی جی: پڑھنا۔ ابھی جلدی کیا ہے؟

حسن آرا: یہ دن ناحق ضائع ہو رہے ہیں۔

استانی جی: تم بہت سے برس ضائع کر چکی ہو۔ چند دن اور سہی۔

حسن آرا: اچھی استانی جی، خدا کے لیے مجھ کو پڑھنا شروع کرائیے۔

استانی جی: اچھی، جلدی کیا ہے؟ شروع کرنا۔ چند روز اور مکتب کا رنگ ڈھنگ دیکھو۔ جب تم کو خوب

www.iqbalcyberlibrary.net

یقین ہو جائے گا کہ پڑھنا فائدے کی چیز ہے تو پڑھنے کی کیا کمی ہے۔ مکتب اسی واسطے ہے اور میں اسی واسطے ہوں۔ اچھا لڑکیو! کس کی باری ہے اور کون سی کہانی ہے؟

زبیدہ: جناب، میری باری ہے اور نواب مسیح الملک کی بیٹی کی کہانی ہے۔ وہاں تک ہو چکی ہے کہ جس

بدو کی قید میں یہ لڑکی تھی، اس کی بیٹی ضمیراں کا بیاہ قرار پایا۔ مگر ارشاد ہو تو آگے کہہ چلوں؟

حسن آرا: اچھی، استانی جی، للہ! سرے سے۔

استانی جی: ہاں بی زبیدہ، حسن آرا کی خاطر پھر سرے سے خوب سمجھا سمجھا کر کہہ چلو۔

زبیدہ نے کہانی شروع کی۔

مسیح الملک ایک بے رحم امیر کی حکایت کا آغاز

لال کنوئیں پر جو نواب بدل بیگ خاں ایک مشہور نواب رہتے ہیں، ان کے بزرگوں میں کوئی نواب مسیح الملک ہو گزرے ہیں۔ اسم تو ان کا بادشاہی طبیبوں میں تھا مگر بادشاہ کے مزاج میں کچھ ایسا درخور ان کو ہو لیا تھا کہ سلطنت کے کل معاملات ان کے اختیار میں تھے کہ متوسلان شاہی کی دل جوئی، غریبوں کی پرورش اور مظلوموں کی دادرسی کرتے لیکن انہوں نے تو کچھ ایسے ہاتھ پاؤں نکالے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک دنیا کو شاکی اور ایک عالم کو فریادی بنا لیا۔ جس سے پوچھو گلہ۔ صدہا آدمی جو دس دس پشت کے ملازم اور موروثی نمک خوار ہونے کی وجہ سے دل و جان سے خیر خواہ بادشاہ تھے، نہ خطا، نہ گناہ، موقوف کرا دیئے۔ مسیح الملک کے آوردوں کے سوائے کوئی شخص ایسا نہ بچا جس کی تنخواہ میں تھوڑی بہت کم نہ ہوئی ہو۔ یونہی تنخواہ چھٹے مہینے ملا کرتی تھی، حکیم گری میں تو برسوں پر نوبت پہنچنے لگی۔ اور اس میں بھی کچھ ایسی کانٹ چھانٹ لگائی جاتی کہ دس والے کو چھ،

www.iqbalcyberlibrary.net

چھ والے کو چار بمشکل پلے پڑتے۔ بیواؤں اور یتیموں اور اپاہجوں کی معافیاں بے دریغ ضبط کر لیں۔

بادشاہ تک ان سب باتوں کی فریادیں پہنچتی تھیں۔ جب کبھی پوچھتے تو مسیح الملک یہ سمجھا دیتے کہ حضور والا! خزانے میں ٹکا نہیں رہا۔ کروڑوں کا قرضہ ہوگیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح ہو سکے قرضہ چکا دوں۔ دو چار برس میں سب انتظام ہوا جاتا ہے۔ عمر بھر حضور کا نمک کھاتے رہے اور اس سرکار کی بدولت ہزاروں چین کیے۔ چند روز کے لیے اگر سب مل کر تھوڑی تکلیف جھیل لیں تو حضور بار قرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی بادشاہ یہ فرماتے کہ لوگوں کو بے دل مت کرو۔ بلا سے میرے مصارف میں کمی ہو تو ہو لیکن نوکروں کی تھوڑی اوقات ہے۔ ان کو مت ستاؤ۔ قرضہ چار برس میں نہیں تو دس بارہ برس میں ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہ تھوڑی اوقات کے لوگ زیادہ سختی کرنے سے تمام ہو جائیں گے۔ خدا نا خواستہ اگر ان میں سے ایک بھی کھسکا تو ہزاروں روپیہ خرچ کرنے سے ایسا آدمی ملنا دشوار ہے۔ ان میں ایک ایک آدمی جانا بوجھا اور آزمایا ہوا ہے۔ اور دیکھو، جو چاہنا سو کرنا، خیرات کی رقموں میں خبردار جو تم نے کمی کی! اول تو وہ خیرات ہی کیا ہے جس کا حساب کیا جائے تو پہاڑ کے آگے رائی۔ مگر خیر، جس قدر ہو، نہایت ضروری ہے۔ مسیح الملک کے دل پر نیکی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا۔ فیاضی اور نفع رسانی خلائق اور رحم سے وہ بالکل بے نصیب تھا۔ بادشاہ کی باتوں کا اس پر مطلق اثر نہ ہوتا۔ آخر ظالم کی عمر کوتاہ، بچا کی شامت جو آئی۔۔۔۔۔

زبیدہ نے یہاں تک کہانی کو پڑھا تھا کہ استانی جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''ذرا صبر کرو'' اور لڑکیوں سے پوچھا ''بھلا یہ تو بتاؤ کہ بادشاہ اور مسیح الملک تمہارے عندیے میں کیسے تھے؟''

رابعہ: دونوں برے۔ مسیح الملک تو بے رحم تھا ہی، بادشاہ اس واسطے برا تھا کہ اس نے بے رحم

www.iqbalcyberlibrary.net

کو ایسا

اختیار کیوں دے رکھا تھا۔

حسن آرا: (خفا ہو کر) نوج اس مکتب کی لڑکیوں کی کیا بری زبان ہے! نہ یہ بادشاہ دیکھیں، نہ

وزیر۔ جو

چاہا بک دیا (اور رابعہ کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہا) اپنا منہ دیکھو اور بادشاہ اور وزیر کو برا کہنا

دیکھو۔ کچھ نہ ہوگا تو تم جیسی ہزاروں لونڈیاں ان کے آگے ہر دم، ہر لحظہ ہاتھ باندھے کھڑی رہا

کرتی ہوں گی۔

رابعہ: پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟ بادشاہ وزیر ہونے سے یا بہت سی لونڈیاں رکھنے سے آدمی کو

زور و ظلم

معاف ہو جاتا ہے۔

حسن آرا: زور و ظلم کیا۔ اپنے نوکروں اور اپنی نوعیت پر جس طرح جی میں آیا، حکم چلایا۔ کسی کی

مجال تھی

کہ ان کے آگے بات کر لیتا۔ اب میرے پیچھے تم کہہ رہی ہو۔ ان کے ہوتے تمہارے بڑے بھی،

کوئی رہے ہوں گے، تو حضور کہتے کہتے منہ خشک ہوتا ہوگا۔

رابعہ: تو آپ کے نزدیک بادشاہ وزیر نوکروں اور رعیت کو چاہے جتنا ستائیں بلکہ جان

سے بھی مار

ڈالیں تو ان کو روا ہے؟

حسن آرا: بے شک۔ جس بادشاہ کا دبدبہ نہ ہو، وہ بادشاہ کیا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: بیگم صاحب، برا نہ مانئے گا۔ اگر بادشاہ ناحق میں بیٹھے بٹھائے آپ کے گھر کا تعلیقہ کر لے

اور عورت مرد سب کو پکڑ کر قید کر لے تو پھر بھی آپ یہی کہیے گا کہ بادشاہ نے واجب کیا؟

حسن آرا: ہمارا تعلیقہ کیوں کر لے اور ہم کو کیوں قید کرے؟

محمودہ: کیوں؟ آپ رعیت نہیں ہیں؟

حسن آرا: جی، رعیت رعیت میں بڑا فرق ہے۔

محمودہ: تو آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں پر ظلم ہو تو مضائقہ نہیں۔

حسن آرا: اور کیا۔

محمودہ: غریبوں نے ایسا کیا قصور کیا ہے؟ کیا غریبوں کی جان نہیں؟

حسن آرا: جان کیوں نہیں، مگر غریب سختی کو برداشت کر سکتے ہیں۔

استانی جی: بھلا ابو حسن آرا بیگم، اگر خدا ناخواستہ تم غریب ہو جاؤ تو پھر تم کو ستانا شاید درست ہو جائے۔

حسن آرا: نہیں، استانی جی۔ ہم کو ستانا کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا۔

استانی جی: یہ تو غضب کی ناانصافی ہے کہ غریب تو ستائے جائیں اور حسن آرا بیگم اگر خدا ناخواستہ غریب

ہو جائیں تو معاف رہیں۔

حسن آرا: امیر اگر غریب ہو جائے تو بھی امیری کی بو کئی پشتوں تک نہیں جاتی۔

استانی جی: یہ کیوں کر ثابت ہے کہ دنیا میں بالفعل جتنے غریب ہیں، یہ سدا کے غریب ہیں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

دولت تو چلتی

پھرتی چھاؤں ہے۔ امیر و غریب ہوتے رہتے ہیں۔ شہر میں کیا، دنیا میں کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جو سدا کا امیر یا سدا کا غریب ہو۔ دو چار پشتیں امیر جو گزری ہیں تو دو چار غریب بھی ہو گزری ہوں گی۔

بادشاہ رعیت کا خدمت گزار ہے اور اس کے اختیارات محدود ہیں

حسن آرا: بھلا مسیح الملک کا تو قصور تھا ہی، لیکن بادشاہ بے چارے نے کیا کیا تھا؟

رابعہ: میں تو پہلے ہی بیان کر چکی ہوں کہ مسیح الملک کو ایسا ذی اختیار رکھنا بادشاہ کا قصور تھا۔

حسن آرا: بادشاہ کے ساتھ تمہارے منہ سے قصور کا لفظ سن کر مجھ کو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔

رابعہ: آتی ہو گی لیکن نہ اتنی جتنی کہ مجھ کو بادشاہ کے ہوتے ہوئے مسیح الملک کا اختیار سن کر۔

حسن آرا: دنیا جہان کے بادشاہ تھے۔ ایک بات ان کے کان تک نہ پہنچی۔

محمودہ: بس یہی بادشاہ کا قصور تھا۔ ان کو اپنے کان ایسے کھلے رکھنے چاہیے تھے کہ منزلوں سے نالش

فریادی کی بھنک سنتے۔ اسی واسطے ان کو لوگوں نے بادشاہ بنا رکھا تھا۔

حسن آرا: لو اور سنو! لوگوں نے بادشاہ بنا رکھا تھا۔

استانی جی: حسن آرا بیگم، افسوس ہے کہ تم نے کچھ پڑھا نہیں۔ جب تک تم کو پڑھنا نہ آئے گا، اسی طرح

ہزاروں باتوں پر تم کو تعجب ہو گا۔ جتنے بادشاہ ہیں، سب لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ جب دنیا میں آدمی بہت ہو گئے تو آپس میں لڑائی جھگڑا بھی ہونے لگا۔ بعض کم بخت ایسے برے تھے کہ قابو پا

www.iqbalcyberlibrary.net

کر آدمی کو مار ڈالتے۔ مال چرا لیتے۔ بھلے مانسوں کو بے عزت کر ڈالتے۔ تب صلاح کر کے یہ تجویز ٹھہرائی کہ آؤ آپس میں کسی شخص کو سردار بنا لیں۔ سب اس سردار کا حکم مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اور اس سردار کا یہ کام ہو کہ وہ لوگوں کے جھگڑے طے کر دیا کرے اور رعایا کی جان و مال آبرو کا نگہبان رہے۔ اسی کا نام بادشاہ ہوا۔ لوگوں کا کام ہے، اس کی اطاعت کرنا اور بادشاہ کا کام ہے، رعایا کو آرام دینا تاکہ کوئی ظلم زیادتی نہ کرے۔ ہاں صاحب، کہانی آگے چلے۔

ہاجرہ: جناب مجھ کو تو بڑی دور جانا ہے اور چھ گھڑی کی توپ اب چلی کہ چلی۔ پھر راستہ بند ہو جائے

گا۔ مجھ کو تو اجازت ہو۔

استانی جی: اچھا، اب ملتوی کرو۔ انشاءاللہ پھر دیکھا جائے گا۔

حسن آرا کو کہانیاں سننے کا اس قدر شوق تھا کہ کہانی ملتوی کیا جانا اس کو ناپسند ہوا۔ ہاجرہ سے کہنے لگی ''اے ہے! ذرا کے ذرا ٹھہر جاؤ۔ کہانی تو ختم ہو لینے دو۔ جہاں سے چھوٹی تھی، ابھی وہاں تک تو نہیں ہوئی۔''

ہاجرہ: نہیں بوا۔ دیر بہت ہو گئی ہے۔ میں تو نہیں ٹھہر سکتی۔

حسن آرا: اے ہے، آج کی رات یہیں رہ جانا۔ نہیں تو ہمارے گھر چلی چلنا۔

ہاجرہ: بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے؟ کہانی کے لالچ سے میں رہ جاؤں؟ میری اماں راہ دیکھ رہی ہوں گی۔

ہاجرہ: جی کڑھنے کی کیا بات ہے۔ ایسا ہی مجھ کو کہانی کا سننا ہو تو کیا میں آپ نہیں پڑھ سکتی؟ غرض

www.iqbalcyberlibrary.net

لڑکیاں رخصت ہوئیں۔

حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا

حسن آرا چلنے لگی تو اس نے محمودہ کو الگ لے جا کر کہا کہ محمودہ بیگم، بھلا اتنا پڑھنا کہ میں کہانی کی کتاب آپ پڑھ لیا کروں، کتنے دنوں میں آ جائے گا؟

محمودہ: جی لگا کر پڑھو تو چار مہینے میں، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ کم میں۔

حسن آرا: اچھی تو مجھ کو کل سے شروع کرا دو۔

محمودہ: استانی جی سے کہو۔

حسن آرا: کہا تھا۔

محمودہ: پھر؟

حسن آرا: استانی جی نے کہا، ابھی جلدی کیا ہے۔

محمودہ: استانی جی کو ابھی تمہارے شوق کی طرف سے اطمینان نہ ہوا ہو گا۔

حسن آرا: کچھ ایسی ہی بات ہے۔

محمودہ: تو چند دن صبر کرو۔

حسن آرا: نہیں میں تو کہتی ہوں کہ آج مجھ کو کہانیوں کی کتاب پڑھنی آ جائے۔

محمودہ: پھر میں استانی جی سے کہہ دوں گی۔

حسن آرا: اس میں کیا قباحت ہے کہ تم چپکے سے مجھ کو پڑھا دیا کرو؟

محمودہ: قباحت کی کیا بات ہے؟

حسن آرا: استانی جی خفا نہ ہوں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: ہرگز نہیں۔ اور ایسا ہی خیال ہے تو خود استانی جی سے کیوں نہیں شروع کرتیں؟

حسن آرا: مجھ سے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں فرفر کتابیں پڑھتی ہیں۔ مجھ کو اتنی بڑی ہو کر الف بے پڑھتے

شرم آتی ہے۔

محمودہ: بہت خوب! میں آپ کو کوٹھے پر لے جا کر اس طرح چپکے سے پڑھا دیا کروں گی کہ کسی کو خبر

بھی نہ ہو۔

حسن آرا: ضرور؟

محمودہ: ضرور۔

حسن آرا: اچھی، استانی جی سے بھی نہ کہنا۔

محمودہ: نہیں۔

غرض یہ باتیں ہو ہوا کر حسن آرا چلنے لگی تو استانی جی نے دو عورتوں کو ساتھ کر دیا۔ گھر تو پاس تھا ہی۔ بات کی بات میں جا پہنچی۔

سلطانہ بیگم: آہا حسنا! میں نے تو جانا آج تم وہیں رہیں۔

حسن آرا: نیند آتی تو رہ جانے کا کیا تھا۔

سلطانہ بیگم: کیا تم کو اب تک نیند نہیں آئی؟ بچپن سے اب تک ہمیشہ دن ڈوبا اور تم سوئیں۔

حسن آرا: یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ بے شغلی کی وجہ سے میری نیند بڑھتی جاتی ہے۔ دیکھئے، آج نہ تو سوئی

www.iqbalcyberlibrary.net

اور نہ کچھ کسل معلوم ہوا۔

سلطانہ: آج ایسے کس کام میں تھیں؟

حسن آرا: کام تو کچھ بھی نہیں مگر وہاں کی باتوں میں ایسا جی لگتا ہے کہ دن رات سنا کیجئے۔

سلطانہ: ہم کو بھی تو کچھ سناؤ۔

حسن آرا: اب تو رات زیادہ ہوگئی ہے اور مجھ کو سویرے اٹھنا ہے۔ جلدی نہ سو رہوں گی تو تڑکے آنکھ کا

کھلنا مشکل ہے۔

سلطانہ: اب تم سویرے اٹھ چکیں۔

حسن آرا: انشاءاللہ ایسے سویرے اٹھوں گی کہ آپ دیکھئے گا۔ انا تم کہا کرتی ہو کہ میں اٹھتی ہوں تو تارے

چٹکے ہوتے ہیں۔ بس ضرور ضرور مجھ کو اسی وقت اٹھا بٹھانا۔ دیکھو! خبردار! بھولنا مت۔

انا: جگا تو دوں گی۔ اٹھنا نہ اٹھنا تمہارے اختیار میں ہے۔

حسن آرا: اگر میں نہ اٹھوں تو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار دینا۔

انا: یہ تو مجھ سے نہ ہوگا کہ غفلت کی نیند میں تم کو حیران کرو۔

حسن آرا: میں کہتی ہوں نا کہ جگا دینا۔ پھر تم کو میری حیرانی کا خیال ناحق ہے۔

انا: بیٹی، تم کہتی تو ہو لیکن میری ایسی کیا شامت ہے کہ صبح سویرے تم کو چھیڑ کر اپنا برا بھلا کراؤں؟

حسن آرا: نہیں نہیں۔ خدا کی قسم، میں ہرگز برا نہ مانوں گی۔ ضرور جگا دینا۔

سلطانہ: آخر تم کو ایسے سویرے اٹھنے کی ضرورت کیا ہے۔ بس معمول سے ذرا پہلے اٹھ جانا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: واہ! میں نے شرط کر لی ہے۔ اگر میں نہ بھی اٹھوں تو سوتی کو بڑے تڑکے اندھیرے منہ مکتب

میں پہنچا دینا۔ انا دیکھو، پھر کہے دیتی ہوں۔ ضرور اٹھا دینا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

حسن آرا سویرے اٹھنے لگی

انا اپنے معمول پر اٹھی۔ سلام پھیر، دعا مانگ، ڈرتے ڈرتے حسن آرا کی چارپائی کے پاس جا کر آواز دی۔ حسن آرا کا یا تو یہ حال تھا کہ بیسیوں آوازیں دیے جاؤ، ہونکار تک نہیں اگر نیند سے ہوشیار بھی ہوئی تو جب آواز دی، کبھی انگڑائی لے کر رہ گئی، کبھی اس کروٹ سے اس کروٹ ہو لیٹی۔ ان کی آواز سن کر جھٹ پٹ اٹھ ہی تو بیٹھی۔ بہتیرا چاہا کہ آنکھیں کھولے، پلکوں کو چیرا پھاڑا مگر یہ معلوم ہوا کہ جیسے سی دی ہیں یا گوندے سے جما دی ہیں۔ اور جو ٹمٹما کر ذرا کی ذرا کھولیں بھی تو ایسا دکھ معلوم ہوا کہ گویا کسی نے پلکوں مرچیں بھر دیں۔ مگر کل کا وعدہ اور کڑاہی کی خوشی پیش نظر تھی۔ ہاتھ پھیلا دیے۔ انا نے پیار سے گودی میں اٹھا لیا اور کہا، بیٹا اب تو بہت سویرا ہے۔ صدقے گئی، ایک نیند اور لے لو۔

حسن آرا: نہیں بی، نہیں مجھ کو ابھی مکتب لے چلو۔

انا: بیٹا منہ تو دھو لو۔ کچھ ناشتا کر لو۔ تب جانا۔

حسن آرا: (ٹھنک کر بولی) اے ہے! اللہ! دیکھو، کم بخت دیر لگائے چلی جا رہی ہے۔ لے نہیں چلتی وہاں۔

سب لڑکیاں آ گئی ہوں گی۔

غرض کہ انا مکتب میں لائی۔ حسن آرا کچھ تو آنکھیں کھولتی آئی ہی تھی، یہاں آ کر دیکھا کہ واقع

www.iqbalcyberlibrary.net

میں بڑی چھوٹی لڑکیاں سب موجود ہیں مگر کوئی کتاب کھولتی جاتی ہے۔ کسی نے آموختہ پڑھنا شروع کردیا ہے، کوئی ابھی مطالعہ لے کر بیٹھی ہے۔ یہ دیکھ کر حسن آرا کی رہی سہی آنکھیں بھی کھل گئیں۔

محمودہ: آہا! بیگم صاحب! ایسے سویرے! ماشاءاللہ! خوب ہی آپ وعدے کی پچی اور ارادے کی پکی ہیں۔

حسن آرا: کیا وعدہ اور کیا ارادہ ہے۔ آخر سب کے پیچھے ہی آئی۔

محمودہ: گو آپ سب کے بعد آئیں مگر پہلے ہی دن آپ اتنے سویرے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بڑی مضبوطی

کی بات ہے۔ اس اعتبار سے آپ ہی سب سے پہلے آئیں۔

حسن آرا: کڑاہی کی فرمایئے۔

محمودہ: سب تیار ہے۔ آپ ہاتھ منہ دھولیں تو شروع ہو۔

محمودہ نے لوٹا، پانی، سلپچی، منجن، آئینہ، کنگھی، تیل، سب سامان سامنے لا کر رکھ دیا۔

حسن آرا: کیا خوب! یہ مجھ کو ناحق میں کیوں گناہ گار بناتی ہیں؟

محمودہ: ہم غریب لوگ ہیں۔ تکلف کا سلیقہ نہیں رکھتے۔ اس کو چاہے آپ بھونڈا پن سمجھیں ہم سب

طرح کا کام اپنے ہاتھوں کرلیا کرتے ہیں۔ اور آپ دیکھیے گا کہ کبھی ہماری آپس میں لڑائی نہیں ہوتی۔ کوئی کام اور کسی کے کرنے کا ہو سب نے مل کر کرلیا ایک دوسرے کو سہارا لگا دیا۔ اور یہ بات کچھ بناوٹ اور دکھاوے کی غرض سے نہیں۔ حاضر و غائب ہم سب لڑکیوں میں بڑی سچی محبت

www.iqbalcyberlibrary.net

ہے۔ ایک ایک کو سگی بہن سے بڑھ کر ہے۔ ہاتھ خدا نے کام ہی کے واسطے دیے ہیں۔ اور لوٹا پانی لا کر رکھ دینا، بھلا یہ بھی کوئی کام ہے؟

مکتب کی لڑکیوں نے مل کر پکوان تلا اور حسن آرا کام کاج میں شریک ہوئی

مگر کام کی عادت نہ تھی چھوٹے چھوٹے کاموں میں بڑی دقت ہوئی

غرض ادھر تو حسن آرا ہاتھ منہ دھوتی رہی اور ادھر محمودہ نے استانی جی سے کہا کہ اگر آپ ارشاد کریں تو کڑاہی کا سامان کئی دن سے آیا ہوا رکھا ہے، اس وقت ٹھنڈک بھی ہے۔ سویرے کا وقت ہے۔ ہم سب مل کر تل تلا لیں۔

استانی جی: بہت خوب! مگر حسن آرا بیگم کو بھی شریک رکھنا۔

محمودہ: بسر و چشم!

اس کے بعد کوٹھڑی کھول، سب سامان نکال، باورچی خانے میں لے گئیں۔ کسی نے بیسن گھولنا شروع کیا، کوئی ٹکیاں گھڑنے لگی، کوئی پیاز کترنے کو بیٹھ گئی۔ غرض سب کی سب کام میں لگ گئیں۔

حسن آرا: محمودہ بیگم، کوئی کام مجھ کو بھی بتاؤ۔ یہ تو مناسب نہیں کہ سب کام کریں اور میں کھڑی منہ دیکھوں۔

آمنہ: آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ ہم سب کیے لیتے ہیں۔ صرف آپ سیر کیجیے۔

محمودہ: نہیں۔ اس میں کچھ قباحت کی بات نہیں۔ کوئی کام ہو، کرنے ہی سے آتا ہے۔ مگر کون سا کام بتاؤں؟ مسالا پیسنا، میدہ گوندھنا، تلنا، بہتیرے کام ہیں۔ ان میں سے جو آپ سے ہو سکے، کیجیے۔

حسن آرا: مسالا تو مجھ سے نہیں پسے گا۔ پہلے ہی رگڑے میں میرے تو کھوے رہ جائیں۔ میدہ

www.iqbalcyberlibrary.net

کہےتو

البتہ گوندھ دوں۔

محمودہ: میدہ گوندھنا بھی بڑے زور کا کام ہے۔ بلکہ مسالا پیسنے سے زیادہ محنت ہے۔

حسن آرا: بلا سے ہے، مگر مجھ کو منظور ہے۔

محمودہ: آخر اس کا سبب؟

حسن آرا: کچھ ہے۔

محمودہ: کیا کچھ پردے کی بات ہے؟

حسن آرا: (جھینپ کر) جی، میدہ گوندھ، ہاتھ دھو دھا، کھڑی ہو جاؤں گی اور مسالا پیسوں گی تو ہلدی کا

رنگ کلنک کا سا ٹیکا، دو چار دن تو چھوٹتا نہیں۔ ناحق مجھ کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔

محمودہ: شرم کی اس میں کیا بات ہے؟

حسن آرا: آپ کو نہیں، مجھ کو تو ہے۔ ہلدی بھرے ہوئے ہاتھ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟

محمودہ: اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔ بعضوں کو کام کرنا عجیب ہے، بعضوں کو دوسروں کا پکایا ریندھا احدیوں،

اپاہجوں کی طرح کھانا عار ہے۔ غرض اتنا سمجھایا امیری کی بو آپ کے دماغ سے نہ گئی پر نہ گئی۔

حسن آرا: اصیل مرغے کی ایک ٹانگ جان جائے پر آن نہ جائے۔

محمودہ: پھر کچھ زبردستی ہے؟ آپ آرام سے بیٹھیے۔ جو کچھ توفیق ہو گی، ہم آپ کو بیٹھے بٹھائے چڑھا

آئیں گی۔

حسن آرا: آپا، کچھ تم کو بھی ضد ہے۔ تم کو اپنے کام سے کام۔ آخر میدہ کوئی نہ کوئی گوندھے گا ہی۔ میرا

ہاتھ لگ جائے گا تو کیا کیڑے پڑ جائیں گے؟

محمودہ: کیڑے تو نہیں مگر لوچ توڑ تو ڑ ستیاناس کر کے رکھ دو گی۔ امیری کی شیخی بگھارنے کے سوائے

اور بھی کچھ تم کو آتا ہے؟

حسن آرا: کچھ اور کام مجھ کو دیجئے۔

محمودہ: کون کام دوں؟ مسالا تو تم پیسنا نہیں چاہتیں، آٹا بھی تم کو گوندھنا نہیں آتا۔ اور کون سا کام

بتاؤں؟ خیر مسالے کی سل کے نیچے ادرک پڑی ہوئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی دو گری نکال کر کتر ڈالئے۔

حسن آرا: ہاں، یہ کام میرے کرنے کا آپ نے بتایا ہے۔ دیکھئے گا، کیسے باریک لچھے کترتی ہوں۔

محمودہ: خدا راس لائے۔

حسن آرا دوڑی، جا، سل کو اٹھانے لگی۔ سل تھی بوجھل۔ ایک بالشت بھر تک تو حسن آرا نے ہمت کر کے اٹھالی۔ آخر نہ سنبھل سکی۔ چھوٹ پڑی اور چھوٹی تو ہاتھ پر گری۔ حسن آرا بلبلا اٹھی۔ سب لڑکیاں دوڑ گئیں۔ جا کر دیکھا تو حسن آرا سل کے تلے ہاتھ دیئے بیٹھی ہیں۔ چہرے کی رنگت

www.iqbalcyberlibrary.net

زرد ہے۔ اور تھر تھر کانپ رہی ہیں۔ جلدی سے سل اٹھا کر الگ کی۔ ہاتھ دیکھا۔ کچل تو گیا تھا مگر زمین گیلی اور پولی تھی، چوٹ نہیں لگی۔

حلیمہ: واہ بیگم صاحب، بڑے کچے دل کی ہو۔ تم تو ایسی بلبلائیں کہ ہم سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

حسن آرا: منہ پر آنکھیں ہیں یا نہیں؟ اتنی بڑی سل تمہارے پر گرتی تو جانتیں۔

حلیمہ: گرتی ہی کیوں؟

حسن آرا: کیا خوب! یک نہ شد دو شد۔ بھلا میں نے تو بالشت بھر اٹھا بھی لی۔ تم ذرا ہلا بھی دو تو سلام کروں۔

حلیمہ: ہاں؟

حسن آرا: ہاں۔

علم جرثقیل کا مختصر تذکرہ

حلیمہ نے وہیں چولہے کے پاس سے ایک نوک دار لکڑی اٹھا، پتلا سرا سل کے نیچے اڑا، جوں ہی دوسرا اٹھایا کہ سل کھٹ سے دوسری جانب جا پڑی۔

حسن آرا: بہن! یہ تو تم نے کمال ہی کیا۔

محمودہ: کمال کی اس میں کیا بات ہے؟ علم جرثقیل میں اسی قسم کی ہزاروں باتیں ہیں۔ حکمت بڑی چیز

www.iqbalcyberlibrary.net

ہے۔ اکیلا آدمی حکمت کے زور سے ہزاروں من کا بوجھ تنکے کی طرح اٹھا کر پھینک دے۔ سل کی کیا اصل ہے۔

حسن آرا: اب آپ لوگ اپنا اپنا کام کیجئے۔ میں ادرک کترتی ہوں۔

محمودہ: رہنے دیجئے۔ کوئی اور لڑکی کترے گی۔ آپ کا ہاتھ بھی دکھتا ہوگا۔

حسن آرا: نہیں میں تو اب کتر کے رہوں گی۔

حسن آرا نے باورچی خانے کے چاقو سے جو ایک گرہ چھیلی تو چاقو کند معلوم ہوا۔ آپ نے کیا کیا۔ محمودہ کے قلمدان سے راجس کا نیا چاقو نکال ادرک چھیلنا شروع کیا۔ ادرک کے عرق سے اول تو چاقو کی آب گئی گزری ہوئی، دوسرے چاقو تیز، ادرک نرم۔ تین چار مرتبہ کچ کچ چاقو ہاتھ میں لگا اور اوپر سے پہنچا ادرک کا عرق۔ خوب ہی مرچیں لگیں۔ مگر حسن آرا نے شرم کے مارے اس کو چھپایا۔ ادرک بھی اچھی نہ کتری گئی۔ ادرک کتر کرلائی تو میں اس میں سرخی جھلملاتی تھی۔ محمودہ نے دیکھ کر کہا۔ ''اے ہے! کیسی لال لال ادرک ہے۔ کہیں گل تو نہیں گئی؟'' دھویا تو خاصی سفید سفید ادرک نکل آئی۔ تب تو شبہ ہوا کہ شاید حسن آرا نے کہیں اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ گھبرا کر کہا ''دیکھوں ہاتھ۔'' حسن آرا نے تامل کے بعد دکھایا تو معلوم ہوا کہ کوئی انگلی نہ تھی جس میں دو چار خراشیں نہ ہوں۔

محمودہ: اے ہے! یہ کیا کیا؟ کس چاقو سے ادرک کتری؟

حسن آرا: جس سے آپ قلم بناتی ہیں۔

محمودہ: بھلا قلم تراش سے کوئی ترکاری بناتا ہے؟ اسی واسطے میں آپ کو کام دیتے ہوئے ڈرتی تھی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

دیکھیے، آپ نے ہاتھ زخمی کر ہی لیا۔

حسن آرا: بلا سے ہاتھ کا کیا ہے۔ اچھا ہو جائے گا۔ مگر چاقو کیسا بدرنگ ہو گیا ہے۔ یہ کیوں کر درست

ہو گا؟

محمودہ: قربان کیا چاقو نگوڑا۔ بگڑ گیا، بگڑ گیا۔ جلدی سے پانی میں بگھو کر کپڑا انگلیوں پر لپیٹ لیجیے،

اور خدا کے لیے مکتب میں جا کر بیٹھیے۔

حسن آرا: واہ! میں تو کام کروں گی۔

محمودہ: کیا استانی کو خفا کرانے کی مرضی ہے؟ حاشا میں تو اب کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دوں گی۔

حسن آرا: اب میں بہت احتیاط سے پوچھ پوچھ کر کروں گی۔ اچھی، کچھ تو بتاؤ۔

حسن آرا نے اتنا اصرار کیا کہ محمودہ سے کچھ نہ بن پڑی اور مجبور ہو کر کہا: ''خیر آپ آگ سلگا کر گھی کو کڑ اڈا لیے'' حسن آرا نے تو سمجھا کہ بڑا آسان کام ملا۔ جلدی سے لکڑیاں، اپلے چولہے میں بھر دیے۔ دیا سلائی سلگا، لگی پھونکنے۔ بہتیرا دھونکا، آگ بھلا کب سلگتی ہے۔ منہ بھی تمتما اٹھا۔ ناک اور آنکھ دونوں سے پانی جاری ہے۔ دھواں غٹ کے غٹ تمام مکان میں بھرا ہوا ہے۔ مگر لڑکیوں کو خبر نہیں۔ جب لڑکیاں سامان درست کر چکیں تو محمودہ نے پوچھا:

''کیوں بیگم صاحب، گھی کیا کہہ رہا ہے؟''

حسن آرا: لکڑیاں کم بخت ایسی گیلی ہیں کہ آنچ ہی نہیں ہوتی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: کیوں دیانت؟ اتنا کہہ دیا تھا کہ برسات کے دن ہیں، لکڑیاں دیکھ کر سوکھی ہوئی لانا۔ آخر

وہی گیلی پانی اٹھالائیں۔

دیانت: بیوی، لکڑیاں تو ایسی خشک ہیں کہ برسات کی ہوا تک بھی ان کو نہیں لگی۔ بیچ ڈھیر میں سے

اپنے سامنے نکلوا کر لائی ہوں۔ دو دن ہوئے انہی لکڑیوں سے کھانا پکتا ہے۔ ایسی دھڑ دھڑ جلتی ہیں کہ پھونکنا بھی نہیں پڑتا۔

حسن آرا نے کام تو بگاڑا آپ اور ماما پر ناحق خفا ہوئی

حسن آرا کو ایک تو پہلے پہل چولہا پھونکنے کا اتفاق ہوا اور اس پر طرہ یہ کہ دو گھڑی کامل حیران ہوئی اور آگ نہ سلگی۔ یوں ہی کھسیانی ہو کر جلی بھنی بیٹھی تھی۔ ماما دیانت نے جو اس کے خلاف تقریر کی، اور بھی آگ بگولا ہو کر بولی ''اری جھوٹی نامراد! ذرا پھوٹے ہوئے دیدوں سے کر دیکھ تو سہی گیلی ہیں یا نہیں؟ کون وقتوں سے سر کھپا رہی ہوں۔ انہی کو سوکھی لکڑیاں کہتے ہیں؟ نہ ہوئی تو اس وقت میرے گھر کی ماما، نہیں تو چپلوں سے مارتے مارتے نامراد تجھ کو فرش کر دیتی۔''

ماما دیانت حسن آرا کا بیہودہ کلام سن کر مارے غصے کے کانپ اٹھی اور چاہتی تھی کہ جواب دندان شکن دے کہ استانی جی نے اشارے سے روکا۔ لڑکیوں کو بھی حسن آرا کی بات نہایت ناگوار گزری اور قریب تھا کہ سب کڑاہی چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو بیٹھیں۔ محمودہ استانی جی کے اشارے کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے لڑکیوں کو کنایے سے باز رکھا اور خود چولہے کے پاس جا کر کہنے لگی: ''ذرا میں بھی تو دیکھوں، کیسی لکڑیاں ہیں۔'' دیکھا تو اندر تک حسن آرا نے لکڑیاں ٹھونس رکھی ہیں۔ راکھ کا اٹم کا

www.iqbalcyberlibrary.net

اٹم بھرا پڑا ہے۔محمودہ نے سب لکڑیوں کو باہر نکال پہلے تو راکھ صاف کی، پھر چار لکڑیوں کو اوپر تلے آڑا رکھ جھینا چولہے کے باہر کی طرف لگا کر ایک مرتبہ ذرا کے ذرا پھونکا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی۔

حسن آرا: آپ نے تو کمال ہی کیا!

محمودہ ہنس کر بولی ''کم بخت آگ جلانے میں بھی کچھ کمال کی بات ہے۔مگر اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ کوئی کام ہو، بے کیے نہیں آتا۔لکڑیاں کیا کریں۔اول تو مونہا منہ راکھ بھری پڑی تھی۔ اس پر آپ نے لکڑیاں اتنی ٹھونس دیں کہ ہوا کا گزر نہ ہوا۔آگ جلے تو کیوں کر جلے؟مشہور بات ہے کہ جھینا جتنا ہلکا ہو، اتنا ہی جلد جل اٹھتا ہے۔''

حسن آرا: مجھ کو یہ حکمت معلوم ہوئی۔

محمودہ: بے شک! جو کام کبھی نہیں کیا، اس میں آدمی ضرور عاجز ہوتا ہے۔مگر آپ نے ایک بات

بہت بے جا کی۔

حسن آرا: وہ کیا؟ کہیں میں نے کوئی اپنا کپڑا تو نہیں جلا لیا؟ (یہ کہہ کر لگی اپنے کپڑوں کو دیکھنے۔)

محمودہ: خیر سے اپنا کپڑا نہیں جلایا، دوسرے کا دل جلایا۔

حسن آرا: ماما کو جو ذرا میں نے گھر کا، اس پر آپ کہتی ہوں گی۔

محمودہ: للہ میری خطا معاف! اول کو یہ فرمایئے کہ آپ کی خفگی بے جا تھی یا نہیں؟ قصور تو اپنا۔ آگ

تک تو خیر سے اپنے تئیں سلگانی نہ آئے اور ماما بے چاری ناحق فضیحت ہو۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: البتہ اتنا قصور میرا تھا۔ مگر ماما کو بیچ میں بول اٹھنا کیا ضرور تھا؟

محمودہ: ماما آپ سے نہیں بولی۔ میں نے پوچھا تو اس نے جواب دیا تھا۔

حسن آرا: پھر بھی میری بات کو کاٹنا اس کو مناسب نہ تھا۔

محمودہ: ہرگز اس بات سے واقف نہ تھی کہ آپ برسر ناحق بھی ہوں تو آپ ہی کی تائید کرنی

چاہئے۔

حسن آرا: کیا وہ نہیں جانتی کہ میں امیر زادی ہوں؟

محمودہ: شاید جانتی ہو۔

خیرات دے کر احسان جتانا

حسن آرا: شاید، میں اس کو خوب پہچانتی ہوں۔ رمضان کے رمضان ہمارے یہاں لنگر سے

برابر کھانا

لینے جایا کرتی تھی۔ اب چار دن سے آپ کے یہاں نوکر ہے تو اس کے مغز چل گئے ہیں۔ وہ دن

بھول گئی۔

محمودہ: لنگر آپ کے یہاں کیوں تقسیم ہوا کرتا ہے؟

حسن آرا: نام خدا پر تقسیم ہوا کرتا ہے۔

محمودہ: نام خدا اسی کا نام ہے کہ جو بھی اس میں سے کھانا لے، وہ عمر بھر آپ کا غلام بنا رہے

اور جس

طرح اور تنخواہ دار آپ کی تعظیم کرتے ہیں، وہ بھی کیا کرے؟ ایسے لنگر کا خاک ثواب ہوگا؟

حسن آرا: تعظیم نہ کرے تو ہم کو جوتیاں مار لیا کرے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: توبہ توبہ جوتیوں کا یہاں کیا مذکور ہے؟

حسن آرا: بوا، ایسے کم حیثیت لوگوں کا بے باکی سے بول اٹھنا بھی جوتیاں ہی مارنا ہے۔

محمودہ: جب لنگر خدا کے نام پر ہوا تو پھر آپ کا کچھ احسان نہیں۔ ایک خیرات کے دو دو بدلے تو نہیں

ہو سکتے کہ عاقبت کا ثواب بھی اور دنیا میں بھی ادب اور تعظیم کی خواہاں رہو۔ پس خیرات دے کر یہ امید پیدا کرنا کہ یہ ہمارا ادب کرے، توقع بے جا ہے اور اس کو دل سے جگہ نہ دو تو آدمی سب برابر۔ جیسی آپ ویسی میں، ویسی ماما۔

حسن آرا: آپ کو اپنے تئیں ماما کے برابر سمجھنے کا اختیار ہے مگر میں تو خدا کے فضل سے خاصی امیر زادی

ہوں۔ اور ایسی ایسی اب بھی دس بیس تو ہمارے گھر نوکر ہوں گی۔

حسن آرا نے جو ماما کی فضیحت کی تھی محمودہ کا اس کو ملامت کرنا اور خطا معاف کرانے پر مجبور کرنا

محمودہ: یہ بڑی زبردستی ہے کہ آپ امیر ہیں تو دنیا میں جو ہے، آپ کا ادب کرے، اور نری ہٹ دھرمی

ہے کہ آپ امیر ہیں تو جس کو جی میں آئے گالیاں دے لیا کیجیے۔

حسن آرا: میں نے تو کوئی گالی نہیں دی۔

محمودہ: گالی کے سر سینگ ہوتے ہیں؟ آپ نے جھوٹی کہا، نامراد کہا، مردار کہا' دیدوں پھوٹی کہا اور

کہا کہ چپلوں سے مارتے مارتے فرش کر دیتی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: یہی گالی ہے تو خدا حافظ۔ اب کیا میں ان کو جناب کہتی، خداوند بناتی ؟

محمودہ: کیا ضرور ہے کہ کہے تو جناب اور خداوند کہے یا ایک دم سے جھوٹی، نامراد، دیدوں پھوٹی

بنایئے۔ یہی لفظ، برا نہ مانیے، اگر کوئی آپ کو کہے تو کیسا برا لگے۔

حسن آرا: مجھ کو برا لگے تو لگے لیکن یہ لوگ اسی اوقات کے ہیں۔ ان کو برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

محمودہ: ہاں بس یہی غلطی ہے۔ یہ ماما اس اوقات کی نہیں ہے۔ غریب تو ہے مگر عزت دار ہے۔ بے شک،

آپ کے نزدیک دولت ہی عزت ہے اور میرے نزدیک بلکہ خدا رسول ﷺ کے نزدیک، دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک نیکی بڑی عزت ہے۔

حسن آرا: بھلا میں بھی دیانت بیگم کی کچھ نیکیاں سنوں۔ کون سا لنگر تقسیم کرتی ہیں؟ کوئی سرائے مسافروں کے آرام کے لیے بنوادی ہے؟ جنگل میں پیاسوں کے واسطے کوئی کنواں کھدوایا ہے؟ کسی بیوہ کی تنخواہ کر رکھی ہے؟ مسجد کے مسافروں کو کھانا مقرر ہے؟

محمودہ: کیا بس یہی نیکیاں ہیں؟ یہ نیکیاں ہیں جو دولت مندوں کے حصے میں ہیں۔ اب میں دیانت کی نیکیاں گنواؤں۔ دیکھیے، اس قدر تو غریب ہے کہ ماما گیری کرتی ہے مگر اتنی بڑی ایماندار ہے کہ لاکھ خاک سمجھتی ہے۔ چھ چپاتیاں صبح چھ شام اس کو یہاں سے ملتی ہیں۔ پانچ کبھی چار آپ کھاتی اور ڈیڑھ ایک ضرور خدا کے نام مسجد میں دے آتی ہے۔ اس کی ایک چپاتی آپ کے لنگر سے کہیں زیادہ ہے۔ دیکھیے، یہ عمر ہے کہ ناکا تک نہیں سوجھتا۔ آپ جانتی ہیں کہ اب یہ بیچ

www.iqbalcyberlibrary.net

کھول کر کیوں بیٹھی ہیں۔ ہمسائی کے بچوں کے کپڑوں میں پیوند لگائیں گی۔ دونوں وقت مفت میں چھ سات گھروں کا سودا لا دیا کرتی ہیں۔ ہمسایوں میں کوئی بیمار ہو، خدا واسطے کو اپنے ہاتھوں قارورہ حکیم کے یہاں لے جانا، عطار کی دکان سے نسخہ بندھوا لانا، چھان بنا کر پلانا اور دن میں دس دس مرتبہ جا کر پوچھنا۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔ چغلی کسی کی نہیں کھاتی۔ پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہیں کہتی۔ کسی کے کام میں عذر نہیں۔ سب کو نیک صلاح، نیک نصیحت۔ آپ اس کو بے غیرت سمجھیں۔ آپ کے بڑے حکیم صاحب جب تشریف لائے اور یہاں ملنے کو آئے ہمیشہ دیانت کو پوچھا اور بہت التفات کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔

حسن آرا: آہا! تو دیانت بڑی نیک ہے!

محمودہ: بے شک، فرشتہ آدمی ہے۔ استانی جی اتنا ادب کرتی ہیں کہ کوئی ماؤں کا بھی نہ کرتا ہو گا۔

حسن آرا: کیا سچ مچ دیانت کو میری بات بری لگی ہو گی؟

محمودہ: یہ بات تو بری لگنے ہی کی تھی۔ شاید اس نے اپنی نیک مزاجی کی وجہ سے برا نہ مانا ہو تو نہ مانا ہو۔

حسن آرا: بھلا پھر ہو گا کیا؟

محمودہ: ہونا کیا تھا؟ اس بے چاری کے پاس لشکر ہے کہ آپ سے بدلہ لے گی؟

حسن آرا: اچھا، اور کیا کرے گی؟ بہت کرے گی اماں جان سے جا کہے گی۔ سو میں اماں جان سے کچھ ڈرتی نہیں۔

محمودہ: اس سے اطمینان رکھئے کہ آپ کی اماں جان تو کیا، ماما کسی سے اس کا مذکور تک تو

www.iqbalcyberlibrary.net

کرنے کی

نہیں۔بڑے ضبط کی آدمی ہے۔

حسن آرا: پھر کیا خوف ہے؟ کہہ دیا کہہ دیا۔

محمودہ: اے ہے! یہی تو بڑا غضب ہے۔اگر اس کا دل دکھا ہے تو ایسا نہ ہو کہیں خدا کو برا لگا ہو۔اس کی مار بلا کی مار ہے۔اس کی لاٹھی میں آواز نہیں۔دم کے دم میں جو چاہے کر گزرے۔اچھے بچھے کو اندھا کوڑی کر دے۔بادشاہ سے بھیک منگوا دے۔

حسن آرا: اچھی ہتو خدا کے لیے دیانت سے میرا قصور معاف کرادو۔

محمودہ: میں خطا میں شریک نہ تھی تو اب معافی میں بھی شریک نہیں ہوں گی۔آپ ہی نے اس کو ناحق برا کہا۔آپ ہی اس سے خطا معاف کرایئے۔

حسن آرا: اچھا، ذرا دیانت الگ ہو تو میں کہوں گی۔

محمودہ: الگ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

حسن آرا: ہاں، اب سب کے سامنے میں امیر زادی ہو کر، ایک ماما کے آگے ہاتھ جوڑوں؟

محمودہ: انصاف تو یہی ہے کہ سب کے سامنے اس کو ذلیل کیا تو سب کے سامنے ہی اس کو خوش بھی کیجیے۔امیری آپ کے مغز میں کچھ ایسی سما رہی ہے کہ نہیں معلوم آپ اپنے تئیں کیا سمجھتی ہیں۔جب آپ کے منہ سے غرور کی بات میں سنتی ہوں، لرز اٹھتی ہوں کہ دیکھیے خدا خیر کرے۔

یہ سن کر حسن آرا دوڑی جا دیانت سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔دیانت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور جھٹ اس نے حسن آرا کو اٹھا گلے سے لگا لیا اور ہزاروں دعائیں دیں۔حسن

www.iqbalcyberlibrary.net

آرا خطا معاف کرا کے پھر محمودہ کے پاس گئی۔ لیجئے، حضرت میں نے دیانت کو راضی کرلیا۔

محمودہ: بیگم، سچ کہنا۔ اب تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے۔

حسن آرا: میں دیکھتی ہوں کہ خطا کا اقرار کرنا کچھ بے عزتی کا موجب نہیں۔ میں نہ جاتی تو سدا کو دیانت سے آنکھ جھینپتی ہی رہتی۔ آپ کے کہنے سے ایک کھٹکا سا ہو گیا تھا۔ اب تو دل میں ایک عجیب طرح کی خوشی پاتی ہوں کہ بیان نہیں کرسکتی۔

محمودہ: اس میں شک نہیں، بڑے حوصلے اور بڑی سیاست کی بات آپ نے کی جو سنے گا خوش ہوگا اور تعریف کرے گا۔ اور خدا کی درگاہ میں تو اس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کی برابر نہیں کرسکتی۔ جتنی کتابیں آج تک میں نے پڑھی ہیں، سب میں یہی لکھا ہے کہ دل آزاری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں اور دل جوئی سے بڑھ کر نیکی نہیں۔

محمودہ اور حسن آرا میں یہ باتیں بھی ہوا کیں اور کام بھی ہوتا رہا۔ ادھر سے یہ گفتگو ختم ہوئی، ادھر کڑاہی اتری۔ ہر ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا لے بھرا چنگیر تو اللہ کے نام مسجد میں گیا۔ جو باقی رہا۔ پہلے استانی جی کے آگے رکھا۔ مگر استانی جی روزے سے تھیں۔ لڑکیوں سے کہا تم شوق سے کھاؤ پیو۔ غرض سب نے مل کر خوب کھایا۔

نیکی اور سچی خیرات

سب کے برابر ایک حصہ دیانت کو بھی ملا تھا۔ دیانت پکوان کو گود میں لیے، دبے پاؤں، باہر نکلی۔ اسے جاتے ہوئے محمودہ نے دیکھ لیا اور چپکے چپکے حسن آرا سے کہا ”بیگم صاحب، بیگم صاحب، لیجئے۔ آیئے۔ میں آپ کو اپنے کہے کی تصدیق کرادوں“ اور حسن آرا کا ہاتھ پکڑ کھڑکی کی آڑ میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اتنے میں دیانت بی ہمسائی کے گھر جا پہنچی۔ نام لے لے کر ان کے

www.iqbalcyberlibrary.net

سب بچوں کو پیار سے بلا بلا، اپنے پاس بٹھایا اور وہ پکوان جو ملا تھا، ان سب کو اپنے ہاتھ سے کھلا دیا۔ جب کھا چکے تو سب کا ہاتھ دھلا کر آپ چلنے کے ارادے سے اٹھی اور چلتے چلتے سب پر تاکید کرتی آئی کہ خبر دار چکنائی پر کوئی پانی مت پی لینا۔ کھانسی ہو جائے گی۔ دیانت گھر آئی تو محمودہ نے پوچھا ''کیوں بی ماما پکوان کیسا تھا؟''

ماما: سبحان اللہ! بڑے مزے کا مجھ کو تو بہت ہی بھایا۔

یہ سن کر محمودہ نے حسن آرا سے کہا ''دیکھا آپ نے؟ کس درجے کی یہ عورت نیک ہے۔ کیسا ہی کوئی گیا گزرا ہو، پھر بھی کڑھائی ہوئی نئی چیز ہو تو جی للچا ہی اٹھتا ہے۔ خصوصاً بڈھوں کو تو کھانے کا غضب کا ہوکا ہوتا ہے۔ لیکن دیکھیے، دیانت نے کتنا اپنے پیٹ کو مارا ہے اور اس غریبی پر کیا استغنا ہے کہ آپ پکوان چکھا تک نہیں۔''

حسن آرا: کیا دیانت سے اور ہمسائی سے کچھ رشتہ ناتا ہے؟

محمودہ: ہرگز نہیں۔ دیانت سیدانی ہے اور ہمسائی پٹھانی۔ اور یہ ہمسائی تو پانی پت کرنال کی طرف کی

رہنے والی ہے۔ اکیلی آپ ہے اور میاں کا کسی سے بھی رشتہ ناتا نہیں۔ رشتے ناتے پر سلوک تو سبھی کوئی کرتا ہے۔ یہ بھی دیانت ہی کا حوصلہ ہے کہ جان نہ پہچان اور دل و جان قربان۔ اور ذرا اس خیر خواہی کو دیکھیے کہ خبر دار کوئی پانی نہ پی لینا۔ اور اس اخفا پر نظر کیجیے کہ کیسے دبے پاؤں گئی، اور میں نے پوچھا تو پکوان کی کیسی تعریف کی کہ گویا آپ ہی کھایا۔ سچی خیرات اسی کو کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ دیں تو خدا کے نام اور اپنا نام و نمود چاہیں۔ بھلا لنگر بانٹنا اور ڈھول بجا کر دینا کیا ضرور ہے۔ دینا ہی وہی ٹھیک ہے کانوں کان خبر نہ ہو۔

www.iqbalcyberlibrary.net

اتنے میں دیانت نے محمودہ سے کہا۔ صاحبزادی، اب تو کڑھائی تل تلا چکیں۔ وہ روپیہ جو تم نے مجھ کو دیا تھا، اس میں سے کچھ پیسے بچے ہوئے میرے پلے بندھے ہیں۔ کہیں کھل کھلا پڑیں گے۔ اس کا حساب کرلو تو بہتر ہے۔

محمودہ: یاد ہے، کیا کیا چیز لائی ہو۔

ماما: چھ آنے کا گھی، دو پیسے کے تل، ڈیڑھ آنے کا بیسن' تین آنے کی کھانڈ، ایک آنے کا دہی، دو آنے کا میدہ۔ بس یہی چیزیں تو اس روپے میں آئی ہیں۔

محمودہ: بوا کنیز فاطمہ، دیکھو تو ماما کے پلے میں آٹھ پیسے بندھے ہیں۔ کھول لاؤ۔ کنیز فاطمہ نے پیسے لا

محمودہ کے ہاتھ دیئے۔

حسن آرا: دیکھو، کتنے پیسے ہیں؟

گنے تو آٹھ تھے۔ تب تو اس نے حیران ہو کر محمودہ سے پوچھا ''اچھی، تم نے بے گنے کیوں کر جان لیا تھا کہ آٹھ ہیں۔''

محمودہ: حساب سے۔

حسن آرا: حساب کیا؟

محمودہ: حساب یہ کہ روپے کے سولہ آنے اور آنے کے چار پیسے۔ جتنا خرچ ماما نے بتایا، اس کو میں نے جوڑا تو چودہ آنے ہوئے۔ دو آنے باقی رہے۔ جن کے چار ادھنے، آٹھ پیسے ہوئے۔

حسن آرا: یہ تو عجیب چیز ہے! میں نے اپنے گھر میں تو ایسی بات کبھی نہیں سنی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: عجیب اور بڑے کام کی چیز ہے۔ دنیا بھر کا لین دین، اچا پت بیو پار، سب حساب پر موقوف

ہے۔ ممکن نہیں کہ آپ کے گھر حساب نہ ہوتا ہو۔ آپ کا گھر تو بڑا امیر ہے۔ غریب سے غریب گھر میں بھی تھوڑا بہت حساب ضرور رہوتا ہے۔

حسن آرا: کیا یہ بھی کوئی پڑھنے کی چیز ہے؟

محمودہ: دنیا میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جو پڑھنے میں نہ ہو؟ مگر چھوٹا موٹا حساب لوگ زبانی بھی سیکھ لیتے ہیں۔ اور بازار کے بنئے، بقال، حلوائی وغیرہ سب بقدر ضرورت حساب سے واقف ہوتے ہیں۔

حسن آرا: مکتب کی یہ لڑکیاں بھی حساب جانتی ہیں؟

محمودہ: بعض تو ان میں بہت جانتی ہیں، مشکل باتیں نکال لیتی ہیں، جن کو ان پڑھ آدمی مہینوں کے سوچ بچارے بھی نہیں نکال سکتے۔ اور بعض جو مبتدی ہیں، وہ بھی بازار والوں سے کہیں زیادہ جانتی ہیں۔ اگر فرمایئے تو میں آپ کے روبرو ان سے کچھ حساب کے سوالات پوچھوں۔ دیکھیے، کیسے تڑ تڑ جواب دیتی ہیں۔

حسن آرا: بہت خوب!

حساب کی دلچسپ باتیں

محمودہ: کیوں کلثوم، تین اور سات اور نو مل کر کتنے ہوتے ہیں؟

کلثوم: انیس۔

محمودہ: اور بھلا آٹھ اور چھ اور دو؟

www.iqbalcyberlibrary.net

کلثوم: سولہ

محمودہ: بھلا پچیس روپے میں آٹھ روپے خرچ ہو جائیں تو کتنے روپے بچے؟

کلثوم: سترہ۔

محمودہ: بھلا بتاؤ، سوا سو کتنے روپے ہوتے ہیں؟

کلثوم: سو اور پچیس۔

محمودہ: بھلا پونے چار سو کتنے ہوتے ہیں؟

کلثوم: تین سو پچھتر یا پچیس کم چار سو۔

محمودہ: شاباش! بوا شاباش! جب جانیں ایک بتاؤ کہ آمنہ غدر میں سات برس کی تھی اور غدر کو اب چھ برس ہوئے تو آمنہ کی عمر اب کتنے برس کی ہے؟

کلثوم: تیرہ برس۔

محمودہ: ٹھیک۔ بہن، ایک بات اور بتاؤ کہ آمنہ کا بھائی اس سے چار سال بڑا ہے تو بھلا غدر سے کتنے برس پہلے ہوا تھا؟

کلثوم: (سوچ کر) گیارہ برس۔

محمودہ: اچھا زبیدہ، تم کلثوم سے زیادہ پڑھی ہو۔ بھلا بتاؤ تو، بارہ لڑکیاں اگر ہنڈکلھیا میں تین تین پیسہ کا ساجھا ملائیں تو سب کے آنے ہوں گے؟

زبیدہ: نو آنے۔

محمودہ: ڈیڑھ سو میوے ہیں۔ اگر چھ لڑکیوں کے برابر حصے لگائے جائیں تو ہر ایک لڑکی کو کتنا پہنچے گا؟

www.iqbalcyberlibrary.net

زبیدہ: پاؤ بھر۔

محمودہ: دو سو آم ہوں اور دس لڑکیاں تو کتنے کتنے ہر ایک کو ملیں گے؟

زبیدہ: یہ تو بہت ہی صاف ہے۔ بیس بیس۔

حسن آرا: یہ گلاب کا پودا جو انگنائی میں لگا ہے، پندرہ پھول روز کے روز اس سے اترتے ہیں۔ مہینے میں کتنے پھول ہوں گے؟

زبیدہ: ساڑھے چار سو یعنی چار سو اور پچاس۔

محمودہ: کیوں صاحب، سات آنے گز کے حساب سے سات ایک پائجامے کی دریس کے کیا دام ہوئے؟

زبیدہ: (سوچ کر) تین روپے ایک آنہ۔

محمودہ: دو روپے کا آٹھ گز کا تھان تین روپے کو ٹھہرے تو کتنے گز پڑا؟

زبیدہ: لکھ کر جوڑ لوں؟

محمودہ: نہیں، صاحب۔ زبانی سوچ کر کہو۔ کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔

زبیدہ: (تھوڑی دیر تامل کر کے) چھ آنے گز۔

محمودہ: بھلا ڈیڑھ آنے کا چھٹانک بھر گھی ہو تو آدھ سیر کتنے کا ہوا؟

زبیدہ: (ہتھیلی پر انگلیوں سے لکھ کر) بارہ آنے۔

محمودہ: گز میں کتنے گرہ؟

زبیدہ: سولہ۔

محمودہ: اور من میں کتنے سیر؟

www.iqbalcyberlibrary.net

زبیدہ: چالیس۔

محمودہ: خوب بہن! اچھابی رابعہ، تم تو تشریف لاؤ۔ تم تو بڑی حسابی ہو۔ بتاؤ۔ نوگرہ عرض کی دریس ایک پائجامہ میں نوہی گز لگتی ہے تو پورے گز بھر کا عرض ہو تو کتنے لگے گی؟

رابعہ: تختی پر لکھ لوں؟

محمودہ: بہت اچھا۔ لیکن جلدی جواب دو۔ نہیں تو بزاز چلا جائے گا۔

رابعہ: (دو لمحہ بعد) پانچ گز ایک گرہ۔

محمودہ: بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ دالان جس میں ہم سب بیٹھے ہیں، چھ گز لمبائی اور ڈھائی گز کا چوڑا ہے۔ چاندنی میں کتنا مارکین خرچ ہوگا؟

رابعہ: اور مارکین کا عرض؟

محمودہ: یہی معمولی گز بھر۔

رابعہ: پورے پندرہ گز۔

زبیدہ: ایک سوال بتادو تو تم کو شاباش دیں۔ یہ بڑی مسجد کا حوض چھ گز مربع ہے۔ یعنی لمبان چوڑان برابر اور دو گز گہرا اور ایک گز مربع میں تین مشک پانی آتا ہے اور ایک مشک میں پچیس لوٹے اور ایک لوٹے میں پندرہ گلاس اور ایک گلاس میں آدھ پاؤ پانی تو سارے حوض میں کتنا پانی ہوا؟

رابعہ: (پاؤ گھنٹے بعد) دو سو ترپن من پانچ سیر۔

حسن آرا: اے ہے! ان کم بخت جان ہاروں کو کیسی باتیں آ گئی ہیں! لڑکیاں ہیں کہ بلائیں!

محمودہ: اس سے بھی عجیب باتیں ان کو معلوم ہیں۔ میں نے آپ کے سمجھانے کو آسان

www.iqbalcyberlibrary.net

باتیں ان سے پوچھیں۔ کیوں ہاجرہ، جامع مسجد کے مینار کو بے گز، بے رسی اور بے اوپر گئے ناپ سکتی ہو؟

ہاجرہ: بے شک۔ مجھ کو وہ سائے کا حساب یاد ہے۔ کوئی دو مہینے کی بات ہے کہ ہمارے کنبے سے

ایک برات پلول گئی تھی۔ میں ساتھ تھی راہ میں قطب صاحب کی لاٹ کے پاس ناشتا کرنے کو ٹھہری مجھ کو تو اس قاعدے کا بڑا اچنبھا تھا۔ جھٹ میں نے ایک تنکا لے اور سایہ ناپ، وہیں زمین پر حساب لگایا۔ ساتھ والیاں مجھ کو چھیڑنے لگیں کہ یہ دن دہاڑے کیا تنکے چننے لگیں! غرض میں نے وہ ناپ جو میرے حساب سے نکلی تھی، یاد رکھی۔ لوٹ کر گھر آئی تو صنادید عجم میں دیکھا۔ ٹھیک وہی لمبان تھی۔ کوئی شاید دو گز کا بل تھا۔

رابعہ: اجی بوا ہاجرہ! سائے کا حساب مجھ کو بھی بتا دو گی؟

ہاجرہ: اچھی، ایک بڑی آسان بات ہے۔ ایک تنکا لے کر اس کو ناپ لیا۔ پھر اس کو دھوپ میں سیدھا کھڑا کر کے اس کے سائے کو ناپ لیا۔ پھر لاٹ کے سائے کو ناپ ڈالا تو رابعہ تناسب کے قاعدے سے جو تم کو معلوم ہے، لاٹ کی لمبان نکل آئے گی۔ اس طور پر اتنے لمبے تنکے کا سایہ اس قدر لمبا پڑتا ہے تو لاٹ جس کا سایہ اتنا لمبا ہے، کتنی اونچی ہو گی۔

رابعہ تو اتنا اشارہ پا کر خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ لیکن حسن آرا تو رابعہ تناسب وغیرہ تو کچھ جانتی نہ تھی۔ وہ اس معمے کو کیا سمجھتی۔ ہاجرہ کی طرف مخاطب ہو کر بولی ''افوری جھوٹی، افوری لپاڑن۔ آپ خیر سے ابھی پوری چار ہاتھ کی بھی نہیں ہوئیں اور ہزاروں کوس کی اونچی لاٹ ناپنے چلیں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔''

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: ایں ایں بیگم صاحب! آپ کا یہ کیا دستور ہے کہ باتوں ہی باتوں میں ناحق بگڑ بیٹھتی ہیں؟

حسن آرا: خدائے پاک کی قسم، میں تو کچھ نہیں بگڑی اور نہ میں نے کچھ کہا۔

محمودہ: یہ جلدی سے قسم کھالینا اور غضب ہے۔

حسن آرا: یوں بات کاٹنے پر آؤ تو بولنا بھی غضب ہے۔

محمودہ: اگر ذرا آپ انصاف سے میری بات سنیں تو میں کچھ عرض کروں، اور اگر بیجا ہو تو میں قائل ہو جاؤں گی۔

حسن آرا: بھلا کچھ تو کہے۔

قسم کھانے کی برائی

محمودہ: اول تو یہ بتائیے کہ آپ نے خدا کی قسم کیوں کھائی؟

حسن آرا: تا کہ تم کو میرے کہنے کا اعتبار ہو۔

محمودہ: یہ آپ کی سمجھ کا پھیر ہے۔ جس کی بات کا اعتبار نہیں، اس کی قسم کا لاکھ دفعہ اعتبار نہیں۔

حسن آرا: خیر، میں نے یوں ہی قسم کھالی تو برا کیا کیا؟

محمودہ: بے شک برا کیا۔ خدا کو آپ نے لڑکیوں کی گڑیاں بنایا ہے یا بچوں کا کھلونا قرار دیا ہے؟ آپ کو اس دو جہان کے مالک اور بادشاہ کا نام اس بے احتیاطی سے لیتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟ یہ دیکھیے، دنیا کی بے ایمانی کہ آدمی کا ادب کرے تو اس کا نام نہیں لیتا۔ اور خدا کی یہ بے وقعتی اور بے وقری کہ بات بات میں اس کا نام لیا جائے۔ جب میں کسی کو خدا کی قسم کھاتے سنتی ہوں،

www.iqbalcyberlibrary.net

میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور حیران ہوکر منہ دیکھنے لگتی ہوں کہ کیوں کر بے دھڑک یہ لفظ اس کی زبان سے نکلا؟

حسن آرا: خدا کا نام لینا منع ہوتا تو اذان اور نماز میں کیوں لیتے ؟

محمودہ: عبادت میں نام لینا دوسری بات اور خدا کے نام کو تکیہ کلام قرار دینا اور جابجا بول اٹھنا بالکل خلاف ادب ہے۔

حسن آرا: لوگ تو بات بات میں واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔

محمودہ: جو بات بری ہے اگر دنیا بھر اس کو کرنے لگے تو اچھی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر دنیا کے لوگوں کی مثال لیجیے تو اچھے دیندار اور نیک بندے بہت ہی کم ملیں گے۔ آپ ذرا اتنی بات پر غور کر لیجیے۔ اور خدا کی عظمت اور اس کی بڑائی اگر ہمارے دل میں ہے تو ممکن نہیں کہ اس کا نام پاک کے ساتھ ہم اس بے احتیاطی سے پیش آئیں۔ آدمی بال بال گناہ گار ہے۔ اپنے تئیں دیکھے اور اس خداوند عالی جاہ کی شان اور اس کے تقدس پر نظر کرے۔

حسن آرا: البتہ قسم کھانا تو بہت ہی بری بات ہے۔ توبہ توبہ! پھر میرے منہ سے قسم نکلے تو بیشک میرے منہ پر طمانچہ کھینچ مارنا۔

محمودہ: ایسا کیوں ہونے لگا۔ آپ ہی آئندہ سے خیال رکھیں اور جو کبھی آپ کے ذہن سے بات اتر گئی تو میں یاد دلا دوں گی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

ہمجولیوں میں پاس ادب

خیر یہ تو ہو چکا۔ اب میں پوچھتی ہوں کہ آپ نے بے چاری زبیدہ کی دل شکنی کیوں کی؟

حسن آرا: بوا، میں نے تو زبیدہ کو کچھ نہیں کہا۔ تم ناحق زبیدہ کو مجھ سے لڑاتی ہو۔

محمودہ: جھوٹی لپاٹن کہا اور کچھ بھی کہا۔ یہ وہی دیانت کی سی بات پھر آئی۔ آپ نہیں جانتیں کہ جھوٹ بولنا بڑے عیب کی بات ہے اور بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں جھوٹ نہیں بولا کرتیں۔ کسی کو جھوٹی کہہ دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو چوری لگا دینا۔

حسن آرا: بوا، میں نے تو ہنسی ہنسی میں کہا تھا۔ آپس کی بے تکلفی میں ایسی بات بے ساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے۔ اگر رات دن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے ایسا تکلف کریں تو زندگی دشوار ہو جائے۔

محمودہ: یہ تو کچھ ہنسی اور بے تکلفی کی بات نہیں، بلکہ لڑائی اور بگاڑ کی بات ہے۔ اگر ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایسی باتوں کا لحاظ نہ رہے گا تو پھر عادت پڑ جائے گی اور شاید یہی سبب ہوا کہ آپ اس دن دیانت کے ساتھ ایسی بے تکلفی کر بیٹھیں۔

حسن آرا: بھلا میرا ہی قصور تھا یا زبیدہ کا بھی تھا کہ وہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے چلی تھی؟

محمودہ: زبیدہ بے چاری کی تو کچھ بھی خطا نہ تھی۔ وہ تو ایک واجبی بات کہہ رہی تھی۔

حسن آرا: واجبی؟ اگر یہی واجبی ہے تو ۔۔۔۔۔

محمودہ: آپ نے ابھی کچھ پڑھا نہیں۔ آپ کو دنیا جہان کی خبر ہو تو کیوں کر ہو۔ آپ کے نزدیک تو زبیدہ کی بات غیر واجبی ہونی ہی چاہیے۔ مگر جب زبیدہ کو آپ نے جھوٹی لپاٹن کہا، نہیں

www.iqbalcyberlibrary.net

معلوم مجھ کو کیا خطاب ملے، اس ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

حسن آرا: برائے خدا جو کچھ جی میں ہے کہہ ڈالئے۔

محمودہ: کہہ ڈالوں؟ پھر برا تو نہ مانئے گا؟

حسن آرا: بے شک۔ کہہ ڈالئے میں ہرگز برا نہ مانوں گی۔

محمودہ: بیگم صاحب، امیر زادی ہونا اور بات ہے اور علم وعقل دوسری بات ہے۔ آپ اتنا تو جانتی ہی نہیں کہ کوس کس جانور کا نام ہے۔

حسن آرا: کیوں؟ میں کوس کو خاصی طرح جانتی ہوں۔ بتا چلوں؟ قدم شریف ایک کوس، ہمایوں کی بھول بھلیاں تین کوس، قطب صاحب سات کوس اور (آپ کبھی گئی ہیں) میرٹھ پچیس کوس، پانی پت چار منزل۔ میں تو بڑی دور ہو آئی ہوں۔

محمودہ: درست۔ تبھی قطب صاحب کی لاٹ کو آپ نے ہزاروں کوس کی لمبی بتایا۔ لقا کبوتر کی طرح آدمی الٹا ہی تو گر پڑتا ہے۔ کبھی اوپر جانے کا اتفاق ہوا ہے؟ اچھے مردوں کا دم ہی تو چڑھ جاتا ہے۔

محمودہ: کیا ضرور ہے کہ اگر اوپر جانے میں اچھے مردوں کا دم چڑھ جائے تو لاٹ ہزاروں کوس لمبی ہو؟

حسن آرا: میں تو اس سے قیاس کرتی ہوں کہ ضرور ہزاروں کوس لمبی ہوگی۔ سنا ہے کہ بعضے مردوے پندرہ پندرہ بیس بیس کوس چلنا کچھ بات نہیں سمجھتے مگر لاٹ پر چڑھنے میں ہانپنے لگتے ہیں اور دم پھول جاتا ہے تو ضرور لاٹ کچھ بہت ہی اونچی ہوگی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: اس کا سبب میں آپ کو سمجھاؤں۔

زمین کی کشش

جتنی چیزیں ہیں، سب کو زمین اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جو چیز اوپر کو پھینکتے ہیں، وہ کچھ دور تو پھینکنے والے کے زور اور زبردستی سے اوپر کو چلی جاتی ہے، پھر آخر زمین کی کشش اس کو نیچے کھینچ لاتی ہے۔ پتھر کو اوپر پھینکو اور دیکھتی رہو تو ایسا معلوم ہوگا کہ جوں جوں اوپر کو جاتا ہے، اس کی چال سست اور دھیمی ہوتی جاتی ہے اور پھر جو الٹتا ہے تو تیر کی طرح زمین کی طرف دوڑتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ چیزیں زمین کی کشش کے مارے اوپر کو نہیں جانا چاہتیں اور جو جاتی بھی ہیں تو بڑی زبرستی اور مشکل سے۔ اسی طرح جب آدمی لاٹ کے اوپر جانے لگا تو اس کے بدن کا بوجھ اس کو روکتا ہے اور یہ زبردستی اپنا تمام بوجھ اچکا اچکا کر اوپر کی طرف لیے چلا جاتا ہے۔ اسی واسطے اوپر جانے میں بڑا زور پڑتا ہے اور آدمی جلدی تھک جاتا ہے۔ پھر جو نیچے اترنے لگتا ہے تو دیکھو کیسے کیسے دھم دھم جلدی جلدی نیچے اتر آتا ہے کیونکہ ایک تو خود اس کا اپنا زور، دوسرے بدن کے بوجھ کا جھکاؤ، دوہرا بل ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی ہمارا بالا خانہ کچھ ایسا بہت اونچا بھی نہیں ۔۔۔۔ اٹھارہ سیڑھیاں ہیں، پھر بھی جس کو عادت نہیں اس کو چڑھنا کتنا مشکل پڑتا ہے۔ اماں جان جب کبھی ضرورتاً اوپر جاتی ہیں تو کوٹھے پر پہنچتے ہی دم لینے کو بیٹھ جاتی ہیں۔ مگر اترنے میں ہرگز یہ دقت نہیں ہوتی۔ غرض لاٹ کے اوپر جانے میں دم کا چڑھ جانا اس کی بلندی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

حسن آرا: خوب، صاحب خوب! یہ تو آج میں نے بالکل ایک نئی بات سنی کہ زمین چیزوں کو کھینچتی ہے۔

مگر یہ تو فرمایئے کہ لڑکے جو کنکوے اڑاتے ہیں، یہ خود بخود زمین سے کیوں دور ہو جاتے ہیں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

ایک مرتبہ ارجمند نے تکل کو ایسا بڑھایا تھا کہ آسمان سے ملا دیا تھا۔

محمودہ: کنکوا ہو یا تکل، زمین کی کشش سب پر اثر کرتی ہے۔ اور اگر پتنگ کو بڑھا کر چھوڑ دیا جائے تو گو ہوا کے جھکولوں سے دیر سے گرے مگر گرے گی ضرور۔

وزن مخصوص

اس میں بھید یہ ہے کہ کوئی چیز ہلکی ہے، کوئی بھاری۔ جتنی ہلکی چیزیں ہیں، خود بخود اوپر آ جاتی ہیں۔ مثلاً گلاس میں اوّل تیل ڈال دیجئے اس کے اوپر پانی۔ تو چونکہ تیل پانی کی نسبت ہلکا ہے، خود بخود اوپر آ جائے گا۔ یا ایک تسلے میں جھاڑو کے تنکے رکھ کر اس کو پانی سے بھر دیجئے۔ آپ سے آپ اوپر آ جائیں گے۔ اور اسی بنیاد پر دریاؤں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ کیونکہ لکڑی پانی کی نسبت ہلکی ہوتی ہے۔ وہ اس کے نیچے بیٹھ نہیں سکتی بلکہ اس کو پانی کے نیچے رہنے سے اتنی نفرت ہے کہ تھوڑا بوجھ بھی ہو تو وہ اس کو سہارے رہتی ہے۔

حسن آرا: کشتیاں ڈوب بھی تو جاتی ہیں۔

محمودہ: جب بے انداز بوجھ لاد دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ کنکوا ایسے پتلے کاغذ کا بناتے ہیں کہ اگر اس کو تولیں تو ایک یا دو ماشہ سے زیادہ نہ ہو گا، مگر اس کو اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ ڈاک کا کاغذ جس پر خط لکھتے ہیں، آدھا دستہ بارہ تختے مشکل سے ایک تولے کے ہوتے ہیں۔ پس ایک تختہ کاغذ نے گز بھر جگہ تو گھیر لی مگر اتنی جگہ میں جو ہوا بھری ہے، اگر ایک تختے کے وزن کو تقسیم کر کے دیکھو تو سیر بھر ہوا پر کوئی خشخاش کے دانے سے بھی کم بوجھ ہوا لیکن تختے کی گولی بنا لو تو کاغذ کا سارا بوجھ اکٹھا ہو جائے گا۔ اس سبب سے کنکوا اوپر آ جاتا ہے اور اسی کے برابر گولی نیچے گرتی ہے۔ دانشمندوں نے زمین کی کشش پر جو بہت غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ فاصلے اور جسامت پر اس کا مدار ہے۔ یعنی چیز جتنی

www.iqbalcyberlibrary.net

ٹھوس ہوگی، اس پر کشش کا اثر زیادہ ہوگا۔ کوٹھے پر سے اگر ایک پتھر نیچے کو لڑھکا دو تو جتنا وہ زمین کے قریب ہوتا جائے گا اس کی رفتار تیز ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ایک پیسہ اور ایک پیسہ بھر کاغذ کی گولی بنا کر ایک ساتھ دونوں کو اوپر سے گراؤ تو ظاہر میں کاغذ کی گولی پیسے کی نسبت قد و قامت میں بڑی ہوگی، مگر چونکہ ٹھوس نہیں ہے، پیسہ پہلے گرے گا۔ دھواں بھی اسی قاعدے کے مطابق ہمیشہ اوپر کو جاتا ہے۔ اسی واسطے کہ لکڑی وغیرہ کی اجزائے لطیف جو آگ کی گرمی کے اثر سے باہر نکلتے ہیں، انہی کا نام دھواں ہے، اور چونکہ یہ ہوا سے ہلکے ہوتے ہیں، اس واسطے اوپر کو چڑھتے ہیں۔

حسن آرا: کیا ہی خوب بات آپ نے مجھ کو بتائی، مگر آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہوا کو بھی وزنی سمجھتی ہیں۔

محمودہ: ضرور، بے شک ہوا میں بھی بوجھ ہے۔

ہوا کا دباؤ

حسن آرا: ہوا نگوڑی تو بالکل ہلکی پھلکی ہے۔ اس میں بوجھ کہاں سے آیا؟

محمودہ: اس میں تو اتنا بوجھ ہے کہ تم سنو تو حیران ہو جاؤ۔ روپیہ بھر جگہ میں پانچ سیر سے کم ہوا کا بوجھ نہیں ہوتا۔ اس حساب سے تمہارے بدن پر کئی ہزار من بوجھ ہوگا۔

حسن آرا: اے ہے! نوج! خدا نہ کرے کہ اتنا بوجھ ہو۔ میرا تو دب کر بھرکس ہو جائے۔

محمودہ: یہ بات غلط نہیں ہے۔ عقلمندوں نے ہوا کو تولا ہے اور تول کر دریافت کیا ہے۔

حسن آرا: جو بات آپ کہتی ہیں، ایسی ہی کہتی ہیں کہ کسی کی عقل میں نہ سما سکے۔

محمودہ: البتہ بے علم لوگوں کی عقل میں یہ باتیں نہیں آ سکتیں۔ مگر یہ ان کی عقل کا قصور ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: بھلا ہوا بھی کسی کے تولے تولی جاتی ہے؟

محمودہ: اس کی تدبیر سنئے کہ ایک خالی بوتل لی اور اس کو تولا، وہ بوتل خالی تو ہے مگر پھر بھی اس میں ہوا ہے۔ اس کو تولنے سے جو وزن ٹھہرا، اس میں سے کچھ تو بوتل کا ہے اور کچھ ہوا کا۔ پھر بوتل سے ہوا نکال کر تولا تو دیکھا کہ وزن گھٹ گیا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟

حسن آرا: بوتل سے ہوا کیوں کر نکالی جائے گی؟

محمودہ: اس کی ایک کل ہے۔ یوں منہ سے چوس لی جائے تو بھی نکل سکتی ہے۔ یا ایک اور طریقہ بھی اس کے امتحان کا ہے کہ ربڑ کا پھکنا جس سے لڑکے کھیلا کرتے ہیں، پہلے اس کو بغیر ہوا کے تول لیا۔ پھر پھونک کر ہوا بھر دی۔ جب خوب تن گیا تو سرا باندھ دیا اور پھر تولا تو ضرور تول میں کچھ فرق ہوگا۔ جب چاہو آزما لو۔

حسن آرا: مگر جتنا بوجھ آپ بتاتی ہیں، وہ تو بالکل خلاف قیاس ہے۔

محمودہ: ہوا کا بوجھ جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا، اس کا بھی سبب ہے۔ وہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہوا ہے۔ اندر کی ہوا باہر کی ہوا کا روک کرتی ہے۔ اگر باہر ہوا نہ ہو تو بدن پھٹ پڑے اور بعض دفعہ لوگ جو غباروں میں بہت اونچے چڑھ گئے ہیں، ان کو بخوبی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کیونکہ زمین کے آس پاس جو ہوا ہے، وہ بہت وزنی ہے اور جس قدر اوپر چڑھتے جاؤ گے، ہلکی ہوتی جاتی ہے۔

یہ بات میں تم کو ایک بہت موٹی مثال میں سمجھا دوں۔ اگر روئی کا بڑا انبار لگا دیا جائے تو اوپر کی روئی ضرور ہلکی ہوگی اور نیچے کی روئی دب کر ٹھس ہو جائے گی۔ بعینہ یہی حال ہوا کا ہے۔ ہم لوگ زمین پر رہتے ہیں۔ جیسی ٹھس ہوا ہمارے اوپر اور آس پاس ہے، ویسی ہی ہمارے بدن میں بھری

www.iqbalcyberlibrary.net

ہوئی ہے اور باہر کی ہوا کا دباؤ اور اندر کی ہوا کا زور برابر ہے۔ جب بہت اونچے جاؤ تو اندر وہی ٹھس ہوا ہے، مگر باہر کی ہوا ہلکی ہے جس کا دباؤ اندر کی ہوا کے زور کی نسبت بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے بدن پھٹنے لگتا ہے۔ تاکہ تم اس بات کو بخوبی سمجھ لو، میں دو مثالیں اور بیان کرتی ہوں۔ یہ تو مانتی ہو کہ پانی وزنی چیز ہے یا اس میں بھی کچھ کلام ہے؟

حسن آرا: پانی کے وزنی ہونے میں کس کو کلام ہے؟ مجھ سے تو دھیلے والی ٹھلیا بھی نہ اٹھائی جائے۔

محمودہ: خیر، کبھی حوض میں نہائی ہو؟

حسن آرا: سینکڑوں دفعہ۔ ہمارے گھر خود زنان خانے میں بڑا لمبا چوڑا حوض ہے۔ لوہے کا جال پڑا ہے۔ رنگ برنگ کی مچھلیاں پلی ہیں۔

محمودہ: پانی کے اندر کچھ پانی کا بوجھ بدن پر معلوم ہوتا ہے؟

حسن آرا: نہیں تو۔

محمودہ: کیا سبب؟

حسن آرا: کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

محمودہ: سبب یہی کہ اوپر کا پانی داب کرتا ہے اور نیچے کا پانی اوپر کو اچھالتا ہے۔ اس واسطے کہ آدمی کا بدن پانی سے ہلکا ہے۔ پس اوپر کا داب اور نیچے کا اچھال برابر سرابر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اسی پر ہوا کو قیاس کر لو۔ اور دوسری مثال یہ ہے کہ آئینہ تو بڑی نازک چیز ہے۔ استانی جی کے سنگار دان کا آئینہ دیکھا ہے؟

حسن آرا: وہی نہ جس کے بیچوں بیچ دراڑ پڑی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: ہاں وہ دراڑ مجھ ہی سے پڑ گئی ہے۔ میں ایک دن سر میں کنگھی کر رہی تھی۔ بال کی لٹ جو الجھی، میں جھٹک کر لگی سلجھانے۔ کنگھی ہاتھ سے چھوٹ تڑ سے آئینے پر جا لگی۔ دیکھوں تو آئینے میں بال آ گیا۔ خیر ہوئی۔ کنگھی اوڑھنی میں اٹک گئی تھی۔ نہیں تو چکنا چور ہو جاتا۔ اتنی ٹھیس میں تو بال آ گیا۔ اور بھلا اسی آئینے پر تم کھڑی ہو جاؤ تو خبر نہ ہو۔

حسن آرا: عجب ہے!

محمودہ الماری کھول آئینہ نکال لائی اور برابر جگہ میں رکھ کر حسن آرا سے کہا کہ لو، اس پر بسم اللہ کر کے دونوں پاؤں سے کھڑی ہو جاؤ۔

حسن آرا: نہ بوا۔ کہیں ٹوٹ ٹاٹ جائے تو آئینے کا آئینہ غارت ہو پاؤں میں کرچ لگ جائے تو اور آفت ہو۔

محمودہ: احتیاط کی بات تو یہی ہے۔ مگر اس وقت علم کا ایک مسئلہ حل ہوتا ہے۔ لاؤ، میں ہی سینگ کٹے بچھڑوں میں مل جاؤں۔

یہ کہہ کر بے تکلف آئینے پر جا کھڑی ہوئی اور آئینے پر ذرا آنچ نہ آئی۔ حسن آرا تو دیکھ کر حیران رہ گئی اور بار بار آئینے کو ہاتھ میں اٹھا غور سے دیکھا کی۔

محمودہ: خوب دیکھ لیجئے ٹوٹنا کیسا، بال تک بھی نہیں آیا۔ اور کیوں آنے لگا؟ اوپر سے میرا بوجھ، ویسا ہی نیچے سے زمین کا سہارا۔ آئینے کو گزند کیا پہنچتا۔

حسن آرا: اب تو مجھ کو بھی یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کہ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

کشش اتصال

محمودہ: زمین پر کیا منحصر ہے، کل چیزیں ایک دوسری کو کھینچتی ہیں۔

حسن آرا: زمین کا کھینچنا تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پھینکو، زمین پر گرتی ہے مگر یہ کیوں کر دریافت ہوا کہ کل چیزیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں؟

محمودہ: کئی باتوں سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ پانی میں انگلی ڈبوؤ تو پانی کی بوند سرے

پر لٹکتی رہتی ہے۔ اگر انگلی کی کشش نہیں ہے تو بوند گر کیوں نہیں پڑتی ؟ اس کے سوائے ایک اولا تھوڑے پانی میں ڈالیے تو دیکھیے گا کہ پانی الٹا کیوں چڑھتا ہے۔ ایک بات اور بتاؤں۔ کوٹھے پر چلیے۔ میں کچے سوت کا اک باریک سادھاگا لٹکاؤں گی اور اس کو تانے رہوں گی۔ چاہئے کہ سیدھا رہے مگر دیوار کی کشش سے ضرور بیچ میں لچکا ہوا معلوم ہوگا۔ غرض کہ کشش کی قوت خدا تعالیٰ نے ہر چیز میں پیدا کی ہے۔ اور اس خاصیت پر غور کرتے کرتے دانشمندان فرنگ نے ہزاروں باتیں ایسی عجیب عجیب نکالیں کہ جن کو پڑھنے سے عقل کو تیزی اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔

حسن آرا: بھلا اگر سب چیزیں ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہیں تو سب مل جل کر ایک ڈھیر کیوں نہیں بن جاتیں؟

محمودہ: کھینچ تو رہی ہیں، مگر یہ کشش زور کی نہیں ہے، جیسی کہ مقناطیس میں ہوتی ہے۔

مقناطیس

حسن آرا: مقناطیس کیا؟

محمودہ: کیا تم مقناطیس بھی نہیں جانتیں؟ مقناطیس ایک قسم کا لوہا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے

www.iqbalcyberlibrary.net

اس کو پتھر جانتے ہیں اور چمبک پتھر کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس لوہے میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ وہ دوسرے لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور عمدہ اور مفید خاصیت اس میں یہ ہے کہ اگر مقناطیسی لوہے کی سوئی بنائی جائے تو ایک سرا اس سوئی کا ہمیشہ اتر (شمال) کو رہے گا اور دوسرا دکھن کو۔

حسن آرا: یہ سب باتیں آپ سنی ہوئی کہتی ہیں یا دیکھی ہوئی ؟

محمودہ: اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی اور اپنے ہاتھوں آزمائی ہوئی۔ بوا آمنہ، وہ تمہاری لوہے کی مچھلی کہاں ہے جو پانی میں تیرتی ہے اور بچے کو لینے دوڑتی ہے؟

آمنہ: میرے جزدان میں ہے۔ نکال لاؤں؟

آمنہ دوڑی دوڑی جا، وہ مچھلی اور بچہ نکال لائی اور محمودہ نے مچھلی حسن آرا کے ہاتھ میں دی کہ آپ اس کو بخوبی غور سے دیکھ لیجئے۔ نہ کہیں تار ہے، نہ کوئی کل لگی ہے۔ حسن آرا نے مچھلی کو اوپر تلے سے خوب دیکھا۔ پھر آمنہ نے کہا کہ اب مچھلی کو الگ رکھ دو اور اس کے بچے کو دیکھو۔

حسن آرا: اچھی، مچھلی کو الگ کیوں رکھ دوں؟

آمنہ: بوا، بچہ ماں کو دیکھے گا تو پیار کے مارے ماں سے لپٹ جائے گا اور پھر چھڑانا چاہو گی تو رونے لگے گا۔

محمودہ: اچھا آمنہ، ان کو اس کے تیرنے کی سیر تو دکھاؤ۔

آمنہ چینی کے ایک پیالے میں پانی بھر لائی اور مچھلی کو پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ مزے سے تیرنے لگی۔ جب اس کو بچہ دکھاتی وہ اس کی طرف دوڑتی۔ حسن آرا کی عقل دنگ تھی کہ کیا ماجرا ہے۔ اور بار بار پوچھتی، اچھی، اس میں کیا ہے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: کچھ بھی نہیں۔ مچھلی لوہے اور بچہ مقناطیس کا ہے۔ جب بچے کو پاس لاتے دوڑی آتی۔ ابھی دونوں کو ملا دو۔ ایک دوسرے کو چمٹ جائیں گے۔

حسن آرا: یہ تو بڑے اچنبھے کی چیز ہے۔

محمودہ: اب دوسرا اچنبھا دیکھیے ہاجرہ، دیکھنا بوا، وہ کھونٹی میں سامنے استانی جی کی تسبیح لٹک رہی ہے۔ اچھی، ذرا تمہارا ہاتھ لمبا ہے، اتار لینا۔

ہاجرہ تسبیح اتار لائی۔ امام کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیری کا عطردان تھا۔ اس میں قبلہ نما لگا تھا۔ محمودہ نے ڈبیا کھول حسن آرا کو دکھایا کہ دیکھئے لال مرغ دیکھتی ہیں؟ اس کا یہ خاصہ ہے کہ پچھم کو منہ اور پورب کو دم اور داہنا بازو اتر کو اور بایاں دکھن کو رہتا ہے۔ جب جانیں، اس کا رخ پھیر دیجیے۔ حسن آرا نے بہتیرا ڈبیا کو گھمایا، الٹا سیدھا کیا، اصیل مرغے کی ایک ٹانگ۔ جب ذرا ڈبیا سیدھی ہوئی، مرغا جھٹ پچھم کو منہ پھیر، کھڑا ہو گیا۔

حسن آرا: اے ہے! کم بخت کیسا ضدی مرغا ہے! کسی ڈھب مانتا ہی نہیں۔ موئے کے حلق پر چھری

پھیر دو۔ کیوں بوا محمودہ بیگم، آخر یہ سب کھلونے ہی ہیں؟

محمودہ: وہ مچھلی تو کھلونا ہے مگر قبلہ نما کھلونا نہیں ہے۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ جنگل ہو، نئی جگہ، رات ہو، برسات ہو، اس کے ذریعے سے سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ سمندر میں جب جہاز چلتے ہیں تو چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ نہ سڑک ہے، نہ راہ نہ کوئی درخت نہ پہاڑ۔ کچھ نہیں معلوم ہوتا، کدھر جاتے ہیں، کہاں ہیں۔ تو اگلے زمانے میں ناخدا ستاروں کی شناخت سے کام نکالتے تھے۔ لیکن کبھی رات کو بادل ہوتا تو تارے نظر نہ آتے۔ بڑی دقت ہوتی تھی۔ جہاز

www.iqbalcyberlibrary.net

سینکڑوں کوس کہیں سے کہیں چلے جاتے تھے۔ اور آخر تباہ ہو جاتے تھے۔ جب سے مقناطیس کا خاصہ دریافت ہوا، بڑا اطمینان ہو گیا ہے۔ ہے تو ذرا سی سوئی مگر لاکھوں روپے کا کام دیتی ہے۔ کروڑوں روپے کا مال تجارت جو سمندر کی راہ انگریزوں کی ولایت سے آتا جاتا ہے، اسی سوئی کی بدولت ڈوبنے سے بچتا ہے اور لاکھوں آدمی جو سمندر پر سفر کرتے ہیں، بے خوف وخطر آتے جاتے ہیں۔ ہاں تو زمین کا چیزوں کو کھینچنا یا چیزوں کا آپس میں ایک دوسری کو کھینچنا، ایسے زور سے نہیں ہوتا جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔

زمین گول ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے

مگر کیا خدا کی قدرت ہے کہ اسی کی کشش کی وجہ سے زمین گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔

حسن آرا: زمین گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے؟

محمودہ: جی ہاں۔ گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔

حسن آرا: تم تو غضب ڈھانے اور دنیا جہان کو اندھا بنانے لگیں۔

محمودہ: کیوں؟ کیا کچھ غلط کہتی ہوں؟

حسن آرا: اب کہوں گی تو برا مانو گی۔ ایک زبان کا ڈنڈا خدا نے حوالے کر دیا ہے، چاہو زمین کو گیند بناؤ، لڑھکاؤ، جو چاہو سو کرو۔ اور جو کہیں سچ مچ زمین گیند بن کر لڑھکنے لگے تو ایک ہی پلٹے میں بیوی صاحب کا جھوٹ سچ سب نکل جائے۔

محمودہ: بھلا زمین کا گول ہونا اور لڑھکنا اور آفتاب کے گرد چکر کھانا ثابت ہو جائے تو تب مانئے گا؟

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: میں تو کچھ باؤلی نہیں ہوئی۔ تمام زمانہ بھی اس کا قائل ہو جائے تو بندی ماننے والی نہیں۔ مجھ سے تو آنکھوں پر ٹھیکری نہیں رکھی جاتی۔ صریحاً دیکھ رہی ہوں۔ اچھی خاصی طرح زمین چوڑی چکلی نظر آ رہی ہے۔ پھر ناحق گول کیوں سمجھ لوں؟

محمودہ: پس اسی واسطے آپ زمین کو گول نہیں سمجھتیں نا کہ آنکھ سے چوڑی چکلی نظر آ رہی ہے۔

حسن آرا: دنیا میں آنکھوں دیکھی بات کا سب سے بڑھ کر اعتبار ہے مگر آپ اس کو بھی جھٹلا دیتی ہیں۔ دو چار باتوں میں جو آپ نے مجھ کو قائل کر دیا تو کیا مجھ کو ایسا بے وقوف بنا لیا ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتی؟

محمودہ: بھلا اگر آنکھ غلطی کرتی ہو؟

حسن آرا: میری یا سب کی؟

محمودہ: سب کی۔

حسن آرا: تو مجھ کو اس سرمے کا نسخہ معلوم نہیں کہ لگاتے ہی زمین گول نظر آنے لگے۔

محمودہ: وہ نسخہ میں آپ کو بتاؤں گی۔ بوا زبیدہ، ذرا وہ خردبین شیشہ تو استانی جی سے میرا نام لے کر مانگ لاؤ۔ دیکھنا ذرا سنبھال کر لانا۔

خردبین

زبیدہ خردبین لے آئی۔

محمودہ: لیجیے، ذرا اس شیشے کو تو دیکھیے۔

حسن آرا: یہی شیشہ ہے جس میں زمین گول دکھائی دیتی ہے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ:	نہیں۔ زمین تو گول نہیں دکھائی دیتی مگر اور بہت سے تماشے نظر آتے ہیں۔ حسن آرا نے دیکھا تو بولی "اے ہے! یہ سر کے بال ایسے لاؤ کی برابر موٹے! اچھی، دیکھنا، معلوم ہوتا ہے کہ بال بیچ میں نے کی طرح کھوکھلا کھوکھلا ہے۔"

محمودہ:	ہاں، میں نے دیکھا ہے۔ اندر سے بال کھوکھلا ہوتا ہے۔

حسن آرا:	یہ لو۔ اور سیر دیکھو۔ بدن کے رونگٹے رونگٹے میں چھید۔ مکھی کو تو دیکھو۔ ہزاروں لاکھوں آنکھیں اور پروں میں اتنے رنگ۔ افو! ہوا میں اتنے بھنگے! اللہ اکبر! پانی میں یہ بلا کے کیڑے! یہ عجیب طلسمات کا شیشہ ہے؟

محمودہ:	اسی شیشے سے تو آنکھ کی کوتاہی ثابت ہوتی ہے۔

حسن آرا:	آنکھ کی کوتاہی کیا ثابت ہوتی ہے؟ خدا جانے اس میں کیا بلا بھری ہے۔ کچھ جادو کا شیشہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک سفید شیشے کا سہ پہل ٹکڑا میرے پاس بھی ہے۔ اس میں اور ہی خواص ہیں۔ جس چیز کو دیکھو، ہے تو سفید مگر اس میں دیکھنے سے گوٹ کی طرح نیلی، ہری، لال دھاریاں نظر آتی ہیں۔

محمودہ:	وہ تمہارا سہ پہل شیشہ بھی سچا ہے۔ ایک کتاب میں، میں نے رنگوں کا تھوڑا سا بیان پڑھا ہے۔

رنگ

اس میں لکھا ہے کہ دنیا میں بہت سے رنگ ہیں۔ مگر اصل رنگ تین ہیں۔ زرد، سیاہ، سرخ۔ اور باقی سب رنگ انہی رنگوں سے بنتے ہیں۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ کوئی رنگ نہ ہو تو سفید کہا جاتا ہے۔ لیکن عقلمندوں نے جو چھان بین کی تو یہ دریافت ہوا کہ سب رنگ مل کر سفید بنتا ہے۔ اور

www.iqbalcyberlibrary.net

اگر چہ اس بات کی دلیلیں ہیں مگر سر پہل شیشے میں آنکھوں سے دیکھ لیا۔ برسات میں جو ایک رنگین کمان آسمان میں نکلا کرتی ہے، اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ہوا میں پانی کی بہت ننھی ننھی بوندیں رہ جاتی ہیں۔ جب آفتاب سامنے آتا ہے تو اس کی شعاع بوندوں میں رنگین نظر آنے لگتی ہے۔ ایک مرتبہ میں سر دھو کر اٹھی۔ بال نم تھے۔ میں نے ہاتھ سے جھٹکے۔ بوندیں جو اڑیں تو عجب عجب رنگ دکھائی دینے لگے۔ میں اس تماشے میں ایسی محو ہوئی کہ جب تک بالوں میں ذرا نمی رہی، بالوں کو برابر جھٹکتی رہی۔ کہیں استانی جی کی نظر جو پڑ گئی، بولیں ''اے محمودہ، آج کیا ہے کہ برابر نگوڑے بالوں کو جھٹکے جاتی ہو۔ روکھے بال ہیں، نوکیں ٹوٹ جائیں گی'' تب میں نے استانی جی سے بیان کیا کہ میں یہ نئی سیر دیکھ رہی ہوں۔ اس کا سبب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ استانی جی نے الماری میں سے ایک کتاب نکال مجھ کو رنگوں کا بیان دکھا دیا کہ اس کو پڑھ لو اور جہاں سمجھ میں نہ آئے، پوچھ لو۔

حسن آرا: کیا بتاؤں۔ میری تو سدھ بدھ یہاں آ کر کچھ جاتی سی رہی ہے۔ جو بات سنتی ہوں، مجھ کو اچنبھا ہوتا ہے اور اپنے جی ہی جی میں کہتی ہوں کہ میں نے دنیا میں آ کر کیا دیکھا اور کیا سیکھا۔ خیر زمین گول ہونا تو ثابت کیجئے۔ وہ بات ہی رہی جاتی ہے۔

محمودہ: ہاں، خردبین سے ہم کو اپنی نظر کا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دو باتیں میں اور بھی کہوں گی۔ ایک یہ کہ تم تو اپنے تئیں بڑی جہانیاں جہاں گشت جانتی ہو۔ سلطان جی، قطب صاحب، میرٹھ، پانی پت، نہیں معلوم کہاں کہاں کہتی تھیں کہ گئی ہوں۔

حسن آرا: ہاں، خدا رکھے جہانیاں جہاں گشت تو ہوں۔ تھوڑا ملک میں نے دیکھا ہے۔ باہر میدان میں صاف نظر آتا تھا کہ تھوڑی دور چل کر زمین آسمان کے کنارے سے مل گئی ہے۔ مجھ کو

www.iqbalcyberlibrary.net

کیا، سب کو ایسا ہی دکھائی دیا کہ آسمان سرپوش کی طرح زمین پر ڈھکا ہوا ہے۔ میں تو جانتی ہوں کہ کوئی شہر میرے دیکھنے سے نہیں چھوٹا۔

محمودہ: کیوں جھوٹ بولتی ہو، بھلا جھجھر اپنی سسرال گئی ہو؟

حسن آرا نے جھجھر کا نام سن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بولی کہ نگوڑے گاؤں، نہ جاڑے میں دھوپ نہ گرمی میں چھاؤں، کا کیا نام لینا تھا۔ نوج! میں وہاں کیوں جانے لگی؟

محمودہ: بھلا تم پانی پت اور میرٹھ کس سواری میں گئی ہو؟

حسن آرا: پالکی گاڑی کی ڈاک تھی۔

محمودہ: راہ میں تم نے ادھر ادھر تو ضرور دیکھا ہو گا؟

حسن آرا: دیکھتی تو سہی، مگر ذرا کی ذرا پیک تھوکنے کو منہ نکالا تھا۔ دیکھتی کیا ہوں کہ سر سر زمین پاؤں کے تلے نکلی چلی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ کو ایک چکر سا آنے لگا۔ جھٹ میں نے منہ اندر کر لیا۔

متحرک چیزوں میں آنکھ کا غلطی کرنا

محمودہ: یاد رکھیے کہ یہ آنکھوں کی دوسری غلطی ہے۔ چلنے تو گاڑی اور نظر آئے کہ زمین چل رہی ہے۔

بھلا دوسری بات اور پوچھوں کہ پھٹے ہوئے بادل میں چاند کو بھی بھاگتے ہوئے دیکھا ہے؟

حسن آرا: سینکڑوں دفعہ۔ ہم تو ہمیشہ چاندنی رات میں چندا ماموں سے کھیلا کرتے ہیں۔

محمودہ: کیا تم سمجھتی ہو کہ چاند اتنی جلدی بھاگتا ہے؟

حسن آرا: اور کیا؟

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: بھلا جب بادل نہیں ہوتا تب چاند اس طرح بھاگتا ہوا کیوں نہیں نظر آتا؟ اگر حقیقت میں چاند چلتا ہو تو کھلی راتوں میں اس کا چلنا اور بھی صاف دکھائی دیتا۔

حسن آرا: کچھ سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

محمودہ: میں بتا دوں کہ یہ بھی آنکھ کی ایک غلطی ہے۔ ہوا بادل کو اڑائے لیے جاتی ہے اور بادل چل رہا ہے۔ ہم کو ایسا نظر آتا ہے گویا چاند بھاگ رہا ہے۔

زمین کے گول ہونے کی دلیل

حسن آرا: بھلا ان باتوں سے زمین کا گول ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

محمودہ: ابھی نہیں، ذرا صبر کرو۔ ایک بات اور بتاؤ کہ جب تم قطب صاحب گئی تھیں تو لاٹ تم کو کتنی دور سے نظر آنی شروع ہوئی تھی؟

حسن آرا: اجی پرانی دہلی کے باہر نکلو اور لاٹ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اگر درختوں اور مکانوں کی آڑ نہ ہو تو لاٹ اللہ اکبر! اتنی اونچی ہے کہ شاید اس کی چوٹی یہاں سے بھی دکھائی دے تو کچھ اچنبھا نہیں۔

محمودہ: صرف چوٹی؟

حسن آرا: اور کیا اب آپ چاہتی ہیں کہ گھر بیٹھے ساری لاٹ دیکھ لوں؟

محمودہ: نہ دیکھ لینے کا سبب؟

حسن آرا: سبب یہی دوری اور کیا؟

محمودہ: دوری کی وجہ سے لاٹ بلا سے چھوٹی دکھائی دے مگر ساری دکھائی تو دے۔ اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے صرف چوٹی دکھائی دیتی ہے؟ اس کا نیچے کا دھڑ کہاں غائب ہو جاتا ہے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: کسی چیز مثلاً درخت وغیرہ کی آڑ پڑتی ہوگی۔

محمودہ: آڑ تو پڑتی ہے۔مگر درخت کی آڑ ہوتی تو درخت تو نظر آتا۔میں بھی تو قطب صاحب چھ سات مرتبے سے کم نہیں گئی۔ ہمایوں کے مقبرے سے آگے اچھا خاصا کف دست میدان پڑا ہے اور ناک کی سیدھ عین لاٹ کی جڑ میں سڑک لگی ہے۔اور لاٹ پر کیا موقوف ہے۔ یوں سڑک پر دور کے بہت سے درخت صاف سامنے نظر آتے ہیں جن کے بیچ میں کچھ بھی آڑ نہیں۔مگر پھر بھی پہلے وہی اوپر کی ٹہنیاں نظر آتی ہیں اور جوں جوں پاس جاؤ، رفتہ رفتہ نگاہ نیچے تک پہنچتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سارا درخت چوٹی سے جڑ تک نظر آنے لگتا ہے۔(حسن آرا محمودہ کا یہ اعتراض سن کر بغلیں جھانکنے لگی)

محمودہ: اس کا سبب عرض کروں؟

حسن آرا: فرمایئے۔

محمودہ: وہی زمین کی گولائی کی آڑ۔

یہ کہہ کر محمودہ نے حسن آرا کو پانی کے مٹکے کے پاس لے جا گولائی کا آڑ کرنا اور لوگوں کو زمین کے گرداگرد گھوم آنا بخوبی سمجھا دیا۔

حسن آرا: زمین کے گول ہونے کی یہی ایک دلیل ہے؟

محمودہ: نہیں، اور بہت دلیلیں ہیں۔لیکن ابھی آپ کو ان کا سمجھنا مشکل ہے۔مگر جب آپ کی معلومات زیادہ ہو جائیں گی تو میں زمین کے گول ہونے کی سب دلیلیں ضرور آپ سے بیان کروں گی۔

حسن آرا: اچھا اگر زمین گول ہے تو ہم لوگ اس پر سے پھسل کیوں نہیں پڑتے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: گول تو ضرور ہے مگر ذرا اس کو بھی سمجھ لیجئے کہ گول چیز جس قدر چھوٹی، اسی قدر اس میں گولائی زیادہ۔ مثلاً رائی کا دانہ، چنے کا دانہ، بیر، آڑو، انڈا، آب خورہ، ٹھلیا، مٹکا، گنبد، گول تو سب ہیں مگر چھوٹی چیز کی گولائی فوراً ظاہر ہو جاتی ہے۔ بیر میں سے ناخن برابر چھلکا بھی لو تو گول ہو گا اور بڑے مٹکے میں سے آپ کے ایک بالشت برابر ٹھیکرا توڑ لیا جائے تو سپاٹ کھپرا معلوم ہو گا۔ بھلا ایک اچھا گول بیر انڈے پر رکھنا چاہو تو لاکھ حکمت کرو، ہاتھ ہٹایا اور گرا۔ لیکن مٹکے پر جس جگہ چاہو دس پندرہ بیر رکھ دو۔ جب مٹکے کا یہ حال ہے تو گنبد کا اس سے زیادہ۔ زمین تو ان مٹکوں اور گنبدوں کے آگے خدا جانے کتنے کروڑ، کتنے لاکھ دفعہ بڑی ہے اور جب کشش زمین ہم کو تھام رہی ہے تو ہم گر جائیں تو کہاں جائیں؟ زمین کی بڑائی کی اٹکل کرا دینا آسان نہیں ہے مگر یوں سمجھئے کہ یہ ہمارے گھر کی انگنائی آپ دیکھتی ہیں، کیسی لمبی چوڑی ہے؟

حسن آرا: انگنائی ہے کہ شیطان کی آنت ہے۔ کم بخت اس سرے سے اس سرے تک جاؤں تو ٹانگیں ٹوٹ پڑیں۔ بھلا اتنا میدان کیوں چھوڑ رکھا ہو گا۔ صحن کیا ہے، جنگل معلوم ہوتا ہے۔

محمودہ: بیچ میں بارہ دری بننے والی ہے۔ اسی کی جگہ چھوڑی ہوئی ہے۔ بھلا خیر، اس دالان سے ڈیوڑھی تک کتنا فاصلہ ہو گا؟

حسن آرا: مجھ کو نہیں معلوم۔

محمودہ: اٹکل سے۔

حسن آرا: کوئی بیس اور بیس اور بیس۔ اے ہے! خدا جانے کے بیسی گز ہو گا۔

محمودہ: پورا پچاس گز ہے۔

حسن آرا: پچاس گز کتنے ہوتے ہیں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: بیس اور بیس اور دس۔

حسن آرا: اوفوہ! بڑا لمبا صحن ہے۔

محمودہ: بھلا کتنے پھیرے آپ صحن کے اس سرے سے اس سرے تک لگا سکتی ہیں؟

حسن آرا: کتنے پھیرے؟ اجی ایک بھی ہو جائے تو بہت ہے۔

محمودہ: بس اتنا ہی زور ہے؟

حسن آرا: ہاں، میری ٹانگوں میں اتنا ہی بوتا ہے۔ کچھ خدا نہ کرے میں کہاری تھوڑی ہی ہوں۔ میں تو خاصی امیر زادی ہوں۔ اور امیر زادیوں بس اپنے پاؤں سے اتنا ہی چلا کرتی ہیں۔ جس دن استانی جی عین سامنے بیٹھی ہوتی ہیں، لحاظ کے مارے چبوترے کے پاس دایہ کی گود سے اتر پڑتی ہوں۔ مگر دالان تک پہنچتے پہنچتے دم ہی تو چڑھ جاتا ہے۔ اور کبھی استانی جی سامنے نہیں ہوتیں یا نیچی آنکھ کیے ہوئے کسی کو پڑھاتی ہوتی ہیں تو میں دایہ کو بیچ دالان اپنی جگہ پر لا کر چھوڑتی ہوں۔

محمودہ: اگر اپاہج ہونا بھی امیری کا ہنر تو شاباش! آپ بڑا اچھا کام کرتی ہیں۔ مگر میں انشاء اللہ ایک دم سے سو پھیرے کر جاؤں اور نہ دم چڑھے اور نہ ٹانگیں دکھیں۔

حسن آرا: منہ سے یا ٹانگوں سے؟

محمودہ: اجی، انہی ٹانگوں سے۔ اور آپ کو یقین نہ ہو تو چلیے، استانی جی سے پوچھوا دوں۔

جسمانی ریاضت اور ایام غدر کی ایک حکایت میں اس کے فائدوں کا بیان

استانی جی کا تو بارھوں مہینے کا معمول ہے کہ کوئی چار گھڑی رات رہے اٹھیں، تہجد کی نماز پڑھی۔ اس میں کوئی دو گھڑی کا تڑکا ہو آیا۔ اس وقت سے برابر اسی صحن میں ٹہلا کرتی ہیں اور منزل پڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جھٹپٹا ہونے آیا۔ نماز پڑھی معمولی وظیفہ کبھی پڑھ چکتی ہیں، کبھی پڑھتی ہوتی

www.iqbalcyberlibrary.net

ہیں کہ میں جاگتی ہوں۔ پچھلی گرمیوں میں ایک رات یوں ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو استانی جی ٹہل رہی ہیں۔ میرا جاگ اٹھنا جوان کو معلوم ہو گیا تو کہا: ''محمودہ اب سویرا ہے۔ مت سوؤ۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ آؤ، دیکھو تو، آخر شب چاندنی میں کیا لطف ہے۔ ستارے اس طرح ٹمٹمارہے ہیں کہ گویا رات بھر کے جاگے ہیں اور اب صبح ہوتے ہی اونگھتے ہیں۔ کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے کہ طبیعت باغ باغ ہوئی جاتی ہے۔ پھول جو کھلے ہیں تو بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے۔ جانور میٹھی میٹھی آوازوں میں خدا کی حمد گا رہے ہیں۔ نور ظہور کی گھڑی اور برکت کا وقت ہے۔ پورب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ صبح کا نور کیسا دل کو لبھاتا ہے۔''

جھٹ پٹ اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ منہ دھو استانی جی کے ساتھ ٹہلنے لگی۔ میں نے اس دن خوب دھیان لگا کر گنا تھا تو کوئی اسی یا تم یوں سمجھو کہ چار بیسی پھیرے انگنائی میں ہو گئے تھے۔ میں نے استانی جی سے پوچھا کہ آپ اس قدر سویرے اٹھ کر کیوں ٹہلا کرتی ہیں تو فرمایا کہ دن رات میں اس سے بہتر فرصت کا کوئی وقت نہیں۔ اور ٹہلنے سے میرا اصلی مطلب یہ ہے کہ انسانی حفظ صحت کے لیے تھوڑی بہت بدنی محنت اور جسمانی ریاضت بھی چاہیے۔ تم دیکھتی ہو کہ خدا کے فضل سے میں کمتر بیمار پڑتی ہوں۔

اس کا ظاہری سامان میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ ہر روز اتنا ٹہل لیتی ہوں کہ خاصی طرح بدن میں عرق آجاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس عادت کا ایک خاص فائدہ بھی میں دیکھ چکی ہوں۔ غدر میں جب سارا شہر بھاگ نکلا تھا، ہم اس امید پر پڑے رہ گئے تھے کہ ابا جان جس رئیس کے نوکر ہیں، وہ سرکار کا بڑا خیر خواہ تھا۔ خود اس کے اپنے بیٹے اور پوتے سرکاری فوج کے ساتھ لڑائی پر تھے۔ رئیس کی معرفت ابا جان نے سرکار سے یہ اقرار کرا لیا تھا کہ جب دہلی فتح ہو تو سرکاری فوج کا کوئی آدمی

www.iqbalcyberlibrary.net

ہم لوگوں کو نہ ستائے۔ جب شہر میں بھاگڑ مچی، محلے والوں نے بہتیرا ہم لوگوں سے کہا کہ شہر میں رہ کر کیوں مفت میں جان گنواتے ہو، مگر ہم لوگ اس وعدے کے آسرے پر گھر سے نہ نکلے۔ لوگوں سے تو ڈر کے مارے یہ حال ظاہر نہ کیا مگر جی ہی میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کس دن دہلی فتح ہو اور ہم لوگ آرام سے بیٹھیں۔

خدا کا کرنا، جس دن دہلی پر پہلا دھاوا ہوا، اے ہے خدا دشمن کو بھی وہ دن نہ دکھاوے، ایک قیامت برپا تھی۔ دن بھر گولیوں کا مینہ برستا رہا اور گولے خدا کی پناہ! کان بہرے ہو ہو جاتے تھے۔ زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ شام ہونے آئی تو نہر کے پرلے پار تک انگریز آ گئے تھے اور عین ہمارے اس دیوار کے نیچے گلی کے نکڑ پر موئے تلنگوں نے توپ لگا رکھی تھی۔ کس کو امید تھی کہ زندوں کو صبح ہوگی۔ جان سے ہاتھ دھو کر تہہ خانوں میں چپ بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ کس کا کھانا اور کس کا پکانا۔ ایک ایک کا منہ تکتا تھا۔

کوئی پہر رات گئے کسی مردوے کی آواز آئی۔ ابا جان کا نام لے لے کر پکارتا تھا۔ ڈر کے مارے جواب کون دے! آخر میں نے بھائی جان سے کہا: "خدا کے لیے انگنائی میں نکل کر خبر تو لو۔ کون وقت ہوا یہ آدمی برابر چلا رہا ہے۔ شاید سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہو اور ہماری حفاظت کے لیے آیا ہو۔" غرض بھائی جان باہر نکلے اور کوٹھے پر چڑھ کر آواز کی آہٹ لی۔ اس وقت لڑائی بھی بند تھی۔ وہ مردوا سڑک پر تھا۔ بھائی جان نے اس کو کوٹھے کے نیچے بلایا اور حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو کپتان صاحب نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم نے ہر چند چاہا کہ آپ کے مکان کی حفاظت ہو مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی۔ باغیوں نے شہر خالی نہیں کیا۔ نہر کے ادھر وہ لوگ ہیں اور نہر تک ہماری عملداری ہے۔ رات کے دو بجے ہم لوگ باغیوں پر حملہ کریں گے۔ آپ کا مکان عین

www.iqbalcyberlibrary.net

زد میں ہے۔ حملے کے وقت سے پہلے پہلے تم لوگ اپنی جانیں لے کر نکل جاؤ۔ جب سلطنت بیٹھے گی، دیکھا جائے گا۔ اس خبر کے سنتے ہی سب کو سناٹا ہو گیا۔ کسی نے کہا، جہاں پڑے ہو، پڑے رہو۔ آخر یوں بھی مرنا، دوں بھی مرنا۔ بے فائدہ عورتوں کو بازار میں لئے پھرنا کیا حاصل۔ ایک آدھ احمق یہ بھی کہنے لگے کہ آؤ عورتوں پر ہم ہی ہاتھ صاف کریں۔ پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا۔

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس گفت وشنید میں آدھی رات گزری۔ بھائی جان نے دیکھا کہ وقت نکلا جاتا ہے اور لڑائی شروع ہونے میں کچھ دیر نہیں، تب تو وہ ذرا کڑے ہو کر بولے یہ سب کہنے کی باتیں ہیں اور نرے نامردی کے خیالات ہیں۔ جان کا بچانا فرض ہے۔ جہاں تک ہو سکے، بھاگنا چاہیے۔ اور یوں قضا کا کچھ علاج نہیں۔ یہ کہہ کر مجھ سے کہا: ''اٹھ لڑکی، تو تو چل۔ یہ لوگ جانیں اور ان کا کام جانے۔''

میں پہلے ہی سے بھاگنا بھاگنا کر رہی تھی۔ چلنے کا نام سنتے ہی میں نے اپنا تمام زیور اپنے ہاتھوں نکال، انگنائی میں پھینکا اور دالان کو چاندنی میں سے دو پاٹ پھاڑ دوپٹہ بنایا اور کہا کہ لو صاحب، میں تو چلی۔ میرا چلنا تھا کہ سارا کنبہ پیچھے ہو لیا۔ اس رات تم ہوتیں تو ان کم بخت عورتوں کی سیر دیکھتیں۔ ایک صاحبہ ہیں کہ تمام دھن دولت تو گھر چھوڑا، پان کھانے کی پٹاری لادے لیے چلی جاتی ہیں۔ کسی کی جوتی پاؤں میں سے نکل نکل کر پڑتی تھی۔ کسی کا ازار بند پاؤں میں الجھتا تھا۔ اس دن جس کے بڑے پائنچے تھے، اسی کو چلنے کی بڑی مصیبت تھی۔ بھائی جان اس وقت بھی چھیڑتے تھے کہ کم بختو، اور نین سکھ کے تھان کے دو پائجامے بناؤ۔ لاہور کے ریشمی ازار بندوں میں پیٹیاں لگا لگا کر اور بڑا کرو۔ ہنسی کی ہنسی، مصیبت کی مصیبت ۔۔۔۔ ان بے چاروں کو بازاروں میں چلنے کا کاہے کو اتفاق ہوا تھا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

گو رات تھی اور یوں بھی راستہ نہیں چلتا تھا مگر من من بھر کے پاؤں تھے ۔ دو قدم چلیں اور گریں ۔ خدا خدا کر کے صبح ہوتے ہوتے کاغذی محلے تک پہنچے ۔ یہاں کیا ٹھکانا تھا ۔ انگریز کہتے تھے کہ قلعہ لیں تو آج لے لیں ۔ جوں ہی پن چکیوں کے برابر آئے ، دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں گورے اور سکھ قطار باندھے چلے آتے ہیں ۔ دیکھتے کے ساتھ دم ہی تو فنا ہو گیا ۔ مٹھائی کے پل کی طرف پھر بھاگے ۔ بے چاری عورتوں کا برا حال تھا ۔ ایک بیوی تو سڑک پر لیٹ گئیں کہ مجھ سے تو آگے نہیں چلا جاتا ۔ خدا کے لیے مجھ کو یہیں رہنے دو ۔ تھوڑی دور میں نے ان کو چڑھی چڑھایا ۔ اتنے میں دو تین اور گریں ۔ اب کس کو کون کندھے چڑھائے ! اپنی ہی جان بھاری تھی ۔ بھائی جان نے کہا کہ لوگو ! خدا کے لیے دل مضبوط کر کے ذرا پھول کی منڈی تک تو چلو ۔ وہاں ممکن ہو گا تو کچھ سواری کا بندوبست کیا جائے گا ۔ بہزار دقت کوئی پہر دن چڑھے تک پھول کی منڈی پہنچے ۔ سواری یہاں کیا رکھی تھی ۔ باہر سے گدھوں پر اناج آیا تھا ۔ گدھے والا اپنے گدھے باہر لیے جاتا تھا ۔ اس سے بھائی جان نے بہت گڑگڑا کر کہا " بھائی میاں ، ذرا شہر کے دروازے تک ان عورتوں کو بٹھا لو ۔ جو کہو سو دیں گے ۔ "

گدھے والا :	اجی میاں جی ، انگریز قلعے میں پہنچ گئے ہیں ۔ کم بختی کا مارا رات کو نہ جا سکا ۔ اب دیکھیے کیسا بچتا ہوں ۔ گدھے لو اور جس قدر چاہو لد لو اور ہانک لاؤ ۔ مجھ کو دروازے کے باہر گدھے حوالے کر دینا ۔

غرض کہ چار گدھے بھائی جان نے روک لیے اور کہا کہ لو صاحب ، جو تھک گیا ہو ، اس پر بیٹھ لے ۔ دیر کرنا غضب ہے ۔ پہلے تو گدھے کی سواری کا نام سن کر سب نے تامل کیا مگر کرتیں کیا ، مجبوراً گدھوں پر سوار ہونا پڑا ۔ مجھ سے بھائی جان نے کہا کہ لڑکی ، تو بہت تھک گئی ہے ، بیٹھ لے ۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میں نے کہا کہ میں ابھی مطلق نہیں تھکی اور ایسے ایسے دس حصے پا پیادہ چل سکتی ہوں۔

بھائی جان: آخر چڑھنا پڑے گا۔ تمہارا خیال ہے کہ شاید شہر میں چل کر ٹھہریں گے۔ ہرگز نہیں۔ عرب کی سرائے سے ادھر کہیں ٹھکانا نہیں۔

میں نے کہا انشاء اللہ میں سرائے تک بخوبی چلی جاؤں گی۔ غرض مجھ کو تو خدا نے اس فضیحت سے بچالیا اور بیویاں چڑھی پر چڑھیں۔ آج تک ان کی ہنسی ہوتی ہے۔

حسن آرا: اجی غدر بھی اک آفت ناگہانی تھی۔ سو بیت گئی۔ کہیں خدانخواستہ ہر روز غدر ہو رہا ہے کہ کم بخت عورتیں اس کے واسطے دوڑنے کی عادت اور بھاگنے کی مہارت کریں؟

محمودہ: بات میں بات میں نے بیان کی۔ میرا بھی یہ مطلب نہیں کہ عورتیں گھروں میں گھڑ دوڑ کیا کریں۔ مگر اتنی آلکسی بھی ٹھیک نہیں کہ ڈیوڑھی تک جائیں تو ہانپنے لگیں، کوٹھے پر چڑھیں تو سانس پیٹ میں نہ سمائے۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں تو پھرتی رکھنی چاہیے۔

حسن آرا: خیر، اب وہ زمین کا گول ہونا تو ثابت کیجیے۔ کیا آپ اس بات کو ٹالنا چاہتی ہیں؟

محمودہ: ہاں تو یہ انگنائی پچاس گز لمبی ہے۔ اس سرے سے اس سرے تک تیس یعنی پانچ کم دو بیسی

پھیرے کرو تو ایک میل ہو، اور دو میل کا ایک کوس ہوتا ہے۔

حسن آرا: اوہ! اتنا بڑا میل اور اتنا بڑا کوس ہوتا ہے؟

محمودہ: اب قطب صاحب کی لاٹ کو فرمائیے کہ کتنے ہزار کوس لمبی ہے؟

حسن آرا: میں تو جانتی ہوں کہ اس حساب سے پوری میل بھر بھی لمبی نہ ہو گی۔

محمودہ: بے شک، میل کیسا میل کا دوسرا حصہ بھی نہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

زمین کی جسامت، ہیئت اور تقسیم

اور زمین بتاؤں میلوں کے حساب کتنی بڑی ہے؟ چوبیس ہزار میل اس کا دور ہے۔ مردوں میں بارہ کوس کی منزل مقرر ہے۔ یعنی مرد لوگ جو سفر کرتے ہیں تو بارہ کوس روز چلے جاتے ہیں اور واقع میں آرام کے ساتھ سفر کیا جائے تو بارہ کوس دن بھر کے چلنے کو بہت ہے۔ اس حساب سے اگر کوئی آدمی ناک کی سیدھ چلنا شروع کرے تو پانچ برس میں جہاں سے چلا تھا، وہیں آ کھڑا ہوگا اور اس کا صرف ایک پھیرا پورا ہوگا۔

حسن آرا: اللہ اکبر! اب جو میں خیال کرتی ہوں تو زمین ہی بڑی ہے۔ بھلا تم نے کیوں کر جانا کہ چوبیس ہزار میل کا دور ہے؟

محمودہ: کتابوں سے جانا۔ ہمت والے لوگوں نے محنت اٹھا کر برسوں سفر کیا اور تمام دور ناپ ڈالا۔

خشکی کی راہ تو سیدھا چلنا مشکل ہے۔ کہیں بڑے بڑے دو دو تین تین کوس کے اونچے مہینوں کی چڑھائی کے دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ کہیں سینکڑوں کوس کے جنگل ہیں جن میں نہ کہیں ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے نہ پانی کا آسرا نہ سڑک۔ مگر سمندر سمندر جہازوں پر لوگوں نے سفر کیا ہے اور قطب نما کے سہارے سے سیدھ لگائے چلے گئے اور آخر کو وہیں آ موجود ہوئے جہاں سے چلے تھے۔ کیا اب بھی زمین کے گول ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے؟

حسن آرا: دو دو تین تین کوس اونچے مہینوں کی چڑھائی کے پہاڑ ہیں تو زمین گول کہاں رہی؟

محمودہ: ہاں، زمین ایسی گول نہیں جیسی ڈھلی ہوئی گولی ہوتی ہے۔ ٹھیک نارنگی کی طرح گول ہے۔ اتر دکھن دونوں سرے پچکے ہوئے اور جیسے نارنگی کے چھلکے پر پھنسیاں ابھری ہوئی ہیں

www.iqbalcyberlibrary.net

اسی طرح زمین پر یہ پہاڑ ہیں۔ جو شخص پہاڑوں کو دیکھ کر زمین کے گول ہونے میں شک کرے اس کو زمین کی بڑائی کا ٹھیک تصور نہیں۔ ایک مٹکے پر ایک رائی کا دانہ رکھ دو تو اس کی گولائی میں کیا فرق آ جائے گا؟

حسن آرا: زمین کو تو میں پہلے سے بڑی جانتی ہوں، مگر ٹھیک اندازہ معلوم نہ تھا۔

محمودہ: تم خاک بھی بڑی نہیں جانتی تھی۔ ایک میرٹھ اور پانی پت کیا گئیں کہ آپ نے سمجھا تمام روئے زمین کی سیر کر لی۔

حسن آرا: زمین اتنی بڑی ہے تو ہزاروں لاکھوں شہر اس پر بسے ہوں گے۔

محمودہ: بے شک۔ مگر اس سے یہ مت سمجھو کہ تمام روئے زمین پر آبادی ہے۔ تین حصے تو سمندر ہے، ایک حصہ جو کھلا ہے، اسی میں کل نوے کروڑ آدمی بھی جا بجا بسے ہیں اور جنگل، پہاڑ، دریا بھی ہیں۔

تمدن کی وجہ

حسن آرا: سب لوگ مل کر ایک جگہ کیوں نہیں رہتے؟ ایک بڑا شہر بسا لیں اور سب اسی میں رہیں تو بڑا مزا ہو۔

محمودہ: مزہ کیا خاک ہو؟ سب بھوکے مرنے لگیں۔

حسن آرا: کیوں؟

محمودہ: کھانے کا اناج میدان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سبب سے لوگ دنیا میں الگ الگ بسے ہیں۔

ہر ایک بستی کے آس پاس کچھ میدان جوتنے اور بونے اور اناج پیدا کرنے کے واسطے لگا رکھتے

www.iqbalcyberlibrary.net

ہیں۔ سب ایک جگہ بسیں تو ہزاروں کوس کا لمبا چوڑا شہر ہو جائے۔ جو تنے بونے کہاں جائیں؟ اس واسطے ہمیشہ تھوڑے تھوڑے بہت بہت آدمی مل کر رہتے ہیں۔ جہاں تھوڑے آدمی بسے ہوں، وہ گاؤں ہے۔ اس سے بڑھ کر قصبہ۔ اس سے بڑھ کر شہر۔ اس سے بڑھ کر ملک اور ولایت۔ بعضے گاؤں چار چار پانچ پانچ گھر کے بھی ہوتے ہیں اور بڑے شہروں میں تو لاکھوں آدمی ہوتے ہیں۔

حسن آرا: جہاں صرف چار چار پانچ گھر ہیں، لوگ کیوں کر گزر کرتے ہوں گے؟

محمودہ: ہم سب سے بہتر طور پر گزر کرتے ہیں۔

حسن آرا: کیا خاک گزر کرتے ہوں گے؟ نہ حلوائی نہ عطار نہ گندھی نہ منھیار نہ بزاز نہ کوئی نہ کوئی۔

محمودہ: یہ چیزیں امیرانہ زندگی کے لایعنی تکلفّات اور شیخی اور نمود اور ڈینگ کے بیہودہ سامان ہیں۔

ان کو داخل ضروریات زندگی کون کہتا ہے۔ خوب غور کر دیکھا۔ پیٹ بھر لینے کو دال دلیا کچھ غذا چاہئے اور تن بدن ڈھک لینے کو موٹا چھوٹا کپڑا۔ بس اتنا ضرور ہے اور اس کے علاوہ سب انسان کی خود بینی اور تن پروری اور آرام طلبی کے ڈھکوسلے ہیں۔ سو جو چیزیں حقیقت میں ضروری ہیں، گاؤں والے اپنے ہاتھوں پیدا کر لیتے ہیں۔ کھانے کا غلہ اور میوے اور ترکاریاں، روئی، تمباکو، کسم، نیل سبھی کچھ تو کھیتوں میں ہوتا ہے بلکہ کھانے پینے کی چیزیں جیسی عمدہ اور صاف گاؤں والوں کو میسر آتی ہیں، ہم شہر والے خواب میں بھی نہیں دیکھتے۔

حسن آرا: بھلا اگر گاؤں میں آدمی بیمار پڑے تو دوا کہاں سے لے؟ علاج کس سے کرائے؟

محمودہ: گاؤں والے اللہ کے فضل سے دوا اور علاج کے محتاج ہی نہیں ہوتے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: اس کا سبب؟

محمودہ: سبب صفائی، آب وہوا کی عمدگی اور روز کی محنت۔

آب وہوائے شہر و دیہات کا مقابلہ

حسن آرا: آب وہوا تو ساری دنیا میں ایک ہی ہوگی۔

محمودہ: ایک تو ہے مگر جہاں آدمی بکثرت رہتے ہیں، وہاں غلاظت بہت جمع ہوتی ہے اور عفونت کی وجہ سے آب وہوا بگڑ جاتی ہے۔آئے دن وبا آتی رہتی ہے،اور وبا نہیں بھی ہوتی تو بھی شہر کے لوگ اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حسن آرا: گاؤں والے بیمار نہیں ہوتے تو مرتے کیوں ہیں؟

محمودہ: مرنا اور بات ہے۔گاؤں والے زندگی کا لطف تو پاتے ہیں نہ کہ شہر والوں کی طرح دائم المرض۔یوں کبھی کبھار دکھ درد ہوتا ہے تو گاؤں والے سہجے کا علاج بھی کر لیتے ہیں۔جنگل کی بوٹی، درختوں کی چھال اور پتے گھسے، رگڑے، پی گئے، اچھے ہو گئے۔یہ نہیں کہ ہفتوں منضج منضحین پیا کریں، مہینوں ماءالجین میں پڑے گھلتے رہیں۔لاکھ دوا کی ایک دوا تو تازہ ہوا ہے جو شہر والوں کو عمر بھر بھی نصیب نہیں ہوتی اور گاؤں والوں کو ہر وقت میسر ہے۔

حسن آرا: سب کچھ تو ہے مگر گاؤں میں جی کیسا گھبراتا ہوگا۔نہ محلہ نہ ہمسایہ۔کس سے بات کیجیے، کس کے پاس جائیے۔

محمودہ: شہر میں روز کے روز کون کس کے پاس جاتا ہے؟ جس طرح شہر والے گھر کے کام کاج میں لگے رہتے ہیں، گاؤں والوں کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی خبر گیری کا مشغلہ کیا کم ہے۔ اس سے فرصت ہوتی ہے تو وہ لوگ بھی گھروں میں کام سے آتے اور آپس میں جی بہلاتے ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: یہ گاؤں والے نرے اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کیوں ہوتے ہیں؟

محمودہ: بوا! خیر النساء دیکھو حسن آرا گاؤں والوں کو اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کہتی ہیں۔ تم بھی گاؤں والی ہو۔ جواب دو۔

خیر النساء: بیگم صاحب کو گاؤں والوں کا حال معلوم نہیں۔ سنے سنائے برا کہہ اٹھیں۔ اس کا جواب کیا دوں؟

حسن آرا: خیر النساء، تم کہاں کی رہنے والی ہو؟

خیر النساء: مراد آباد کے ضلع میں شریف پور نام ایک گاؤں ہے۔ وہیں میرا غریب خانہ ہے۔

حسن آرا: شہر میں کب سے ہو؟

خیر النساء: کوئی ڈیڑھ برس سے۔

حسن آرا: تمہارے گھر میں کام کیا ہوتا ہے؟

خیر النساء: کوٹنا، پیسنا، پکانا، رینڈ ھنا، کاتنا، سینا، پرونا، گھر کی جھاڑو بہارو، بال بچوں کا نہلانا دھلانا۔

حسن آرا: میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے گھر کے مرد کیا کرتے ہیں؟

خیر النساء: جو لڑکے ہیں، پڑھتے ہیں۔ جو جوان ہیں، کمائی کرتے ہیں، جو بڈھے ہیں، گھر کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں اور نماز روزے میں مصروف رہتے ہیں۔

حسن آرا: اے ہے! میں پوچھتی ہوں تمہارے گھر میں کیا ہوتا ہے؟

خیر النساء: دن کو دن، رات کو رات۔

حسن آرا: پتھر پڑیں ایسی موٹی سمجھ پر۔ کوئی جواب معقول نہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

خیر النساء: آگ لگے ایسی بھونڈی تقریر کو۔کوئی بات ٹھکانے کی نہیں۔

حسن آرا: نگوڑی، گنواری، شامت کی ماری، کوئی تیری کم بختی آئی ہے؟ بے تمیز! زبان سنبھال کر نہیں بولتی۔ابھی مارتے مارتے کچلا کر ڈالوں گی۔

خیر النساء: چل چل، شہری، بے بہری۔امیر بیگم ہوگی تو اپنے واسطے۔ہم کیا خدا نہ کرے کسی کی لونڈی باندی ہیں؟ ایک کہے گی تو دس سنے گی اور مارے گی تو مار کھائے گی بھی۔لو صاحب مجھ کو بھی شہر کی لڑکی بنایا ہے کہ دھمکانے لگی۔

حسن آرا نے عمر بھر کبھی جواب نہ پایا تھا۔خیر النساء کی بات سنتے ہی بے اختیار ہو گئی۔ مارنا اور کچلنا کرنا تو نری دھمکی تھی، سیدھی اٹھ، استانی جی سے جا فریاد کی اور رونے لگی۔اتنا روئی کہ گھگی بندھ گئی۔ جب تک روتی رہی، استانی جی چپ بیٹھی رہیں اور اگر کہیں دل جوئی کی ایک بات بھی ان کے منھ سے نکلتی تو حسن آرا بندی شام تک بھی نہ سنبھلتی۔آخر کو سسکیاں لے لے خود بخود تھم گئی۔ اس درمیان میں محمودہ چند بار آئی اور قصداً حسن آرا کے پاس ہو کر نکلی مگر حسن آرا نے منھ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر محمودہ کی جرات نہ ہوئی کہ حسن آرا سے بات کرے۔ورنہ وہ رفع ملال کر بھی دیتی۔اب شام قریب تھی۔استانی جی نے کہا لڑکیوں وہ مسیح الملک کی کہانی کن مدتوں کی نا تمام پڑی ہے۔ آج اسی کو ختم کر لیتیں۔کس کی باری ہے۔

محمودہ: خیر النساء کی باری ہے۔

استانی جی: کیوں بوا حسن آرا خیر النساء کہانی کہیں، تم سنو گی؟حسن آرا آنکھیں نیچی کر کے مسکرانے لگی

اور بولی کیوں؟ سننے کو کیا ہوا؟ یہی نہ کہ میں بیچ میں نہ بولوں گی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: کیوں نہ بولوگی۔ جب بیچ میں بات ہی نہ ہوئی تو کہانی کیا؟ وہ تو خاصا سبق ہوگیا۔

مزہ کیا خاک ملا؟ شوق سے بولو، بات کرو۔

حسن آرا: واہ! آپ بھی حضرت ہیں۔ اب پھر لڑائی دیکھنے کو جی چاہا ہوگا۔

محمودہ: ایسی بھی کوئی کم بخت ہوگی جس کو دو آدمیوں کی لڑائی میں مزہ ملتا ہوگا؟ آدمی تو آدمی، جانوروں کو لڑانا بھی بڑا گناہ لکھا ہے۔

حسن آرا: آپا کیوں مکرتی ہو؟ تم ہی نے خیر النساء کو مجھ سے بھڑایا۔

محمودہ: میں نے بھڑایا یا گفتگو کی تقریب نے؟ آپ شروع سے دیہاتیوں کی مذمت پر آمادہ تھیں۔ لمحہ دو لمحہ ضبط نہ ہوسکا، لڑ پڑیں۔

حسن آرا: میں لڑی؟

محمودہ: آپ تو منصف مزاج ہیں۔ آپ ہی فرمایئے، سخت کلامی پہلے کس نے شروع کی؟

حسن آرا: جو جیسا ہوتا ہے، کہنے میں آتا ہے۔ دیہاتیوں کو کیا میں اکیلی اجڈ اور اکھڑ اور بدسلیقہ کہتی ہوں؟ شہر بھر کہتا ہے۔ خیر النساء کس کس کا منہ بند کرتی پھریں گی؟

خیر النساء: آپ اپنی تعریف کرنے سے کوئی اچھا نہیں بن جاتا اور برا کہنے سے کوئی برا نہیں ہو جاتا۔ شہر والے دیہاتیوں کو اجڈ اکھڑ اور بے سلیقہ کہتے ہیں، دیہات والے شہریوں کو ابدی نکمّے، کم بخت، پست ہمت، ظاہر پرست جانتے ہیں۔

استانی جی: جب تم دونوں اس امر میں بحث کرتی تھیں تو اس کے یہ معنی تھے کہ شہریوں اور دیہاتیوں کی لڑائی کا فیصلہ کرتی تھیں۔ پس دوسروں کی لڑائی کا فیصلہ کرتے کرتے آپس میں کیوں لڑنے لگیں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

خیر النساء: جناب بیگم صاحب نے پہلے چھوٹتے ہی دیہاتیوں کو اجڈ، اکھڑ اور بے سلیقہ کہا۔ مجھ کو برا تو بہت لگا، مگر میں چپ ہو رہی۔

استانی جی: حسن آرا بیگم نے تم کو اجڈ، اکھڑ، بے سلیقہ نہیں کہا۔ ان کا یہ مطلب تھا کہ شہر والے دیہاتیوں کو ایسا سمجھتے ہیں۔

خیر النساء: کیا ہوا۔ پھر بھی ایسے کریہہ الفاظ بیگم صاحب کو زیبا نہ تھے۔ اور میں اس بات پر کچھ بولی بھی نہیں۔

استانی جی: کیا اس سے زیادہ کوئی اور سخت بات حسن آرا بیگم نے خاص تم کو کہی تھی؟ ان کی ایسی عادت تو معلوم نہیں ہوتی۔

خیر النساء: خیر، اب اس کا اعادہ آپ کے روبرو کرتے مجھ کو شرم آتی ہے۔ میرا ہی قصور تھا۔ آخر میں بے تمیز گنوار ہی تو ہوں۔ ادب اور سلیقہ آئے تو کہاں سے آئے۔ اس میں شک نہیں کہ جواب میں نے بھی سخت دیا۔ پیچھے میرا دل بہت کڑھا۔

استانی جی: اگر تمہارا قصور تھا تو تم نے معذرت کیوں نہ کی؟

خیر النساء: میں سو مرتبہ معذرت کرنے کو موجود ہوں۔ ہاتھ جوڑنے اور پاؤں پڑنے میں بھی مجھ کو عذر نہیں۔ مگر ذرا اتنا بیگم صاحب کو بھی سمجھا دیجئے۔ کہ بات بات پر لڑکیوں سے نہ الجھا کریں۔ ان کی شان کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں۔

حسن آرا: تم یہ چاہو کہ میں سب کے برابر ہو کر رہوں تو یہ بات مجھ سے ہوئی اور نہ ہو گی۔ تم لوگوں کو بھی تو کچھ خیال کرنا چاہیے کہ میں امیر زادی ہوں اور مجھ کو خدا نے بڑا کیا ہے۔

استانی جی: یہ بات تمہاری غیر واجب ہے۔ مکتب کی لڑکیاں کچھ تمہاری لونڈیاں ہیں، نوکر ہیں یا

www.iqbalcyberlibrary.net

تم اپنی دولت ان کو بانٹ دیتی ہو؟

حسن آرا: نوکر نہ سہی، غریب تو ہیں۔

استانی جی: غریب ہیں تو ہونے دو۔ انہیں تمہاری دولت کی کچھ پروا نہیں۔

حسن آرا: ہم کب ان کی پروا کرتے ہیں۔

استانی جی: چلو نہ تم کو ان کی پروا نہ ان کو تمہاری۔ برابر برابر۔

حسن آرا: کیا ہوا، پھر بھی ان کو میری تعظیم کرنی لازم ہے۔

استانی جی: بے ضرورت، بے غرض کیوں لازم ہے اور نہ کریں تو ان کا کیا نقصان؟

حسن آرا: اے ہے، لازم نہیں، مناسب ہے۔ اور نقصان آپس کا رنج۔

استانی جی: اس اعتبار سے تم پر بھی لازم ہے۔

حسن آرا: کیا؟

استانی جی: ان کی تعظیم۔ (حسن آرا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس کے ساتھ سب ہنسے) سنو بوا حسن بیگم، ہم عمری و تکریم کا کیا مذکور۔ تم سب کو آپس میں محبت رکھنی چاہیے اور ہر ایک لڑکی کو اس کا اہتمام رہے کہ آپس میں بگاڑ کی کوئی بات نہ ہو۔

حسن آرا: کیا خدانہ کرے مجھ سے خیر النساء سے کچھ بگاڑ ہے؟ بہنیں بہنیں آپس میں لڑیں، لوگوں نے جانا بیر پڑے۔ (یہ کہہ کر حسن آرا خیر النساء کے گلے سے جا لپٹی۔)

www.iqbalcyberlibrary.net

اہل شہر اور دیہاتیوں کا محاکمہ، جس میں دونوں کی طرزِ زندگی کا مذکور ہے

اور ہر ایک کو اس کے عیب پر متنبہ کر دیا ہے اور گفتگو اور وضع اور حالت اور ذات اور ہنر پر بحث کر کے نصیحت کی بہت سی باتیں نکالی ہیں

استانی جی: بھلا تم لوگوں میں تکرار کس بات پر ہوئی تھی؟

حسن آرا: بات تو اتنی تھی کہ میں نے خیر النساء سے پوچھا کہ تمہارے گھر ہوا کیا کرتا ہے، یہ بیوی صاحب لگیں عورتوں کے کام گنوانے، میں نے دوہرا کر پوچھا تو مردوں کا قصہ نکال بیٹھیں۔ تیسری بار پوچھا (کرتی کیا) تو ذرا آپ بھی دیکھیے، کہتی کیا ہیں کہ دن کو دن اور رات کو رات۔ استانی جی سن کر مسکرانے لگیں اور کہا سنو بوا خاصا جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ تم کو یوں پوچھنا تھا کہ وجہ معاش کیا ہے یا تمہارے بھائی کیا پیشہ کرتے ہیں؟

خیر النساء: ان کا مطلب میں سمجھ گئی تھی۔ مگر ان کو اپنی گفتگو پر بڑا ناز ہے۔ ان کے قائل کرنے کو میں بھی بات پر اڑ بیٹھی تھی۔

حسن آرا: خیر اب فرمائیے کہ آپ کی وجہ معاش کیا ہے؟

خیر النساء: زمینداری اور کھیتی۔ اور غدر کے بعد دو چار آدمی نوکری بھی کرنے لگے۔

حسن آرا: بھلا سچ کہنا، تم کو شہر میں رہنا بھلا معلوم ہوتا ہے یا گاؤں میں؟

خیر النساء: سچ تو یہ ہے کہ شہر میں میرا جی خوب نہیں لگتا۔ اگر اس مکتب کا سہارا نہ ہوتا تو مجھ سے شہر میں ایک دن بھی نہ ٹھہرا جاتا۔

حسن آرا: آخر تم کو شہر میں تکلیف کس بات کی ہے؟ کیا کھیلنے اور بات کرنے کو محلے کی لڑکیاں نہیں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

خیر النساء:	لڑکیاں تو اتنی ہیں کہ شاید شہر بھر میں اتنی لڑکیاں نہ ہوں گی جتنی اکیلی شاہ تارا کی گلی میں ہیں۔ صبح سے شام تک ایک تانتا لگا رہتا ہے۔ یہ آئی، وہ آئی۔

حسن آرا:	پھر تو گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

خیر النساء:	ان لڑکیوں سے میری طبیعت میل نہیں کھاتی۔ شہر کے لوگوں میں ظاہر داری اور منہ دیکھے کی محبت بہت ہے مگر کام پڑنے پر طوطے کی طرح آنکھیں بدل جاتی ہیں۔ گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی۔ بادشاہ بیگم کو تم بھی خوب جانتی ہو گی۔ ہمارے مکان سے ان کا مکان ملا ہے۔ وزیر بیگم ان کی چھوٹی بیٹی نے مجھ سے ایسا پیار اخلاص بڑھایا کہ رات دن میں ایک دم کو الگ نہ ہوتیں۔ خانم کے بازار میں داروغہ صاحب السلطان کے گھر شادی تھی۔ ہم لوگوں کو بھی بلاوا آیا۔ اور بادشاہ بیگم تو داروغہ جی کی سگی پھوپھی کی بیٹی بہن ہیں۔ ان کا تو گھر بھر ہفتوں پہلے سے مہمان تھا۔ وزیر بیگم جب جانے لگیں تو زبردستی مجھ کو ساتھ لیے جاتی تھیں۔ پالکی پر سوار ہوتے ہوتے ہاتھ پکڑ لیا کہ میرے ساتھ چلو مگر بڑی مشکل سے میں نے ان کو سمجھایا کہ ہم لوگوں سے اور داروغہ جی سے دور کا واسطہ ہے۔ بن بلائے جانا مناسب نہیں۔

جب شادی کے تین دن رہے تو میں بھی گئی۔ وزیر بیگم اپنی سہیلیوں کو لیے بیٹھی تھیں۔ مجھے اترتے انہوں نے دیکھا بھی مگر جگہ سے ہلی تک نہیں۔ میں نے سمجھا کہ کھیل میں دھیان ہے۔ نہ خیال ہو گا۔ اترتے کے ساتھ میں گھر والوں کے پاس تک نہیں گئی۔ سیدھی وزیر بیگم کی طرف چلی۔ گھڑیوں پاس کھڑی رہی، اس خدا کی بندی نے آنکھ اٹھا کر بھی تو نہ دیکھا۔ اپنا سا منہ لے کر میں سامنے کے دالان میں، جہاں ہمارے ساتھ کے لوگ ٹھہرتے تھے، جا بیٹھی۔ چھوٹی آپا نے مجھ کو چھیڑا بھی کہ اترتے کے ساتھ تیر کی طرح گئی تو تھیں، آئی پھٹے منہ۔ اس نے بات بھی نہ پوچھی۔ یہ

www.iqbalcyberlibrary.net

سن کر اس قدر مجھ کو شرمندگی ہوئی کہ پسینے پسینے ہوگئی۔ اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ یہ وہی وزیر بیگم ہیں! ان کو کیا ہو گیا ہے؟

تھوڑی دیر بعد مجھ کو پیاس سی معلوم ہوئی۔ شہ نشین میں ایک کوری صراحی رکھی تھی۔ میں نے جانا کہ گھر والوں نے مہمانوں کے واسطے رکھوا دی ہے۔ میں نے جلدی سے اٹھ، اس میں سے پانی پی لیا تو وزیر بیگم لال پیلی ہوگئیں۔ کہتی ہیں، کیوں تو نے ہمارے پینے کی صراحی سے بے پوچھے پانی پیا؟ یہ کہہ کر صراحی کو فرش پر پٹک دیا۔ تمام مہمان دیکھنے لگے اور بھرے مجمع میں مجھ کو فضیحت کیا۔

استانی جی: وزیر بیگم کے ناحق بگڑ بیٹھنے کا سبب بھی کچھ تم نے دریافت کیا؟

خیر النساء: بہتیرا سوچا، کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کوئی بات ہوئی ہو تو سمجھ میں آئے۔

محمودہ: میں اس کا سبب بتاؤں؟ میں بھی وزیر بیگم کے مزاج سے خوب واقف ہوں۔ ان کو محلے میں اپنے میل کی لڑکیاں کھیلنے اور بات کرنے کو نہیں ملتیں۔ اس ضرورت سے انہوں نے تم سے ملاپ کیا۔ وہاں شادی میں ان کو اپنے جیسی امیر زادیاں مل گئیں۔ تم سے ملنا عار سمجھیں۔

خیر النساء: ان کو مجھ سے صرف شادی میں ملنا عار تھا، اور مجھ کو ان سے ملنا انشاء اللہ عمر بھر عار رہے گا۔

استانی جی: کچھ عجیب طرح کا معاملہ ہے۔ اکثر امیر مغرور ہوتے ہیں اور سب کو اپنے سامنے ہیچ سمجھا

کرتے ہیں۔ دولت بھی بہت ہی بری چیز ہے۔ آدمی کو شیطان بنا دیتی ہے۔ نشہ دولت کا بداطوار جسے کو آن چڑھا سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

حسن آرا: بھلا خیر، وزیر بیگم اگر تمہارے ساتھ بری طرح پیش آئیں تو انہوں نے بڑی نالائقی

www.iqbalcyberlibrary.net

کی بات کی۔ محبت ملاپ میں امیری غریبی کی کیا بحث باقی رہی۔ مگر یوں تو شادی کا مجمع، مہمان داری کے سامان، مہمانوں کی شوکت وشان، جہیز کی آرائش، رسموں کی خوبی، یہ باتیں تم نے ضرور ہی پسند کی ہوں گی۔

خیر النساء: اس میں شک نہیں کہ کبھی شہر والوں کی شادی میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور یہی شوق مجھ کو لے بھی گیا تھا۔ مگر انجام کار کچھ دل کو فرحت نہ ہوئی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، ہزاروں عورتیں جمع تھیں، مگر غور سے دیکھا تو سب ایک رنگ میں تھیں۔ جس کو دیکھا شیخی اور نمود کی تصویر پایا۔ اتنے مہمان گھر میں بھرے تھے، سب تو امیر تھے ہی نہیں۔ جس کو خود مقدور نہ تھا کرائے کے کپڑے، مانگے کے زیور، بنائے ہوئے نوکر ساتھ لایا تھا اور اسی پر اترا رہا تھا۔ ایک بیوی ریشمی موزے دکھانے کی غرض سے گھٹنوں تک پائنچے اٹھائے چلی آ رہی ہیں۔ دوسری گرمی کے بہانے گلا کھول کر زیور دکھا رہی ہیں۔ تیسری بے تکلف سر کھولے بیٹھی ہیں تاکہ چوٹی کی بندش، موباف کی قطع پر لوگوں کی نظر پڑے۔ ایک صاحبہ نے پازیب کی آواز سنانے کو گھڑی بھر میں، خدا جھوٹ نہ بلوائے، کوئی پچاس بیٹھکیں بدلی ہوں گی۔

یہ تو ان بیویوں کا حال تھا جن کے پاس کوئی اپنی یا مانگے کی چیز تھی اور اس کو جان جان کر دکھاتی تھیں، اور بعضیاں خالی خولی ہی اتراتی تھیں۔ ایک بیوی موٹی ململ کا دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھیں۔ آپ ہی آپ نہ کوئی پوچھے نہ گچھے، کہتی کیا ہیں: اے دیکھنا بوا، بنارس کے سیاہ کامدار دوپٹے کا رنگ بھی کیسا ہے۔ لو ذرا کندھے پر ڈالا تھا کہ تمام کپڑوں پر دھبے پڑ گئے۔ جلدی میں نے اتار پھینک دیا۔ ایک بیوی زیور میں لدی بیٹھی تھیں اور ایک بے چاری غریب ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ بیوی جن کو میں بے چاری سمجھتی تھی، کہتی کیا ہیں کہ دیکھنا میرے کانوں کو کچھ ایسا بھنا

www.iqbalcyberlibrary.net

گوشت خدا نے بنایا ہے کہ مطلق زیور کو نہیں سہار سکتے۔ جڑاؤ بالے پتے مگر مرکیاں ذرا کی ذرا ڈالی تھیں کہ دکھنے لگے۔ ایسا معلوم ہوا کہ اب کٹ پڑیں گے۔ ناچار سادی بالیاں پہنیں۔ ان سے بھی سوج سوج کر کپا ہوئے۔ میں نے کہا بھٹ میں پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ کہیں ایسا نہ ہو ٹھینٹ پڑ جائیں۔ اتار رکھیں۔

غرض جس کو دیکھا، شیخی کے مرض میں مبتلا پایا۔ آپس میں جو بیویاں باتیں کر رہی تھیں، کسی کی غیبت، کسی کی شکایت۔ اس کے سوا کچھ مذکور نہ تھا، کپڑوں کے رنگ اور خراش تراش اور وضع داری مجلس میں محو تھیں۔ شادی کی خبر سن کر بے چارے غریب غرباء سبھی مانگنے چلے آئے تھے۔ اتنا سامان تھا کہ رات دیگیں کھڑکتی تھیں۔ مگر شاید ایک چاول خدا کے نام کسی غریب کو نہیں ملا۔ منوں کھانا ضائع ہوا۔ چوری گیا۔ رکھا رکھا سڑ گیا۔ مگر نہ دیا محتاج کو دھکے اور گالیاں دی جاتی تھیں۔ ایک بے چاری بڑھیا بھیک مانگتے نہیں معلوم کس طرح اندر محل میں چلی آئی تھی۔ نیچے کا دھڑ رہ گیا تھا۔ خدا جانے کس مصیبت سے گھسٹتی گھسٹتی آئی ہوگی۔ گھنٹوں انگنائی میں پڑی چلایا کی۔ کسی نے بات نہ پوچھی۔ سب اپنے کھانے میں لگے رہے۔ اور میرا یہ برا حال کہ بڑھیا کی آواز کان میں چلی آئے اور لقمہ حلق سے نہ اترے۔ پہلے میں دیکھتی رہی کہ اب بھی کوئی گھر والی اس بڑھیا کی کچھ خبر لے۔ جب بہت دیر ہوگئی اور کسی نے بات تک نہ پوچھی تو ایک خمیری روٹی میں ایک مٹھی چاول رکھ اپنے بھائی احمد کو دی کہ جاؤ وہ بڑھیا انگنائی میں کھڑی ہے۔ اس کو دے آؤ۔

جونہی احمد روٹی لے کر اٹھا، ان بیوی کی نظر پڑ گئی جو ہم کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ خدا جانے وہ کون بیوی تھیں، مگر گھر والوں کے پاس کے رشتے کی ہوں گی۔ انہوں نے دوڑ احمد کے ہاتھ سے جھپٹا مار، روٹی چھین لی اور بولیں لوگو! کچھ خدا کا خوف بھی ہے؟ دستر خوان پر آنکھوں دیکھتے یہ غضب!

www.iqbalcyberlibrary.net

میں بولی، خدا ہی کا خوف کھا کر میں نے یہ روٹی فقیرنی کو دینے بھیجی تھی۔ تب وہ بیوی کیا کہتی ہیں، حلوائی کی دکان، دادا جی کی فاتحہ۔ بیوی سنو، ایسا ہی خوف ہے تو گھر جا کر لنگر بانٹنا۔ مجھ کو ایسی سخت بات کہی تھی، اس کا تو مجھ کو کچھ بھی رنج نہیں مگر میرے سبب سے بڑھیا غریب کی جو شامت آئی اس کا مجھ کو اب تک صدمہ ہے۔ ان بیوی نے جو بے چاری فقیرنی کو دیکھا، لونڈیوں پر اس قدر خفا ہوئیں کہ خدا کی پناہ! اور چلائیں، نکالو اس مردار بڑھیا کو، کس نے اس کو یہاں آنے دیا؟ لونڈیوں نے بلا تامل بڑھیا کو گھسیٹ دروازے کے باہر ڈال دیا۔ میری یہ کیفیت تھی کہ جی چاہتا تھا، اس بیوی کو نوچ لوں۔ مگر کیا کر سکتی تھی۔ دستر خوان پر سے تو میں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ شربت پلائی دینے کو ایک چونی میرے پاس تھی، وہی چونی میں نے احمد کے ہاتھ بڑھیا کو بھیج دی اور اس کو اپنے مکان کا پتہ بتا دیا اور فوراً ڈولی منگا اپنے گھر چلی آئی۔

استانی جی: کیا اتنے مہمانوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اس کو بڑھیا کی حالت پر رحم آیا ہو؟

خیر النساء: جناب، رحم کیسا، جب لونڈیاں اس کو گھسیٹنے لگیں، تو سب کے سب ٹھٹھے مار مار ہنس رہے تھے۔ کھانے کے بعد لڑکیوں نے بڑھیا کی نقل کا کھیل بنایا۔

حسن آرا: فقیرنیاں اکثر مکار بھی ہوتی ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے اندھی بن جائیں، لنگڑی، لولی، اپاہج، ہو جائیں۔

استانی جی: اگر ایسا شبہ کیا کریں تو اصلی محتاج بھی محروم رہ جائیں اور خیرات کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ دینے والے کو اتنی تفتیش سے کیا مطلب؟ اور مانگنا تو شرم کی بات ہے۔ کوئی آدمی بے ضرورت سوال نہیں کرتا۔ آخر کو جو مکر کر کے مانگتے ہیں۔ ان کو بھی حاجت نے مجبور کر رکھا ہے۔

حسن آرا: کیوں؟ بعضے بے حاجت بھی مانگتے پھرتے ہیں۔ غیرت باقی نہیں رہی۔ کمانے

www.iqbalcyberlibrary.net

کے لیے بھیک سے زیادہ سہل کوئی تدبیر نہیں۔ ہمارے محلے میں چند روز ہوئے، ایک فقیرنی مری تھی۔ معلوم نہیں کتنی اشرفیاں، کتنے ہنڈے روپے اس کی کوٹھری میں سے نکلے۔ پس کیا حاجت اس سے بھیک منگواتی تھی؟ نہیں بلکہ طمع۔

استانی جی: بھلا طمع سے کوئی فرد بشر خالی ہے؟

حسن آرا: طمع تو سب کو ہے مگر طمع والوں کی مدد کرنا کچھ ضرور نہیں۔

استانی جی: ایسا نہ ہو کہ خداوند کریم جو سب کو دیتا ہے، اس قاعدے کا برتاؤ کرے۔ البتہ حاجت مند کا حق مقدم ہے۔ بہتر ہے جن کو واقع میں حاجت ہو، انھی کو دیا جائے، مگر نہ دینے کے لیے خواہ مخواہ ہر ایک پر بے وجہ شبہ بھی مت کرو۔ بے تحقیق دینے سے یہی نہ کہ بعض بے استحقاق لے جائیں گے، مگر اس زمرے میں سینکڑوں مستحق بھی تو پس جائیں گے۔ اکثر اس قسم کی حجتیں وہ لوگ نکالا کرتے ہیں جن کو خدا کے نام دینا منظور نہیں ہوتا۔

حسن آرا: بوا خیر النساء، یہ عیب جو تم شہر والوں میں بتاتی ہو، کیا گاؤں میں نہیں ہوتے؟ دیہات میں سب اللہ کے ولی ہی تو بستے ہیں۔

خیر النساء: نہیں۔ اچھے برے سبھی جگہ ہوتے ہیں۔ گاؤں شہر پر کیا موقوف ہے۔ مگر اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ گاؤں والوں کو اتنی شوخی، اتنی ظاہر داری ہرگز نہیں ہوتی۔

حسن آرا: بھلا شہر والوں کے مزاج خراب سہی، مگر شہر والوں کی وضع مطبوع وضع ہے۔

خیر النساء: کچھ آپ ہی کے نزدیک شہر والوں کی وضع مطبوع ہوگی۔ پردہ داری تو بالکل نہیں۔ یہ احمد میرا چھوٹا بھائی ہے، اس نے شہر کے لڑکوں کے دیکھا دیکھی بال رکھوائے تھے۔ اب یہ بلا کا اہتمام ہے کہ دوسرے دن آنولوں سے سر دھویا جاتا ہے۔ دن میں دس دس دفعہ کنگھی ہو رہی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

صبح وشام تیل ڈالا جاتا ہے۔ جب تک بال چھوٹے رہے، کہیں شلجموں کے پانی سے سر دھلتا ہے۔ کہیں ماش کی دال ملی جاتی ہے۔ اماں کہتی بھی تھیں کہ جس دن تیرا باپ آیا۔ کھڑے کھڑے تیرا سر منڈوا کر رہے گا۔ جتنا بناؤ سنگار تجھ سے کرتے بن پڑے کر لے۔ آخر تو یہ بال نائی کے گھر جائیں گے۔

آگرے جاتے ہوئے خدا کا کرنا ابا بھی موجود ہوئے۔ میاں احمد کو دیکھو تو ہر دم عمامہ سر پر بندھا ہے کہ کہیں بال نہ دیکھ لیں۔ مگر بانک پن تو سر پر سوار تھا چھپے کیونکر۔ ابا نے دیکھ ہی لیا۔ بہت خفا ہوئے کہ مردود شہر والوں کی طرح تو بھی زنخہ بنے گا؟ کیسا حجام، کس کا نائی، قلمدان سے مقراض نکال، اماں سے کہا کہ پڑھوانے کے لالچ سے تم لڑکوں کو یہاں لائی تو ہو مگر ایسا نہ ہو کہ ان کو شہری غنڈہ بنا کر لے جاؤ۔ دیکھو، خبردار! خیرن کو شہر کی لڑکیوں میں مت بیٹھنے دینا۔ شہر کے مردوں کی وضع تو خیر، عورتوں کی وضع نعوذ باللہ بالکل خلاف شرع اور خلاف حیا ہے۔

استانی جی: تمہارے ابا نے بہت ٹھیک کیا۔ مگر دیکھو خیر النساء مجھ کو شہر والیاں چھیڑتی بھی ہیں لیکن میں ان کی وضع کی تقلید نہیں کرتی۔

خیر النساء: جناب آپ اپنے تئیں ناحق شہر والیوں میں گنتی ہیں۔ نہ شہر والوں کا سا آپ کا مزاج نہ شہر والوں کی سی آپ کی عادت۔ آپ تو دیہاتیوں سے بھی زیادہ پردہ دار کپڑا پہنتی ہیں۔ آپ کی دیکھا دیکھی تو میری امی بڑی آستینوں کی کرتی پہننے لگی ہیں۔

استانی جی: بوا حسن آرا بیگم، یہ بڑی بے جا بات ہے کہ خیر النساء شہر والوں میں عیب پر عیب نکالتی چلی جاتی ہیں۔

حسن آرا: کیا بتاؤں، مجھ کو دیہاتیوں کے حال سے خوب واقفیت نہیں ورنہ ہفتاد پشت تک

www.iqbalcyberlibrary.net

اکھاڑ کر رکھ دیتی۔ اور ذرا آپ ان شہر کی لڑکیوں کو دیکھیے ۔ یہ کچھ بوچھاڑ ہو رہی ہے، کوئی ہوں بھی کرتی ہے؟ کیسی دم بخود بیٹھی سن رہی ہیں۔

محمودہ: بھلا بوا خیر النساء۔۔۔!

شہر بانو: ذرا خیر النساء کو میری ایک بات کا جواب پہلے دے لینے دیجئے۔ کیوں بوا خیر النساء گفتگو شہر والوں کی بہتر ہوتی ہے یا دیہات والوں کی؟

خیر النساء: تم سب شہر والیاں ایک طرف ہو جاؤ گی تو مجھ اکیلی کو قائل کر دینا کون بڑی بات ہے۔ مگر کوئی مجھے یہ بتاوے کہ گفتگو کی بھلائی برائی ہے کیا چیز؟

محمودہ: گفتگو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سختی نہ ہو۔ بولنے والے کی زبان سے لفظ آسانی کے ساتھ ادا ہوں۔ سننے والے کو گراں نہ گزرے۔

خیر النساء: گاؤں والوں کو بھی اپنی بولی ہرگز سخت نہیں معلوم دیتی۔

محمودہ: معلوم کیوں کر ہو؟ وہ شہر کی بولی کی نرمی سے واقف نہیں۔ تم بولو کہ دونوں بولیوں میں تم کو کہاں کی بولی بھلی معلوم ہوتی ہے؟

خیر النساء: بھلی بری تو میں کچھ جانتی نہیں۔ مگر شہر والے جو اپنی نرم اور نازک بولی سے کام لیتے ہیں، وہی کام گاؤں والے اپنی کرخت بولی سے نکال لیتے ہیں۔ کوئی مطلب ان کا اٹکا نہیں رہتا۔

حسن آرا: پس یہ تو گنوار پن ہے کہ بھلے برے میں امتیاز نہیں۔ مجھ کو تو دیہات کی بولی ایسی بری معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے پتھر کھینچ مارا۔ سیدھے بول کی بھی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

شہر بانو: اس میں تو شک نہیں کہ دیہات والے لفظوں کی بڑی شامت بلاتے ہیں۔ کوئی لفظ تشدید سے خالی نہیں۔ نون کو جب بولیں گے، ڈون۔ پانی کو پاڑیں۔ گاڑی کو گاڈی۔ خیر النساء کی

www.iqbalcyberlibrary.net

زبان دلی شہر میں رہنے سے بہت سنبھل گئی ہے۔ پھر بھی زبان کی اینٹھن نہیں گئی۔ کچھ عجیب طرح سے لفظوں کو مروڑ تروڑ کر بولتی ہیں۔ کیوں آپا محمودہ؟ یاد ہے جب خیر النساء نئی نئی آئی تھیں تو کس طرح کی بولی بولتی تھیں؟

محمودہ: خیر النساء ایسی احسان فراموش نہیں ہیں۔ شہر والوں کا یہ سلوک تو ضرور یاد رکھیں گی کہ ان کی بدولت ان کی زبان درست ہوگئی۔

خیر النساء: ایک زبان کا درست ہونا، میرا تو رواں رواں شہر والوں کا احسان مند ہے۔ تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا، سینا پرونا، ریندھنا جو کچھ مجھ کو آتا ہے، سب کچھ شہر کی بدولت ہے۔ مگر میں تو کہتی ہوں، شہر والوں نے میری بولی خراب کر دی۔

حسن آرا: لو اور سنو! وہی کہاوت ہے، گدھے کو نون دیا، اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔

خیر النساء: یہ بڑی شہر والی ہیں اور ان کو اپنی گفتگو پر بڑا ناز ہے۔ نہ سمجھیں، نہ بوجھیں، کہہ دینے سے کام۔

حسن آرا: سیدھی تو بات ہے۔ پہیلی نہیں، چیستان نہیں، سمجھنے کو کیا ہوا؟ تم نے یہی کہا نا کہ شہر والوں نے میری بولی کو بگاڑ دیا۔

خیر النساء: ہاں ہاں، بگاڑ دیا۔ اب خدا کرے میں اپنے گھر جاؤں گی تو وہاں والے میری باتوں پر ہنسیں گے اور میری نقلیں کریں گے۔

استانی جی: خیر النساء سچ کہتی ہیں۔ بڑی خراب بات ہے، شہر کی بولی بولو تو گاؤں والے ہنسیں اور دیہات کی بولی بولو تو شہر والے چھیڑیں۔

حسن آرا: نہیں بوا، جیسا دیس، ویسا بھیس۔ شہر میں آئی، کتا، بلی کرنے لگی۔ گھر گئی پھر وہی آتا

www.iqbalcyberlibrary.net

روٹی۔

حسن آرا: گاؤں میں تم جاؤ گی ہی۔ مگر ممکن نہیں کہ تمہارا وہاں جی لگے۔ ان شاء اللہ گلے ہی مہینے الٹے پاؤں بھاگو گی۔

خیر النساء: ہم گاؤں والیوں کا خدا ایسا دیدہ ہوائی نہ کرے کہ گھروں میں جی نہ لگے اس مکتب کے سوا اور بھی کوئی چیز ہے، جس کو میں گاؤں میں جا کر یاد کروں گی؟

حسن آرا: ہزاروں لاکھوں چیزیں یاد کرنے کی ہیں۔ ایک بات ہو تو کہوں۔ بڑے سویرے بچھونے سے نہیں اٹھے کہ چنے بیچنے والوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔

خیر النساء: اے لاحول ولا قوۃ! چنے کوئی آدمی کا کھانا ہے یا جانوروں کا دانہ؟ بس دیکھی شہر والوں کی نزاکت۔

حسن آرا: وہ دیہاتی چنے ہیں جن کا تم مذکور کرتی ہو۔ شہر کے چنے سبحان اللہ! جھلتے ہوئے، گرما گرم، سوندھے خستہ اور ٹھڈی کا نام نہیں۔ نرم ایسے کہ بے تکلف پوپلے کھاتے ہیں۔

شہر بانو: اور لطف یہ ہے کہ کوڑیوں اور لوہے کی کیل، پرانے ٹاٹ اور گودڑ کے بدلے چنے لے لیجیے۔

حسن آرا: اور چنے والا ابھی گلی سے باہر نہیں نکلا کہ خوانچے والا آ موجود ہوا۔ تازہ حلوہ پوری، تازہ خستہ کچوریاں، تازی مٹھائی۔ ہمہ نعمت موجود۔ ایک گیا ایک آیا۔ پہر رات گئے تک یہی تانتا لگا رہتا ہے۔ برتن، کپڑا، گوٹا کناری، برف، میوہ، پھل، ترکاری، جو چیز چاہیے، گھر بیٹھے لے لیجیے۔ کتنے بڑے آرام کی بات ہے۔ کباب ایک سے ایک چٹپٹے مزیدار۔ مٹھائیاں ایک سے ایک تحفہ، خوشگوار۔ چھ کوڑی کا سودا لو تو بھی دونے میں دیں گے۔ یہ نہیں کہ سودا لینے جاؤ تو بھیک کا پیالہ

www.iqbalcyberlibrary.net

گھر سے لے کر نکلو۔ سودے والوں کی صدائیں سننے والوں کے دلوں کو لبھائیں۔ حق تو یہ ہے کہ دنیا کی بہشت شہر ہے۔ خدا رکھے تو شہر میں، ورنہ گاؤں کے جینے سے مجھ کو مرنا قبول ہے۔

خیر النساء: اللہ ری چٹوری منہ سوئی پیٹ کوئی۔ بس کھانے پر مرتی ہیں۔ ہم دیہاتیوں میں بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں بازار کی چیز زبان پر بھی نہیں رکھتیں۔ ہم لوگوں میں تو اس کو بڑا عیب گنا جاتا ہے۔

حسن آرا: آہا! آپ بڑی بھلی مانس، بڑی اشراف۔ کیوں نہ ہو، شریف پور میں آپ رہتی ہیں اور ہم شہر والے کمینے اور رذالے۔

خیر النساء: کیوں؟ کیا باہر والوں کی شرافت میں کچھ کلام ہے؟ ہم لوگ ٹکسالی اشراف ہیں۔

حسن آرا: تمہاری ذات کیا ہے؟

خیر النساء: بے چارے پتلی دال کے کھانے والے شیخ۔

حسن آرا: میں تو مغلانی ہوں۔ کیوں بوا، کیا اس مکتب میں کوئی اور شیخ نہیں؟

حلیمہ: میں ہوں۔

کلثوم: میں بھی شیخ ہوں۔

زبیدہ: ہم بھی شیخوں کے نام لیوا ہیں۔

خیر النساء: حلیمہ اور کلثوم کا حال تو میں کچھ جانتی نہیں، زبیدہ جیسی شیخوں کا نام لیوا ہیں، مجھ کو خوب معلوم ہے۔ اور زبیدہ نے کہا بھی ٹھیک ہے۔ اپنے کو شیخ نہیں کہا، شیخوں کے نام لیوا کہا۔ زبیدہ تم کون شیخوں میں شیخ ہو؟

زبیدہ: کون شیخ تو میں جانتی نہیں البتہ شیخ سنا کرتی ہوں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

خیر النساء: اجی قریشی ہو، عثمانی ہو، صدیقی ہو (ہنس کر) ڈفالی ہو؟

زبیدہ: یہ مجھ کو معلوم نہیں۔ مگر ڈفالی تم ہو گی۔

خیر النساء: تمہارے ماموں کا کیا نام ہے؟

زبیدہ: مرزا یاور علی بیگ۔

خیر النساء: اور خالو؟

زبیدہ: میر تقی۔

خیر النساء: اور بہنوئی۔

زبیدہ: دلاور خاں۔

خیر النساء: تو تم بوا خاصی ست نجی شیخ معجونی ہو۔ ایک گھر میں چاروں ذات، بیگم صاحبہ، شہر کے شیخوں کو آپ نے دیکھا؟

حسن آرا: دوسری ذات میں رشتہ ناتا کرنا کیا کچھ منع ہے؟

خیر النساء: شریعت میں تو منع نہیں، مگر باہر کے اشراف منع سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ ہم لوگ سیدوں کو بیٹی نہیں دیتے۔ مغل پٹھان کی کون کہے۔ اور تمہارے شہر کا یہ قاعدہ ہے کہ ذات جماعت کچھ نہیں دیکھتے۔ صورت شکل اور روپیہ پیسہ دیکھا، پھر نہ بیٹی لینے کا مضائقہ نہ بیٹی دینے میں عار۔ اور دیہات والوں میں استخوان اچھی چاہیے، دولت ہو یا نہ ہو۔

محمودہ: بھلا اس سے حاصل؟ جب خدا رسول ﷺ کے نزدیک منع نہیں تو ذات پات کوئی چیز نہیں۔

خیر النساء: حاصل حصول تو میں کچھ جانتی نہیں۔ بزرگوں سے ایک بات ہوتی چلی آ رہی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: دنیا میں بے وجہ کوئی رسم جاری نہیں۔ ذات سے بھی بڑے بڑے فائدے تھے اور ہیں۔ دنیا میں ذات سے زیادہ پرانی کوئی رسم نہیں اور کچھ نہ کچھ فائدہ اس رسم سے ہے۔ آج تک یہ رسم موقوف نہیں۔ شروع پیدائش دنیا سے کئی ہزار برس تک بادشاہت کا انتظام بیٹھنے نہیں پایا۔ چاروں طرف لوٹ کھسوٹ مچی رہتی تھی۔ آئے دن ڈاکے پڑا کرتے تھے اور ہمیشہ آپس میں مار کٹائی ہوا کرتی تھی۔ ان دنوں جان و مال دونوں غیر محفوظ تھے۔ اس واسطے پہلے لوگ جتھے باندھ باندھ کر رہتے تھے اور ایک دادا پر دادا کی اولاد ایک گروہ بن جاتی تھی۔ جس گروہ میں آدمی زیادہ ہوتے تھے، وہی زبردست گنا جاتا تھا۔ اس واسطے ہر گروہ میں یہ عہد و پیمان ہوتا تھا کہ آپس میں شادی بیاہ ہو اور اس گروہ کی طاقت کو گھٹنے نہ دیں۔ یوں ذات برادری کی رسم دنیا میں پھیلی جو کہ آج تک چلی جاتی ہے۔ کچھ ذاتیں پیشوں کے اعتبار سے بھی الگ ہوئیں۔ مثلاً جولاہے، موچی، لوہار، بڑھئی وغیرہ اور اس سے یہ فائدہ تھا کہ اس ذات کے لوگ اپنے تئیں اسے پیشے کا ٹھیکیدار سمجھ کر اطمینان کے ساتھ کام کریں اور غیر آدمی اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ یہی دستور اب تک چلا آتا ہے۔ ہوتے ہوتے بادشاہت کا انتظام اب بخوبی بیٹھ گیا۔ جان و مال کی حفاظت کے لیے اب نہ جتھا درکار ہے نہ گروہ۔ ویسے ہی ذات برادری کا بچار کم رہ گیا ہے اور شہروں سے تو اب بالکل اٹھ ہی گیا۔ پیشوں کے اعتبار سے جو ذات کا امتیاز تھا، اس میں بھی کمی ہے۔

خیر النساء: تو ذات کچھ فخر کی بات نہیں؟

استانی جی: آدمی آدمی سب برابر۔ فخر کی بات اگر ہے تو ہنر ہے۔

خیر النساء: مگر ذات پہلے سے چلی آتی ہے اور ذات پر فخر بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔

استانی جی: جن لوگوں سے ذاتیں چلیں، وہ بڑی نمود کے لوگ تھے اور اپنے گروہ میں سردار

www.iqbalcyberlibrary.net

تھے۔ آخر فخر کریں تو وہ لوگ۔ اور یوں تو ذات پر برابر فخر ہوتا چلا آتا ہے۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ اس میں لوگ شیخی خورے نہ رہے ہوں۔ جب لیاقت والے بزرگ مر گئے، جن کا نام تھا، ان کی اولاد میں کوئی نام نمود والا ہوا نہیں، اب یہ فخر کریں تو کس بات پر؟ بے چارے مردوں ہی کی ہڈیوں کو پچوڑ رہے ہیں۔

خیر النساء: کچھ ہو، مگر دھنیے جلاہوں کی برابری تو نہیں ہو سکتی۔

استانی جی: پھر حسن آرا بیگم کی امیری پر ناحق اعتراض ہے۔ ان کو امیری کا گھمنڈ تو کسی قدر جائز بھی ہے۔ ان کو خدا نے دولت تو دے رکھی ہے۔ تمہارے پاس نری شیخی کے سوا اور کیا ہے اور خدا کے یہاں تو اس کی پرستش ہی نہیں۔ دیکھو، اس زمانے کی سیدانیاں اپنے تئیں کتنا دور کھینچتی ہیں اور پیغمبر صلعم صاحب نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جن سے سیدوں کی جڑ بنیاد ہے، بلا کر فرمایا کہ اے فاطمہؓ اس دھوکے میں مت رہنا کہ میں پیغمبر ﷺ کی بیٹی ہوں۔ بلکہ عاقبت کے لیے سامان کر۔ جب خود فاطمہؓ کا یہ حال ہے تو اب اور کس گنتی میں ہیں۔ ہندی ایک دوہا کیا ہی اچھا ہے۔

ذات پات نہ پوچھے کوئی ہر کو بھجے، سو ہر کا ہوئے

حسن آرا: کیوں خیر النساء، اب تو کبھی ذات کا نام نہ لوگی؟

خیر النساء: تم بھی بات بات میں امیری نہ جتاؤ گی۔

استانی جی: ذات اور امیری پر کیا موقوف ہے؟ غرور تو کسی بات پر کرنا ہی نہیں چاہیے۔

حسن آرا: دیہات والے چاہے ٹکسالی اشراف ہوں، مگر عجب روڑھی، بھدی اور بے ہنگم صورتیں ہوتی ہیں کہ بے اختیار ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔ نزاکت تو کسی کو چھو نہیں گئی۔ اچھی بھلی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

خیر النساء: شہر والوں کی وضع اور خراش تراش کا جواب تو میں پہلے ہی دے چکی ہوں۔ اگر وضعداری بے پردگی کا نام ہے تو ایسی وضعداری کو سلام ہے۔ اور ذرا مجھ کو نزاکت کے معنی سمجھا دیجیے۔

حسن آرا: مجھ کو تو ایسی ہندی کی چندی نہیں آتی۔

محمودہ: نزاکت یہ کہ دبلا ڈیل، سونتے ہاتھ پاؤں، کم خوراک، محنت اور تکلیف برداشت نہ کر سکے۔

خیر النساء: کیوں بیگم صاحب، نزاکت کے یہی معنی ہیں نا، جو محمودہ نے بیان کیے؟

حسن آرا: بے شک۔

خیر النساء: میں ہاری اور تم جیتیں۔ خدا ہم دیہات والیوں کو روگی اور اپاہج نہ کرے۔ کیا الٹی سمجھ ہے!

معذوری پر فخر اور مرض پر ناز۔ اس کے بعد سب نے سکوت کیا تو خیر النساء بولی "اور بھی کسی کو دیہات والیوں پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہو تو کہہ گزرو۔"

حسن آرا: ابھی تو میرے ہی اعتراض باقی ہیں۔ دیہات والیوں کے بے سلیقہ ہونے میں بھی کچھ کلام ہے؟

خیر النساء: میں شہر والیوں کے لغت کم سمجھتی ہوں، پہلے یہ تو فرمایئے کہ سلیقہ کسے کہتے ہیں؟

حسن آرا: نشست برخاست، بات چیت کا دستور۔

خیر النساء: یہ واللہ باللہ اور قبلہ و کعبہ اور مجرا اور کورنش اور مزاج مقدس۔ یہی نا؟

حسن آرا: ہاں، یہ بھی داخل سلیقہ ہے۔ دیہات والیوں کی طرح بی بو بو سلام (حسن آرا نے

www.iqbalcyberlibrary.net

اس طرح دیہات کی بولی کی نقل کی کہ سب لڑکیاں ہنس پڑیں اور خود خیر النساء بھی ہنسی کو ضبط نہ کر سکی ۔)

خیر النساء: یہ تو پھر وہی بولی کا طعنہ ہوا۔ جھوٹے تپاک، ظاہر داری کے اشتیاق، بناوٹ کی لگاوٹ، منھ دیکھے کی محبت، دکھاوے کے پیار کس کام کے؟ ہم باہر والے سیدھے سادھے منھ پر کم اور دل میں بہت کچھ۔ میں وزیر بیگم کے ہاتھوں اسی ظاہری داری کے دھوکے میں تو ماری گئی۔ میٹھی چھری، زہر کی بجھی۔ منھ در منھ خاندانی، پیٹھ پیچھے دشمن جان۔ چلو، مکارو، دیکھ لیے تمہارے سلیقے۔ اونچی دکان، پھیکا پکوان، میں تمہارے رگ وریشے سے واقف ہوں۔ بس بہت منھ مت کھلواؤ۔ ابھی تکلف کا لفافہ ڈھیر کر رکھ دوں گی۔

محمودہ: بیگم صاحب، اب بس کیجیے۔ ان کو وزیر بیگم کی بے وفائی پر غصہ آ گیا ہے۔

خیر النساء: ہرگز مجھ کو غصہ نہیں ہے۔ بے شک ان کو اعتراض کرنے دیجیے۔ میں ان کو قائل کر کے رہوں گی۔

حسن آرا: ہاں؟

خیر النساء: ہاں اور ہاں۔

حسن آرا: بھلا سچ کہنا، دیہات والیاں بے ہنر ہوتی ہیں یا نہیں؟

خیر النساء: قصور معاف۔ یہ اعتراض آپ کے منھ سے اچھا نہیں لگتا۔ کوئی اور لڑکی کہے تو جواب دوں۔

حسن آرا: (کھسیانی ہوکر) میرا کیا مذکور تھا۔ میں اب تک دولت کو ہنر سمجھتی رہی۔ اب خدا نے چاہا تو تھوڑا بہت سیکھ ہی لوں گی۔ مگر ہنر مندوں سے شہر بھرا پڑا ہے۔ بہتر سے بہتر سلائی، بہتر سے

www.iqbalcyberlibrary.net

بہتر کاڑھنا، بہتر سے بہتر کام، ہر گلی کوچے میں ہے۔

خیر النساء: سچ ہے۔ دیہات میں ایسے ہنر نہیں ہوتے۔

حسن آرا: بھلا شکر ہے، تم نے ایک تو مانی۔

خیر النساء: ذرا سن تو لیجئے۔ ان ہنروں کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ دیہات میں ان چیزوں کی قدر نہیں اور نہ دیہات والوں کو ایسے تکلفات کی ضروریات اور عادت ہے۔

حسن آرا: نہیں۔ گاؤں والوں میں کچھ عقل بھی واجبی ہی واجبی ہوتی ہے۔

محمودہ: عقل کی ترقی کے سامان گاؤں والوں کو میسر نہیں۔ زمین سے غلہ پیدا کر لینا اور مویشیوں کو پالنا، بس یہی دو بڑے کام ہیں۔

خیر النساء: کھیتی بھی بجائے خود بڑا مشکل کام ہے۔ ذرا دولت مند کو دیکھو۔ زمین کو درست کرنے اور جنس کو اعلیٰ اور عمدہ بنانے کی کیا کیا نادر تدبیریں لکھی ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ کوئی کرتا نہیں۔ زمین جوت کر بیج بو دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

حسن آرا: کیا دیہات میں عورتیں بھی کھیتی باڑی کرتی ہیں؟

خیر النساء: غریب آدمی، جن میں پردے کا رواج نہیں، ان میں بہو بیٹیاں مردوں کے برابر کھیتوں میں کام کرتی ہیں مگر ہم لوگوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہماری بھی کھیتی ہے۔ گھر میں ترکاریاں بولیں، امرود، انار، آڑو، فالسہ، کھیرنی، لیموں، نارنگی، بیر، آم اس طرح کے میوہ دار درخت جگہ ہوئی تو لگا لیے یا جی بہلانے کو ایک آدھ کیاری میں پھول۔ مگر پھر بھی دیہات والے خدا کے اس نمونہ قدرت سے ناواقف نہیں ہوتے کہ خشکے کے پیڑ اور ترنجن کے درخت کو دیکھ کر حیرت کریں۔

استانی جی: دیہات والوں کے حال پر البتہ مجھ کو بھی اس خیال سے تاسف ہوا کرتا ہے کہ ان کو

www.iqbalcyberlibrary.net

عقل کی اصلاح کا کچھ سامان بہم نہیں پہنچتا۔ بے چاریاں انواع واقسام کے اوہام میں مبتلا رہتی ہیں۔ ٹونے، ٹوٹکے، اتارے، چڑھاوے، نظر گزر، جن، آسیب، بھوت، پریت، چڑیل، فال، شگون، جھاڑ پھونک، جادو منتر، نذر، منت، ان چیزوں کا بے چارے گاؤں والوں میں اکثر ہوتا ہے۔ شہر میں بھی یہ خرابی بہت تھی۔ اب خدا خدا کر کے مولویوں نے درس سنا سنا کر کفر توڑا ہے۔ یہی خیر النساء موجود ہیں۔ ان کی چھوٹی بہن کو کس کس مصیبت سے میں نے چیچک کا ٹیکا کرایا ہے کہ معاذ اللہ!

عورتوں کے توہمات کی ایک حکایت طولانی

دیہات والوں کے خیالات میں بے دینی بہت ہے۔ سبب کیا ہے؟ علم کی کمی، عقل کی کوتاہی۔ ہمارے دور کے رشتے کی ایک نانی تھیں۔ کوئی چار برس ہوئے پورے سو برس کی ہو کر مریں۔ ان کے حالات سنو تو تعجب کرو۔ ایک تو اگلے وقتوں کی آدمی، دوسرے دیہات والوں کی خو بوان میں اتنا اثر کر گئی تھی کہ بس وہم کا پتلا بن گئی تھیں۔ اتنا پھونک پھونک کر تو قدم رکھتی تھیں مگر بے چاری رہیں سدا غم زدہ۔ میاں، بھائی جوان جوان بیٹے، جوان جوان بیٹیاں، سب ایک ایک کر کے ان کے روبرو مرے۔ اب اپنی مرتیوں کو شہر میں آ کر رہیں تو صرف ایک بھتیجا ساتھ تھا۔ بھرے کنبے میں یہ ایک بچہ بچا تھا۔ یوں ہی اس کی اللہ امین تھی اور اس پر (اللہ جنت نصیب کرے) نانی کی احتیاط۔ میں کہہ نہیں سکتی کس آفت میں وہ لڑکا مبتلا رہتا تھا۔ کوئی دکھ ہو، دوا تو اس بے چارے نے جانی ہی نہیں کہ کس کو کہتے ہیں۔ بس ٹونے ٹوٹکوں پر اس کی زندگی تھی۔

جب نانی اس کو لے کر شہر آئیں تو چار مہینے کا بخار تھا۔ لڑکا نگوڑا سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ تیلیوں جیسے ہاتھ پر اچھا خاصا ورم موجود۔ تلی اتنی بڑھی ہوئی کہ پیٹ میں سانس مشکل سے سمائے اور اس کے

www.iqbalcyberlibrary.net

ساتھ کھانسی بھی ایسی کھانسی کہ رات دن دم نہ لینے دے۔ یہ تو حال تھا مگر آدھی کی دوائی نہیں ملتی تھی۔ خدا نہ کرے، کچھ پیسے کا لالچ نہیں۔ اس لڑکے کے لیے نانی کو اپنی جان تک سے دریغ نہ تھی۔ اور سوائے اس کے ان کا اور تھا کون۔ آپ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں۔ مال و متاع جو کچھ تھا، اسی لڑکے کا تھا۔ جونہی پالکی سے اس نیم جاں لڑکے کو لے کر اتریں، ہم سب تو اس کی صورت دیکھ کر ڈر گئے۔

میں: اچھی نانی، اس لڑکے کا کیا حال ہے، اور کب سے یہ بیمار ہے؟

نانی: تیزی کا چاند دیکھ کر جو پڑا ہے تو اب تک نہیں سنبھلا۔ مرت بیاہی کے بچوں کی یہی تو خرابی ہے۔ بات بات میں ہٹ، بات بات میں ضد۔ اس کی ضد نے اس کو بھی اس ہڈرے کو پہنچایا۔ اور میں تو اس کی بیماری میں مردے سے بدتر ہو رہی ہوں۔ کھانے کا مجھ کو ہوش نہیں۔ اپنے تن بدن کی مجھ کو خبر نہیں۔ دھڑکوں میں جان جاتی ہے۔

میں: اچھی، پھر اس شہر میں کوئی حکیم، کوئی ڈاکٹر نہ تھا؟

نانی: بہتیرے حکیم، بہتیرے ڈاکٹر۔ مگر جب یہ کسی کے بس کے ہوں۔

میں: کیا یہ دوا نہیں پیتا، پرہیز نہیں کرتا؟

نانی: نہیں دوا تو پی لیتا ہے۔ اور پرہیز کو تو اب پانچواں مہینا ہے۔ ابالی کھچڑی کے سوا دوسری چیز زبان پر رکھی ہو تو حرام ہے۔

میں: پھر کیا علاج نے فائدہ نہیں کیا؟

نانی: حکیموں کا علاج تو کیا ہی نہیں۔

میں: اچھی، حکیم کسی اوروں کے واسطے ہیں؟ یہ تو حال لڑکے کا ہو گیا ہے۔ بسم اللہ کر کے کل ہی

www.iqbalcyberlibrary.net

علاج شروع کر دیجیے۔

نانی: حکیم کا علاج کرنے تو میں یہاں نہیں آئی۔ البتہ کچھ منتیں ہیں ان کو اتارنا ہے۔

میں: حکیم کا دوا کرنے میں تامل کی وجہ؟

نانی: یہ مرض حکیموں کے قابو کے نہیں ہیں۔ اس لڑکے کی ماں کو کوکھ کا خلل تھا۔ پانچواں برس بچے کو لگا اور رخصت ہوا۔ یہ لڑکا دسویں جگہ ہے۔ نہیں معلوم کہاں کہاں کی خاک چھانی اور اس لڑکے کے پیچھے میں نے اپنا لہو اور پسینا ایک کر دیا۔ اس دکھ کا دستور ہے کہ بارہ برس تک اس کا زور رہتا ہے۔ ایک چار مہینے مصیبت کے اور ہیں۔ یہ ٹل جائیں تو خاطر جمع ہو۔

میں: اس طرح کے دکھ لوگوں سے تو میں بھی سنتی ہوں، مگر کچھ دل سے میں اس کی قائل نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دکھ ہو ماں کو اور بچوں پر بارہ بارہ برس تک اس کا اثر رہے۔ اور کوئی دکھ ہو، اس کی کچھ دوا ہے۔ یہ کیسالا علاج دکھ ہے کہ طبیب اس کے قائل نہیں، وید اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ڈاکٹر اس کو نہیں مانتے اور نہ کچھ اس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ ہے کیا بلا!

نانی: ہاں، اس تیرہویں صدی میں یہ نئی حکمت ایجاد ہوئی ہے، ورنہ ہمارے خسر کیسے بڑے مولوی تھے کہ دنیا جہاں میں ان کا فتوی چلتا تھا۔ خود اس کے عامل تھے۔ اب برکت والے، علم والے لوگ اٹھ گئے۔ کٹھ ملا رہ گئے ہیں، جن کو نماز تک کی نیت نہیں آتی۔ نئے نئے مسئلے نکالے ہیں۔ پیر پیغمبر کے درود فاتحہ کو حرام بتائیں۔ سہرے کنگنے کو منع کریں۔ شادی بیاہ میں نوبت نقارہ سب بند۔ تیز تہوار پیغمبروں سے چلے آتے ہیں، سب موقوف۔ محرم کا شربت حرام۔ شب برات کا مانڈا حلوا حرام، عید کی سویاں حرام۔ مرد تو بگڑے ہی تھے، انہوں نے عورتوں کو بھی اپنے ساتھ خراب کیا۔ وہی کہاوت ہے

www.iqbalcyberlibrary.net

میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبوں گا اب کی سہاگنیں رانڈوں سے بدتر۔ نہ کپڑوں میں رنگ، نہ منہ میں مسی، نہ ناک میں نتھ، نہ ہاتھوں میں چوڑیاں۔

میں: یہ سب کچھ ہے مگر اس سے کوئی خرابی تو پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ سردست ایک فائدہ ہوا کہ رسموں کی پابندی میں جو تکلیف ہوتی تھی، اس سے محفوظ رہے۔

نانی: جب سے رسمیں اٹھ گئیں، دنیا سے رونق، محبت سبھی کچھ تو اٹھ گیا۔ رہا کیا ہے؟ یہاں بیبیوں میں وہ اگلے وقتوں کے سے اخلاص نہ رہے۔ بھائیوں، بہنوں میں پہلی سی محبتیں نہ رہیں۔ نہ وہ سستے سمے ہیں، نہ وہ فراغتیں ہیں۔ اب تو گھر گھر روٹیوں کے لالے پڑے ہیں۔

میں: نمود اور تکلف کی چیزیں نئی نئی بہت چل نکلی ہیں۔ اس سے سب کے خرچ بڑھ گئے ہیں اور ملک میں ہر طرف امن ہونے سے ایک جگہ کی پیداوار تمام ملک میں پھیل جاتی ہے۔ دو سال اس طرف خشکی رہی، کلکتہ تک سے غلہ کھنچا چلا آتا تھا۔ دوسرے، آدمیوں کا شمار بہت بڑھ گیا ہے۔ اناج سستا ہو تو کیوں کر ہو؟

نانی: اے چل لڑکی! میں ایسے ڈھکوسلے نہیں سمجھتی۔ میرے گھر آپ کھیتی ہوتی ہے۔ بیگھے میں دس من ہوتا تھا تو اب دو من نہیں ہوتا۔

میں: نانی، میں نے کھیتی نہیں کی، لیکن اس فن میں دو ایک کتابیں دیکھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانے کی نسبت ان دنوں زمین کی پیداوار گھٹ گئی ہے۔ سو اس کا سبب یہ ہے کہ اگلے زمانے میں عملداری کا نظام خراب تھا۔ لوٹ کھسوٹ کے ڈر سے کھیتی کم ہوتی تھی اور بہت بہت زمین پڑی رہا کرتی تھی، اور پڑے رہنے سے اس کی طاقت بڑھتی تھی۔ جب بوئی جاتی تو بڑے اناج ہوتے۔ اب کسی سال زمین پڑی نہیں رہتی۔ پیداوار تو گھٹنی ہی چاہیے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

نانی: بیٹی، وہ پہلے کی سی برسات ہی نہیں ہوتی۔ اتنی عمر ہونے کو آئی، ایک چورانوے کے کال کے سوائے ہم نے تو قحط کا نام نہیں سنا تھا۔ اب تو قحط ایک معمولی بات ہوگئی ہے۔ چار برس ہوئے اڑیسہ خاک سیاہ ہوگیا۔ دو برس ہم لوگوں نے مصیبت جھیلی۔ امسال فصل اچھی ہوئی ہے تو پنجاب بگڑا ہوا ہے۔ غرض کسی نہ کسی طرف کال ضرور رہتا ہے۔

میں: نانی، میں تو جانتی ہوں برساتیں جیسی سدا سے ہوتی آئی ہیں، ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں۔ بلکہ نہروں کے جاری ہونے سے جابجا پانی کی افراط ہوگئی ہے۔ گو اگلے وقتوں میں ہم کو اور شہروں کا حال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک جگہ ذرا سی خرابی ہوتی ہے تو تمام ملک میں ڈھونڈورا پٹ جاتا ہے۔

نانی: ایک تو برسات نے کچھ ایسا لیل و نہار بدلا ہے کہ نہ گرمی میں گرمی رہی نہ جاڑے میں جاڑا۔

میں: عجب کیا ہے؟ ہزاروں کوس کے جنگل کٹ کر آباد ہو گئے۔ جابجا نہریں جاری ہیں۔ آبادی ڈیوڑھی ہوگئی۔ ان باتوں نے آب و ہوا پر ضرور اثر کیا ہوگا۔

نانی: اثر کیسا، جن بیماریوں کا نام نہیں سنا تھا، برس میں دو دو باران کا دورہ ہوتا ہے۔ کوئی سال تو ہیضے اور چیچک سے خالی نہیں ہوتا۔

میں: کیا ہیضہ اور چیچک پہلے نہیں تھے؟

نانی: ہیضہ ہوتا تھا مگر وہی گرانی اور بدہضمی کے ہیضے ہوتے تھے۔ سو بھی شاذ و نادر۔ اب تو عالمگیر وبا ہوتی ہے۔ چیچک البتہ پہلے سے چلی آتی ہے۔

میں: نانی، اس کا تو انگریزوں نے ٹیکا وہ حکمی علاج نکالا ہے کہ کبھی خطا ہی نہیں کرتا۔

نانی: اے ہے! آگ لگے اس ٹیکے کو۔ میں پانچ مہینے سے وہی دکھڑا جھیل رہی ہوں۔ اس لڑکے کو

www.iqbalcyberlibrary.net

اور روگ کیا ہے۔ اس کے باوا نے میرے بے پوچھے ٹیکا لگوا دیا۔ ابھی تک مصیبت سے پناہ نہیں۔

میں: دانا اٹھا تھا؟

نانی: اٹھنا کیسا، ساری ناتھ مہینوں پکا کی۔

میں: پھر چیچک نہیں نکلی ہوگی۔

نانی: بڑی ذات کی تو نہیں نکلی۔ اور بڑی نکلی ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔

میں: کھسرا تھی۔ تو وہ کچھ ایسی خطرناک نہیں ہوتی۔

نانی: اوپر والوں کی بے ترتیبی نے بگاڑ دیا۔ اوّل تو ٹیکا لگوایا، دوسرے ان کے نکلنے میں جو پرہیز ہوتے ہیں، وہ نہ کیے۔

میں: کھسرا میں کچھ پرہیز بھی ہوتا ہے؟

نانی: کیوں نہیں۔ گھر میں بگھار نہ لگے، دھوبی کے گھر کے دھلے ہوئے سفید کپڑے گھر میں کوئی نہ بدلے۔ باہر سے اول تو کوئی آنے نہ پائے اور جو ایسی ہی ضرورت ہو تو تھم کرا اور دم لے کر آئے۔ خوشبو کسی قسم کی پاس نہ آئے۔ دوا تو اس بیماری میں کرنی ہی نہ چاہیے۔ گرج کی آواز بچے کے کان میں نہ پڑے۔ اسی طرح کے بہتیرے پرہیز ہیں۔ مگر کرے کون؟ ان کے باوا انہی بگڑے ہوئے مولویوں میں ہیں۔ ان کے یہاں نہ کچھ پرہیز ہے، نہ احتیاط۔ بلکہ اس کو شرک اور کفر بتاتے ہیں۔ اس لڑکے کو کھسرا نکلی تو ضد کر کے بد پرہیزیاں کیں۔ آنکھیں دکھنے آئیں تو کمال کا علاج ہوا۔ میں ہر چند کہتی رہی کہ دیکھو کھسرا کی آنکھیں ہیں، دوا مت کرو۔ ایک نہ مانی۔ ایسی آنکھوں کی دوا یہی ہوتی ہے۔ چنے کی دال اتار رکھی۔ سات پھول اتار کر رکھ چھوڑے۔ آنکھیں اچھی ہوئیں، نہر

www.iqbalcyberlibrary.net

میں بہادیئے۔ خیر انہوں نے آنکھیں تو اچھی کروالیں مگر آنکھوں کا اچھا ہونا تھا کہ بخار آنے لگا۔ تب تو میں نے کہا بلا سے شرک کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں۔ مگر ہماری بات میں دخل مت دو۔ ان کے باوا تو اسی بات پر لڑ کر علاقے پر چلے گئے۔ تب سے انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ لڑکا مرتا ہے یا جیتا ہے۔ میں اس کے پیچھے دیوانی بن رہی ہوں۔ دنیا بھر کی تدبیریں کر چکی۔ بخار ہے کہ ایک دن کو پیچھا نہیں چھوڑتا۔

میں: اچھی نانی، تم کہتی ہو حکیم کا علاج نہیں کیا۔ پھر وہ دنیا بھر کی تدبیریں کیا تھیں جو تم کر چکیں۔

نانی: مہینوں تو شربتوں کی کلھیاں اتار کر چوراہے میں رکھوائیں۔ تمبا کو کا ہاتھی بنا کر بلا ناغہ سرہانے رکھا۔ رتھ کے پھندنے اس کے گلے میں لٹکائے۔ سینکڑوں دفعہ پانی اور انگارے اس پر سے اتارے۔

میں: نانی، انگارے کیوں کر اتارتے ہیں؟

نانی: پانی اور سات انگارے سر کی طرف سے پاؤں تک اتارے اور گھر کی موری کے پاس جا کر ٹھنڈے کر دیئے، اور ٹھنڈے وقت منہ سے کہہ دیا کہ بھوکا ہے تو آگ کھا اور پیاسا ہے تو پانی پی۔

میں: اچھا پھر، یہ سب کچھ تو کر چکیں اور کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز لڑکے کی حالت ردی ہوتی گئی تو اب حکیم کا علاج بھی کر دیکھو۔

نانی: یہ سب بگاڑ علاج ہی سے تو پڑے ہیں۔ اب پھر علاج کروں تو لڑکے سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

میں: معلوم ہوتا ہے کہ کھسرا کی گرمی اندر بھر گئی ہے۔ اس کو ٹھنڈائی نہیں پہنچی۔

نانی: اس لڑکے کی افتاد تو ماں کے پیٹ سے بگڑی ہوئی ہے۔ آج کل کی لڑکیاں بڑے بوڑھوں کو تمہاری طرح احمق تو سمجھتی ہی ہیں۔ اس نے بھی میرے کہنے پر کبھی خیال نہ کیا۔ اچھوتی کوکھ کو بیٹھے

www.iqbalcyberlibrary.net

بٹھائے روگ لگالیا۔

میں: کیا کچھ کھانے پینے میں بے احتیاطی کی؟

نانی: نہیں۔اس روگ کی روک ان سے نہ ہوسکی۔

میں: اچھی نانی، مجھ کوتو بتاؤ۔کس بات سے اس کی روک ہوتی ہے؟

نانی: آٹا چھاننے میں جو آٹے کا گھیرا زمین پر بن جاتا ہے، اس کولانگھنے سے یہ دکھ ہوجاتا ہے۔ دونوں وقت ملے جائے ضرور جانے سے، کسی کے ساتھ برابر کھڑے ہوکر گلے لگنے سے، دوپٹے کا پلو زمین پر لٹکنے سے، چراغ کا ہاتھ پیٹ کو چھو جانے سے، درخت تلے نہانے سے، دکھ والی کینہانے کا پانی لانگھنے سے۔

میں: تو معلوم ہوتا ہے یہ کوئی بدنی بیماری نہیں۔

نانی: توبہ توبہ! ایک طرح کا آسیب ہے اور آدمی سے آدمی کواڑ کرلگ جاتا ہے۔

میں: آخرسب سے پہلے جس عورت کوہوا ہوگا تو ازخود ہوا ہوگا۔

نانی: خدا کی پناہ! لڑکی، تو بلا کی حجتی ہے۔میں نے کہا نہیں کہ ازخود بھی یہ روگ پیدا ہو جاتا ہے۔

میں: نانی، تم تو خفا ہوتی ہو۔اب تم سے نہ پوچھیں تو کس سے پوچھیں؟

نانی: اے چل مکارہ۔میں خوب سمجھتی ہوں۔تو مجھ کو باتوں میں بتاتی ہے۔

میں: اے ہے، نانی! میں اور تم کو بناؤں گی؟

نانی: بالکل۔تیری ہی سی طبیعت اس لڑکے کی ماں کی تھی۔وہ بھی بات بات میں ناحق کی حجتیں نکالا کرتی تھی۔جب تک جی، خوش نصیب نہ ہوئی۔اب آپ تو چل بسی، آفت ہمارے سر پر ہے۔ اور ماں باپ کے اختیار میں رہتا تو توبہ توبہ! کیا یہ جتیا؟ وہ تو جس دن سے یہ روح پڑی، مجھی سری

www.iqbalcyberlibrary.net

کی تھی کہ ہر طرح کی خبر گیری کرتی رہی۔گنڈے اور توسے اور منتیں اور چڑھاوے، کوئی بات تو میں نے اٹھا نہیں رکھی۔

میں: نانی، بہت ہی برا عقیدہ تمہارا ہے۔توبہ کرو، توبہ۔اب مرنے کے دن قریب آئے۔خدا کو کیا جواب دوگی؟ سوائے خدا کے مرنا جینا بھی کسی کے اختیار میں ہے؟ یہی شرک ہے۔

نانی: خدا برحق اور اس کی قدرت برحق۔یہ باتیں بھی اسی نے بتائی ہیں۔دکھا تو کون سے قرآن میں لکھا ہے کہ بچہ پیٹ میں ہو اور دہرے دہرے گہن پڑیں اور بچے والی آنگن میں چلے پھرے اور کام کرے؟ بتا تو کون سی حدیث میں آیا ہے کہ بچوں کو مکان میں اکیلا چھوڑ دیا کرو اور درختوں کے نیچے بے تامل دودھ پلایا کرو؟

میں: قرآن اور حدیث میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے کہ موت و حیات صرف خدا کے اختیار میں ہے اور بندہ عاجز ہے۔

نہیں اس کے سوا طاقت کسی میں
کہ کام آوے کسی کی بے کسی میں

نانی: بھلا آگ کا کام جلانا ہے یا نہیں؟

میں: ہے اور خدا نے یہ تاثیر آگ میں رکھ دی ہے۔

نانی: بس، نظر اور پرچھانوے میں خدا ہی نے یہ تاثیر رکھی ہے۔

میں: تم نے یہ زبردستی ناحق کی تاثیریں مان رکھی ہیں۔کہیں سے اس کی اصل نہیں پائی جاتی۔

نانی: اے لڑکی! نظر کی تاثیر میں بھی کلام ہے؟ نظر تو مشہور بات ہے۔پتھر کو توڑ دیتی ہے۔آدمی تو آدمی، جانور کی نظر لگ جاتی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میں: کس جانور کی

نانی: کتے کی، چھپکلی کی۔

میں: درو دیوار کی ۔نظر لگنے کی تو غضب ہے۔کوئی زمین کے پردوں میں آدمی جا کر کھائے؟

نانی: زمین کے پردوں میں نہ جائے تو ایسی بے احتیاطی بھی نہ کرے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے کھانے لگے۔تم علاج علاج بہت پکارتی ہو۔دیکھو، ایک یہی نظر ہے۔لاکھ علاج کرو، جب تک وہ چیز نظر والے کو نہ پہنچ جائے گی، کوئی علاج فائدہ کرنے کا نہیں۔

میں: آخر نظر کا کچھ دفعیہ بھی ہے؟

نانی: نظر والے کی پاؤں تلے کی مٹی یا لہسن، پیاز، مرچ چولھے میں جلاتے یا وہی کھانا چوراہے میں رکھوا دیتے ہیں یا نظر والے کو کھلا دیتے یا نظر رسیدہ کے ہاتھ سے گوشت چھوا کر چیلوں کو دے دیتے ہیں۔بعض لوگ کھانے سے پہلے حق نظری نکال کر رکھ چھوڑتے ہیں۔صدقہ دیا، دور بلا۔ثواب کا ثواب علاج کا علاج۔

میں: ثواب نہ علاج۔ثواب تو جب ہے جب خدا واسطے کو دیا جائے۔ایسا دینا تو ایک طرح کی بھینٹ ہوئی۔اور علاج سے تو کچھ علاقہ ہی نہیں۔

نانی: جو کچھ سمجھو۔نظر کے زہر کے اتار کا منتر ہے تو یہ ہے۔

میں: نانی، تم اتنی احتیاط کرتی ہو مگر اس کا اثر تو خاک نظر نہیں آتا۔ہم نے تو تم کو سدا روتے ہی دیکھا۔تم سے ہزار درجہ تو وہ لوگ خوش ہیں جو ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

نانی: بیٹی، میرے رونے کی کچھ نہ پوچھو۔جب سے آنکھ کے نیچے یہ مسا اٹھا، آنسو نہیں تھما۔

میں: پھر اس بے چارے لڑکے کو اسی طرح گھلایئے گا یا کچھ تدبیر بھی کیجیے گا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

نانی: اس کو کھانسی اور بخار دو روگ ہیں۔ کھانسی کو تو ابھی چار دن اور میں نہیں چھیڑتی۔

میں: کیوں؟

نانی: اس کی کھانسی کالی کھانسی ہے۔ اور اس کی بڑی عمدہ دوا یہ ہے کہ کالے گھوڑے کے سوار سے پوچھے، اور وہ جو کہے سو کرے۔ سو گیارہ دن ہوئے ایک شخص کالے ٹٹو پر چڑھا جاتا تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے کہا دو ہفتے میں آپ اچھی ہو جائے گی۔ رہا بخار سو اس کی منتیں اتارنی مقدم ہیں۔ دیکھتی ہو، چار چوٹیاں سر پر ہیں۔ گردن میں ہنسلیوں اور چاندوں کا ڈھیر ہو گیا ہے۔ کہیں کی چادر دینی ہے، کہیں کا بکرا مانا ہوا ہے۔ یہ منتیں اتریں تو بخار کو اترا سمجھو۔ تکلیف اس کو ہے، میں جانتی ہوں۔ مگر میری خاطر جمع ہے۔ میں خواب میں اس کو مردہ دیکھ چکی ہوں اور جس کو مردہ دیکھو اس کی زندگی دراز ہوتی ہے۔ غرض کہ ہزار ہزار تدبیر کی کہ علاج ہو، نہ ہوا۔ آب وہوا کی تبدیلی سے خود بخود لڑکے کی طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی تھی کہ یکا یک سنا کہ نانی کل جا رہی ہیں۔

میں: اچھی نانی، ایسی جلدی؟

نانی: ہاں بوا، مکان اچھا نہیں۔ کیا کروں؟

میں: ہاں کچھ بند بند سا ہے، ہوا کم لگتی ہوگی۔ رات کو بالا خانے پر سو رہا کرو۔

نانی: آگ لگے اس گھر کو اور اس کے بالا خانے کو۔ کوئی آدمیوں کے رہنے کا ہے؟

میں: نانی، ایسا بہت چھوٹا تو نہیں ہے۔ اور بالا خانہ تو خوب ہی ہوادار ہے۔ نیچے کا صحن البتہ بچا بچا ہے۔

نانی: تم ہوا ہی کو پیٹتی ہو۔ رات بھر بچہ اچھل اچھل پڑتا ہے اور کچھ ایسا بھیانک بھیانک کہ خود مجھ ہی کو ڈر لگتا ہے۔ تمام رات برے برے خواب نظر آتے ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میں: کبھی کچھ آنکھوں سے بھی دیکھا؟

نانی: جھوٹ کیوں کر کہہ دوں۔ دیکھا بھالا تو کچھ نہیں۔ خدا نہ دکھائے۔ مگر نہیں بوا، مکان برا ہی ہے۔

میں: اچھی، کیا برائی ہے؟

نانی: تمام رات تو کم بخت بلیاں روتی ہیں۔ پچھواڑے بڑ کا درخت ہے، اس پر الو رہتا ہے۔ رات کو جب آنکھ کھلے، گلی میں کتوں کو روتے سنو۔ کوٹھا سب سے زیادہ خراب ہے۔

میں: دو برس تک ایک کرایہ دار بال بچوں سمیت اسی کوٹھے پر رہا۔ ہم نے تو کچھ شکایت نہیں سنی۔

نانی: اس کے اٹھ جانے پر خراب ہو گیا ہو گا۔

میں: اچھی، ایسا بھی ہوتا ہے؟

نانی: کیوں؟ اچھے گھر میں چالیس دن چراغ نہ جلے تو اس میں جنات دخل کر لیتے ہیں۔

میں: نانی، شہر کی ہوا لڑکے کو خوب راس آئی ہے۔ دیکھو تو، پہلے کی نسبت ماشاءاللہ کتنا فرق ہے۔ مہینہ سوا مہینہ اور رہ جاؤ۔ لڑکا بالکل اچھا ہو جائے گا۔

نانی: ان کا تو وہی منتوں کا تقاضا تھا، سو میں کر چکی۔ اب کچھ ڈر کی بات نہیں۔ اصل خیر سے ان کی سالگرہ ہوئی اور میں سب کو ساتھ لے کر آئی۔ غرض ایسا وہم دل میں سمایا کہ نہ ٹھہریں پر نہ ٹھہریں۔

دیکھو، ان ہماری نانی کے کیسے خیالات تھے جن کو دین اور عقل سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ سب دیہات میں رہنے کا اثر تھا۔ سب سے بڑا عیب تو دیہات میں یہ ہے۔ دوسرے عورتوں پر کچھ اس طرح کی سختی اور قید ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آٹھ آٹھ اور دس دس برس کی بیاہی ہوئیں اور تین تین چار چار بچوں کی مائیں مگر گھونگھٹ کا بوتڑا چڑھا ہوا ہے۔ بات چیت سے معذور۔ گفت و شنید سے محروم۔ غرض کہ شرعی پردہ داری کے ساتھ جو آزادی عورتوں کو حاصل ہونی چاہیے، دیہات میں

www.iqbalcyberlibrary.net

میسر نہیں۔ غلامی کی حالت میں بے چاریوں کی زندگی بسر ہوتی ہے۔

از بسکہ حسن آرا کی منگنی جھجھر میں ہوئی تھی، اس بات کو سن کر ایسے سناٹے میں آئی کہ پھر بولی ہی نہیں۔ جب شام ہونے آئی، استانی جی نے کہا: لڑکیو! تم کو خدا کی سنوار ہے۔ مسیح الملک کی کہانی کو کچھ ایسی گھڑی تہہ کیا ہے کہ پھر اس کا نام تک نہیں لیا۔ کوئی معمول ہو، ایک روز بھی ناغہ ہو جاتا ہے تو چالیس دن کی برکت اڑ جاتی ہے۔ تم کو کہانیوں میں کھیل سوجھتا ہے اور میں سبق سے بڑھ کر ان کو ضرور سمجھتی ہوں۔۔۔۔ جاؤ کتاب نکال لاؤ۔

حسن آرا نے مسیح الملک کی کہانی پڑھ کر سنائی

اس اثنا میں حسن آرا نے بھی چپکے چپکے اتنی استعداد پیدا کر لی تھی کہ عبارت پڑھ سکتی تھی۔ فراٹے کے ساتھ تو نہیں پڑھا جاتا تھا مگر اٹکتی بھی نہ تھی۔ شاذ و نادر کوئی عربی فارسی کا لفظ آ گیا تو ذرا کے ذرا رکی اور چل نکلی۔ کہانیوں کا نام سن کر حسن آرا کے دل میں گدگدی ہونے لگی اور محمودہ کے پاس جا کر آہستہ سے کہا کہ آج جی چاہتا ہے کہ میں پڑھوں۔

محمودہ: بسم اللہ۔

حسن آرا: استانی جی سے کہتے شرم آتی ہے۔

محمودہ: شرم کی کیا بات ہے؟ میں کہہ دوں؟

حسن آرا: کسی کو میرے پڑھنے کا حال معلوم نہیں۔ سن کر تعجب ہوگا۔

محمودہ: ہوگا تو سہی۔

حسن آرا: سب کان لگا کر سنیں گی۔ ایسا نہ ہو میری سٹی بھول جائے۔

محمودہ: ان میں کوئی اجنبی آدمی نہیں ہے۔ پڑھنے میں کتاب کے سوائے تم دوسری طرف

www.iqbalcyberlibrary.net

خیال نہ کرنا۔

حسن آرا: آگے کی کہانی کچھ بہت مشکل ہے؟

محمودہ: نہیں۔منتخب حکایات تم بے تامل پڑھتی ہو۔اس سے تو کہیں زیادہ سہل ہے۔

حسن آرا: تم میرے پاس بیٹھنا۔

محمودہ: ضرور۔

حسن آرا: استانی جی تو کچھ خفا نہ ہوں گی؟

محمودہ: خفا کیوں ہونے لگیں؟

حسن آرا: اے ہے! جی ڈرتا ہے۔

محمودہ: استانی جی کی خفگی سے؟

حسن آرا: نہیں۔سب کے سامنے پڑھنے سے۔

محمودہ: ای آنکھیں نیچی کیے تم پڑھ چلنا۔

اتنے میں رابعہ کتاب نکال، پہنچی۔ جونہی چاہتی تھی کہ پڑھے، محمودہ نے کہا، استانی جی آج حکم ہو تو حسن آرا کہانی پڑھیں؟ یہ سن کر سب کو حیرت ہوئی۔

استانی جی: ہاں۔

محمودہ: حسن آرا بیگم کئی مہینے مجھ سے چپکے چپکے پڑھتی تھیں۔اب عبارت پڑھنے لگی ہیں۔

استانی جی: شروع میں ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے پڑھنے کو کہا تھا۔ میں نے اس خیال سے روک دیا کہ ان کا شوق خوب تیز ہولے، تب شروع کراؤں۔پھر انہوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ میں سمجھی، ابھی ارادہ نہ ہوگا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

محمودہ: جناب، اسی دن انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ماشاء اللہ ایسا ذہن ہے کہ میں نے تو نہیں

دیکھا۔ ایک دن میں تو انہوں نے ساری الف بے پہچان لی تھی اور کچھ ایسا حافظہ خدا نے دیا ہے کہ جو پڑھا بس پتھر کی لکیر۔

غیرت اور غور

استانی جی: حسن آرا بیگم، محمودہ سے تمہارے پڑھنے کا حال سن کر میں بہت خوش ہوئی اور اتنی تھوڑی مدت میں جو تم نے عبارت پڑھ لینے کی استعداد حاصل کی، میں سب لڑکیوں کے روبرو تم کو اس کی شاباش دیتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ محمودہ سے چھپ کر پڑھنے کا یہ سبب ہوا ہے کہ تمہاری غیرت نے چھوٹی لڑکیوں کے روبرو جو کتابیں پڑھتی ہیں، الف بے پڑھنا پسند نہیں کیا۔ میں تمہاری اس غیرت پر آفرین کہتی ہوں۔

غیرت آدمی کو خدا نے اسی واسطے دی ہے کہ وہ نیک کاموں میں اس سے مدد لے۔ غیرت سستی اور کاہلی کا تازیانہ ہے۔ غیرت سے شوق کو تیزی اور ارادوں کو پائیداری حاصل ہوتی ہے۔ غیرت ہمارے حق میں امداد الٰہی اور تائید غیبی ہے۔ مشکلوں پر غالب آنے اور دقتوں کو رفع کرنے کے لیے غیرت ایک عمدہ ہتھیار ہے۔ غیرت محنت کو راحت اور تکان کو آسائش دیتی ہے۔ غیرت ہمارے دلوں کی توانائی اور ہماری جانوں کی قوت ہے۔ غیرت وہ تیر ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ غیرت وہ تدبیر ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ کامیابی اور فتح مندی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے مزاج غیور ہوں، اور اقبال مند ہیں وہی جو غیرت مند ہوں۔ حسن آرا بیگم، ہزاروں خوبیوں کی ایک خوبی تم میں یہ غیرت ہے۔ اے لڑکیو، تم سب اس کا اہتمام کرو کہ تمہاری غیرتیں ماند اور مدھم نہ

www.iqbalcyberlibrary.net

ہونے پائیں۔

حسن آرا بیگم، یہ دو تین مہینے جو تم نے پڑھنے میں صرف کیے، تم خود سمجھ گئی ہو گی کہ تمہاری عمر کا یہ بہت چھوٹا سا حصہ کیسا عمدہ تھا۔ ایسے ایسے نہیں معلوم کتنے ہم تم نے باتوں اور نیند میں ضائع کر دیئے اور اگر اس وقت کی طرح ان کو بھی کام کی باتوں میں لگاتیں تو کیا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا ہوتا۔ افسوس! آدمی وقت پر قابو پا کر اس کو اکارت کرے۔ حسن آرا بیگم، اب تم نے اس نیک کام کو شروع کیا ہے تو تندہی سے اس کو ختم تک پہنچاؤ۔ وہ شخص جو شوق کرتا ہے مگر ناتمام، اور ارادہ کرتا ہے مگر ناقص، اس سے زیادہ برا ہے جو بالکل بے شوق ہے۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ جن لوگوں نے تمہارا پڑھنا سنا، وہ کبھی یہ بھی سنیں کہ حسن آرا بیگم نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ حسن آرا بیگم، کسی آدمی کو اپنی نادانی کی انتہا معلوم نہیں۔ جس کو جتنا آتا ہے۔ وہ اس چوہے کی طرح ہے جو ہلدی کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے آپ کو عطار خیال کرتا ہے، بڑا عالم خیال کرتا ہے اور تھوڑی سی معلومات پر فخر کیا کرتا ہے۔ عجب نہیں کہ تم کو بھی اپنی حالت پر ناز ہو کہ جو کتاب سامنے آ جائے، میں پڑھ سکتی ہوں اور سب کچھ مجھ کو آ گیا۔ خبردار! ہرگز ہرگز ایسا خیال اپنے دل میں مت آنے دینا۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ دریائے علم کی تھا۔ کسی نے نہیں پائی۔ عبارت پڑھ لینے کو علم نہیں کہتے۔ یہ تو علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ علم میں وہ باتیں ہیں جو کتابوں میں لکھی ہیں۔ حساب، جغرافیہ، اخلاق، طبیعات، طب، صرف ونحو، منطق، ہندسہ، ریاضی وغیرہ۔

حسن آرا بیگم، بہت چیزوں کے جاننے اور بہت کتابوں کے پڑھنے سے چنداں فائدہ نہیں ہے۔ تمام تر علموں کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ہر ایک چیز کی اصل اور ہر ایک بات کی تہہ کو دریافت کرے۔ تم شروع سے سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو۔ کوئی چیز جو دیکھو، اس کی حقیقت اور

www.iqbalcyberlibrary.net

کوئی بات جو سنو اس کی وجہ سوچنی چاہیے۔ جو چیزیں ہم رات دن دیکھتے ہیں، کچھ ایسی سرسری نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا ان سے بالکل بے خبر ہیں۔ پانی، ہوا، درخت، غلہ، کپڑا، زیور، برتن بلکہ ضرورت اور خانہ داری کی سب چیزیں۔ آسمان، ستارے۔ کبھی کسی نے غور کیا ہے کہ کیا ہیں؟ اور جنھوں نے کیا تو سمجھا کہ ایک ایک چیز بجائے خود ایک علم ہے۔ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

برگِ درختانِ سبز، در نظرِ ہوشیار

ہر ورقے دفتریست، معرفت کردگار

غرض ذہن کو غور و فکر کی عادت رہے اور عقل کو تفتیش کا روگ لگ جائے۔ یک من علم را دہ من عقل باید کا یہی تو مطلب ہے۔ ورنہ طوطے کی طرح پڑھا بھی تو کیا۔ کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا۔ ہاں صاحب، اب کہانی شروع ہو۔

پھر حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا۔ دو چار جملوں تک تو زبان لڑکھڑائی، مگر پھر صاف پڑھنے لگی۔ مسیح الملک کی باقی حکایت اس کا بعد معزولی حج کو جانا اور اس کی بیٹی پر ناز پروردہ کا جس نے امیر زادیوں کی تربیت پائی تھی، بدوؤں کے ہاتھ میں ہوشمند کنیز کے ساتھ گرفتار ہونا اور اس حالت بے ہنری سے تکلیف پانا اور ہوشمند کی کوشش سے رہا ہونا۔

مسیح الملک کی شامت جو آئی، بیٹی کا بیاہ کرنے اٹھے۔ پہلا کام تھا۔ پس و پیش کچھ نہ سوچا۔ لوگوں کے حق مار مار کر زور و ظلم سے جو کچھ جمع کیا تھا، سب خرچ کر ڈالا۔ بلکہ ہزاروں کا قرضہ سر کر لیا اور نام و نمود کے پیچھے مر مٹے۔ شادی کے سامان دیکھ کر جہاں پناہ کو بدگمانی ہوئی اور ستم رسیدوں کو کہنے سننے کا موقع ملا۔ غرض دفتر شاہی سے نام کٹ گیا۔ نام کا کٹنا تھا کہ قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کیا۔ متوسلان شاہی ناراض تو تھے ہی، راہ میں چلتے پھرتے آوازے کسنے لگے۔ مسیح

www.iqbalcyberlibrary.net

الملک سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑی کہ کعبتہ اللہ جائیں۔ تو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ سفر کا نام سن کر نوکروں چاکروں نے ٹکا سا جواب دیا۔ گھر کے لونڈی غلام کنی کاٹ گئے۔ اتنی بڑی بھیڑ میں سے صرف ایک کنیز ہوشمند نام ساتھ ہوئی۔ اس کو حکیم صاحب کی چھوٹی بیٹی ناز پروردہ کے ساتھ کھیلنے اور ہم عمری کی وجہ سے بڑی محبت تھی۔ اور اسی تعلق سے اس نے ناز پروردہ کی رفاقت اختیار کی۔

ہوشمند تھی تو کنیز زادی، مگر بڑی عقل مند اور صاحب شعور تھی۔ مگر اس کی عقل آزادی چاہتی تھی۔ اپنی حالت کو ناپسند کرتی اور جی ہی جی میں غور کرتی کہ گھر میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک تو خود گھر والے، جس کو ہر طرح کا آرام اور اختیار حاصل ہے۔ دوسرے نوکر، کہ یہ لوگ گھر والوں کی ٹہل اور خدمت تو کرتے ہیں مگر خاطر خواہ اپنی مزدوری لیتے ہیں۔ اور جو نوکری سے ناخوش ہوتا ہے تو چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ تیسرے ہم لوگ ہیں جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں۔ ہماری محنت اور مصیبت کی کچھ انتہا نہیں۔ نہ ہم کہیں چھوڑ کر جا سکتے ہیں، نہ کچھ تنخواہ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ سب میں ہم ہی کم بخت گئے گزرے ہوئے ہیں۔ ہوشمند اس کے سبب کی تفتیش میں تھی کہ آخر میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کی پاداش میں مجھ کو عمر قید ہے۔ بہتیرا سوچتی، کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ دو ایک مرتبہ اس نے قصد کیا کہ ہم جنسوں میں اس کا تذکرہ کرے مگر کسی کو اس دل و دماغ کا نہ پایا۔ وہ لوگ سب کے سب اسی قدر عقل رکھتے تھے کہ کسی دن کام زیادہ پڑ گیا یا مارے پیٹے گئے تھوڑی دیر کو رو ئے دھوئے، پھر ویسے کے ویسے چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل گئی

مگر ہوشمند تو ہمیشہ اپنے تئیں لیے دیئے رہتی تھی۔ مارنا پیٹنا کیسا، سخت بات بھی کہتا تو مہینوں اس پر صدمہ رہتا۔ ہر وقت اپنی حالت اس کو پیش نظر رہتی اور اس وجہ سے سدا اداس رہا کرتی

www.iqbalcyberlibrary.net

تھی۔ اکیلی ہوتی تو کبھی اپنی مصیبت پر رویا کرتی۔ آزادی کا تصور اس کے ذہن میں ایسا سمایا تھا کہ کوئی چیز اس کو خوش نہ آتی۔ اور جس قدر ہوشمند آزادی کی خواہش مند تھی، اسی قدر گھر والوں میں ذلیل تھی۔ خصوصاً ناز پروردہ اس کی دماغ داری سے نہایت جلتی اور کہا کرتی تھی کہ لونڈی ہوکر اس کے یہ دماغ ہیں۔ جھونپڑوں میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا۔ ہوشمند نے اپنے ذہن میں چپکے چپکے اپنی نسبت یہ تحقیق کیا کہ چورانوے کے قحط میں اس کی ماں کو اس کا نانا دو روٹیوں پر بیچ گیا تھا۔ اس وقت اس کی ماں چھ سات برس کی تھی۔ جب بڑی ہوئی تو حکیم صاحب نے اپنے کسی غلام سے نکاح کر دیا۔ یہی ہوشمند ایک لڑکی ہوئی تھی کہ ماں باپ دونوں مر گئے۔

ہوشمند کو جب یہ حال دریافت ہوا تو دل میں کہنے لگی کہ البتہ اس گھر کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ مجھ کو اور میری ماں کو پرورش کیا۔ مگر نرے حق پرورش سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام عمر کے لیے اسی ذلت اور مصیبت میں رکھی جاؤں۔ حق پرورش جیسا مجھ پر ویسا ہی گھر کے بال بچوں پر۔ پس کیا سبب کہ میں بڑی ہوکر لونڈی رہوں اور یہ لوگ برابری کے درجے میں سمجھے جائیں۔ یہی نا کہ میرا نانا قحط میں دو روٹیوں کا حاجت مند تھا۔ اور اس وقت دو روٹیاں دے کر ان لوگوں کو میرے نانا کی مدد کرنی فرض تھی۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر لوگ سلوک کرتے ہیں۔ لیکن کوئی کسی غلام کو نہیں بنا لیتا۔ اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ نانا نے میری ماں کو بیچ کیوں کر دیا؟ ضرور میری ماں ان کی بیٹی تھی مگر کسی کو کسی کے بیچ دینے کا اختیار تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

غرض اسی طرح کے بیسیوں منصوبے ہوشمند کے ذہن میں بھرے تھے۔ جب حکیم کا نام بگڑا اور سب لونڈی غلام شتر بے مہار کی طرح چلتے پھرتے نظر آئے۔ ہوشمند کی نسبت بھی کسی کو اطمینان نہ تھا۔ بلکہ سب کے بعد اس کا ٹھہرا رہنا اور کار خدمت میں پہلے سے زیادہ مستعد ہونا ہر ایک کو

www.iqbalcyberlibrary.net

موجب حیرت تھا۔ آخر جب روانگی میں دو دن رہ گئے تو ناز پروردہ نے خود کہا کہ کیوں ہوشمند، وہ آزادی جس کی تمنا تجھ کو برسوں سے تھی اب یہ وقت ہے، بسم اللہ، جہاں جی چاہے چلی جا۔ ہوشمند نے کہا، البتہ میں آزادی کی بڑی قدر کرتی ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں۔ آپ سے جدائی اختیار کروں۔ دنیا میں اس گھر کے سوا مجھ کو کسی سے تعلق نہیں۔ اگر اس بگڑے وقت میں میری جان بھی آپ کے کام آئے اور حق نمک اور حق پرورش ادا ہو جائے تو مجھ کو اس کے صرف کرنے میں بھی انشاء اللہ دریغ نہ ہوگا۔

غرض حکیم صاحب بی بی اور چھوٹی بیٹی اور ہوشمند کو ساتھ لے بمبئی پہنچے اور یہاں جواہر بیش بہا جو پاس تھے، بیچ، سامان ضروری اور نقد روپیہ جہاز میں رکھ، سولہویں دن جدے جا داخل ہوئے۔ حج کو ابھی بہت توقف تھا۔ یہ صلاح ہوئی کہ چلو، پہلے مدینہ شریف ہو آئیں کہ راہ میں بدوؤں نے آگھیرا۔ مال و متاع ذرا ذرا کر کے لوٹ لیا۔ ہوشمند اور ناز پروردہ دونوں کو جابر بدوی پکڑ کر لے گیا اور گھر لے جا، بی بی کے حوالے کیا کہ ان دونوں کو لونڈی بنا اور گھر کی ٹہل خدمت ان سے لے۔ جب ریحانہ اور ضمیرا ان کا نکاح کریں گے تو یہی لونڈیاں ان کے جہیز میں دیں گے۔

بےچاری ناز پروردہ کے حق میں تو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ گھر چھوٹا، دیس چھوٹا، ماں باپ چھوٹے، عزیز و یگانہ چھوٹے، بیگم سے لونڈی بنی اور اس پر طرہ یہ کہ لونڈی بھی بنی تو نکمی اور ذلیل۔ جابر کے چھالیہ کترنی نہ تھی، پان بنانے نہ تھے ورنہ شاید قہر درویش بر جان درویش ناز پروردہ کر بھی گزرتی۔ یہاں تو بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کو چرانا، پانی پلانا، دودھ دوہنا، گھر کا پیسنا پکانا، یہ کام تھے۔ سو ان میں کوئی بھی ناز پروردہ کے بس کا نہ تھا۔ اس کو دن رات رونے سے کام تھا۔ اس کی مصیبت کو دیکھ دیکھ ہوشمند کا کلیجا بھی منہ کو آجاتا تھا۔ دو چار دن کو کسی نے ان سے کچھ پوچھا نہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

جابر اپنی بیٹیوں سے شاید ان کے بارے میں کچھ کہتا سنتا ہو۔ وہ انہوں نے سمجھا نہیں۔ ناز پروردہ تو روتی ہی رہی۔ مگر ہوشمند نے گھر کے کام کاج میں ہاتھ لگانا شروع کر دیا۔

ایک دن جابر اپنی بی بی سے باتیں کرتا تھا اور ناز پروردہ کی طرف آنکھیں نکال نکال دیکھتا بھی جاتا تھا۔ ہوشمند سمجھی کہ اس کو ناز پروردہ کا رونا اور کام نہ کرنا ناگوار ہے۔ ڈری اور ناز پروردہ سے جا کر کہا کہ تقدیر کا جو لکھا تھا سو ہوا اور جو کچھ اور لکھا ہے، ہوگا۔ مگر رونے سے کیا ہوگا؟ پانچ پانچ چھ چھ دن ہوئے، دانہ تک آپ کے منہ میں نہیں گیا۔ آنکھیں تمام سوج گئی ہیں۔ ذرا دل کو مضبوط کیجیے۔ یہ کہنا تھا کہ ناز پروردہ اور بھی بے اختیار رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہوشمند نے کہنا شروع کیا کہ رونا کچھ آج تھوڑا ہی ختم ہوا جاتا ہے۔ یہ تو عمر بھر کا روگ ہے۔ جئیں گے تو بہتیرا روئیں گے۔

ناز پروردہ: کیا کروں؟ دل ہے کہ امڈا چلا آتا ہے، اندر سے۔

ہوشمند: سچ ہے۔ مصیبت ہی مصیبت ہے۔ جتنا رنج کیجیے، تھوڑا ہے۔ مگر میں کہتی ہوں اس کا انجام کیا ہوگا؟

ناز پروردہ: میں اسی طرح اپنی جان دوں گی۔

ہوشمند: اے کاش! جان کا دینا اپنے اختیار میں ہوتا تو بھلی ہی بات نہ ہوتی، مجھ کو مرنا قبول ہے مگر آپ کی تکلیف دیکھنے کا یارا نہیں۔

ناز پروردہ: میں اسی طرح اپنی جان دوں گی۔

ہوشمند: اے کاش! جان کا دینا اپنے اختیار میں ہوتا تو بھلی ہی بات ہی نہ ہوتی، مجھ کو مرنا قبول ہے مگر آپ کی تکلیف دیکھنے کا یارا نہیں۔

ناز پروردہ: غش پہ غش تو مجھ کو آنے ہی لگے ہیں، دو ایک دن میں جان بھی نکل جائے گی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

ہوشمند: سب کچھ تو ہوا، مگر خدا نے اس وقت تک بے حرمتی نہیں کی۔ اب مجھ کو اس کا بھی کھٹکا ہے۔

ناز پروردہ: (یہ سن کر چونک پڑی اور پوچھا) کیا؟

ہوشمند: وہ بدو ہم کو پکڑ لایا ہے، اس کا نام جابر ہے۔ آج وہ اپنی بی بی سے باتیں کر رہا تھا اور آپ کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھتا جاتا تھا۔ اس کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔

ناز پروردہ: تم کو کیا معلوم ہوا کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ (آج یہ پہلا موقع تھا کہ ناز پروردہ ساری عمر میں ہوشمند سے تم کہہ کر بولی)

ہوشمند: میرے قیاس میں وہ یہی چاہتا ہے کہ آپ رونا دھونا موقوف کر کے کام کاج کریں۔ یہ سننا تھا کہ ناز پروردہ پھر بے تاب ہو گئی اور بہت دیر کے بعد سنبھل کر کہنے لگی کہ اگر میں اس کی مرضی کے موافق نہ کروں گی تو یہی نا کہ مجھ کو مار ڈالے گا۔ سو میں خود جان دینے کو موجود ہوں۔

ہوشمند: مرنے پر آپ سے زیادہ میں دلیر ہوں۔ مگر وہی خوف ہے کہ شاید اس نے جان سے نہ مارا اور کچھ بے حرمتی کی۔

ناز پروردہ: پھر کیا کرنا چاہیے؟

ہوشمند: سنگ آمد و سخت آمد اٹھا چاہیے۔

ناز پروردہ: تم جانتی ہو، مجھ کو کوئی کام کرنا نہیں آتا۔

ہوشمند: کام تو میں کر لوں گی۔ صرف آپ میرے ساتھ چلتی پھرتی رہیے۔

ناز پروردہ: کیا یہاں سے رہائی کی کوئی تدبیر نہیں؟

ہوشمند: کون تدبیر ہے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

ناز پروردہ: رات کو چھپ کر بھاگ چلیں۔

ہوشمند: اجنبی ملک، اجنبی لوگ، نہ شہروں کے نام معلوم، نہ کہیں کی راہ معلوم۔ پاؤں میں چلنے کا جوتا نہیں۔ کہاں بھاگ کر جا سکتے ہیں؟

ناز پروردہ: ابا کی کچھ خبر نہیں؟

ہوشمند: کچھ نہیں۔

ناز پروردہ: یہ جابر تو ضرور جانتا ہوگا۔

ہوشمند: بے شک۔ مگر پوچھے کون؟ اول تو اس کی بولی نہیں آتی۔ دوسرے وہ کچھ اس طرح کا مزاج آدمی معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی بیٹیوں کا اس کی صورت دیکھنے سے دم فنا ہوتا ہے۔ ڈر کے مارے سامنے تک تو جاتی نہیں۔

ناز پروردہ: عورتوں میں کوئی بھلی مانس ہے؟

ہوشمند: ابھی کیا معلوم۔ مگر بڑی بیٹی ضمیراں کچھ ملنسار معلوم ہوتی ہے۔ وہ جب ہم لوگوں کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی نگاہ میں رحم پایا جاتا ہے۔

ناز پروردہ: چلو، اسی سے اپنی مصیبت بیان کرتے ہیں۔

ہوشمند: کس زبان میں؟

ناز پروردہ: کچھ اشاروں ہی سے اس کو سمجھائیں۔

ہوشمند: ابھی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

ناز پروردہ: زبان کے نہ جاننے سے کیسی خرابی آ بنی ہے؟

ہوشمند: میں تو سمجھتی ہوں کہ زبان کا نہ جاننا اس وقت ہم کو بہت فائدہ دے رہا ہے۔ اول تو

www.iqbalcyberlibrary.net

اگر ہم کوئی کام ان کی مرضی کے مطابق نہ کر سکیں تو نہ سمجھنے کا عذر معقول ہے۔ دوسرے میرے اور آپ کے ارادے ان پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ بے تکلف ہم لوگ باتیں کیا کریں، ان کو خاک خبر نہیں ہوتی۔

ناز پروردہ: جابر کی بی بی اور بیٹیاں تو اپنے ہاتھوں سب کام کرتی ہیں۔ اب کیا یہ لوگ سب کام ہمارے سر ڈال کر الگ ہو جائیں گے؟

ہوشمند: نہیں۔ یہ تو ان لوگوں میں ایک بڑا عمدہ دستور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ لونڈی غلاموں کو کام اور کھانے اور کپڑے اور سب باتوں میں گھر والوں کے ساتھ برابر رکھتے ہیں۔

غرض ہوشمند کی ڈھارس دلانے سے ناز پروردہ بھی اٹھنے بیٹھنے لگی۔ مگر کام کی عادت تو تھی ہی نہیں۔ اس پر دل غم زدہ۔ کچھ ہوتا ہواتا نہ تھا۔ اور بے سلیقگی کے سبب سے جس کام کو ہاتھ بھی لگاتی، خراب کر دیتی۔ جابر کے گھر والے اس کو نری احمق اور کام چور جانتے تھے۔ وہ تو ہوشمند ہر ایک کام میں اس کی شریک ہو جاتی تھی۔ اس سے ناز پروردہ کا پردہ ڈھکا چلا گیا ورنہ خدا جانے کیا نوبت آتی۔ ہوشمند اپنی ہڈیاں پیلتی اور اکیلے دم پر تمام مصیبت جھیلتی۔ مگر ناز پروردہ کی تکلیف گوارا نہ کرتی اور جہاں تک ہو سکتا، اس کو کسی کام میں ہاتھ نہ لگانے دیتی۔

جابر بدوی کے گھر جا کر ناز پروردہ کو اپنی ساری حقیقت کھل گئی۔ ہوشمند کے ساتھ اپنی حالت کا مقابلہ کرتی تو آپ اپنی نظروں میں تھوڑی ہو کر رہ جاتی۔ اب اس نے جانا کہ جن لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھتی تھی، واقع میں وہی بڑے کام کے تھے اور میں ہی بڑی نکمی، بے مصرف، دوسروں کی محتاج اور دوسروں کی دست نگر ہوں۔ اب اس نے سمجھا کہ آزادی کیا چیز ہے۔ اور دوسروں کی لونڈی ہو کر رہنا کتنی تکلیف کی بات ہے۔ اب اس کو ہوشمند کی قدر آئی کہ آزادی کی تمنا

www.iqbalcyberlibrary.net

اس کو بے جانہ تھی۔ اس پر بھی یہ غنیمت تھا کہ جابر کے گھر یہ دونوں ایسی ذلیل نہ تھیں جیسی اس کے اپنے گھر کی لونڈیاں۔ یہاں تو جس طرح ضمیراں اور ریحانہ جابر کی دونوں بیٹیاں رہتی تھیں، اسی طرح ناز پروردہ اور ہوشمند تھیں۔ کھانا ایک، کپڑا ایک، سب کام برابر'۔ یہ نہیں کہ دلی، لکھنوء کی بیگموں کی طرح جابر کی بی بی، بیٹیاں پلنگوں پر لدی بیٹھی رہیں اور ہل کر پانی نہ پئیں۔ کچھ ایک جابر پر کیا موقوف تھا، اس ملک کا دستور ہی ایسا ہے۔ کیسے ہی بڑے امیر کیوں نہ ہوں، کام کرنا عار نہیں سمجھتے۔ جابر تھا تو لٹیرا، مگر خوشحال تھا۔ سو اونٹ تو لدو تھے۔ ہزار کے قریب بھیڑ بکریاں ہوں گی۔ یہی اس کا دھن دولت تھا۔ اور جو کبھی برس دو برس میں کچھ لوٹ ہاتھ لگ گئی تو وہ علاوہ۔ بایں ہمہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی زندگی نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ گزر رہی تھی۔ ہر شخص سیر چشم، انسان نواز، سخی، دلیر، محنتی، جفا کش، وعدے کا سچا اور قول کا پکا۔ ہر چند یہ کہ سب باتیں مدت تک ناز پروردہ کو عجیب معلوم ہوتی رہیں، مگر چونکہ سب میں نیکی کا پرتو تھا، رفتہ رفتہ ناز پروردہ ان کو پسند کرنے لگی اور ہوشمند سے کبھی کبھی کہا بھی کرتی کہ یہ جنگلی بدو گو وحشی ہیں۔ مگر بہت باتوں میں ان میں شہر والوں سے بہتر پاتی ہوں۔

ہوشمند: ایک بات تو مجھ کو بھی اس ملک کی بہت پسند آئی۔ وہ یہ کہ عورت کی اس طرف زیادہ قدر ہے۔

ناز پروردہ: آخر اس کا سبب کیا معلوم ہوتا ہے؟

ہوشمند: ایک تو یہ عورتیں اپنی رائے سے شادی کرتی ہیں۔ اب دیکھیے، ضمیراں کی باتیں ادھر ادھر سے آتی ہیں اور ضمیراں بے تامل ان سے گفتگو کرتی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں اول تو ایسی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں کہ ان کو ایسی باتوں کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ اور جو لڑکی بڑی عمر کی بھی

www.iqbalcyberlibrary.net

ہو جائے تو اپنی شادی میں کچھ بول نہیں سکتی ۔ اس کو بے حیائی قرار دے رکھا ہے ۔ دوسرے عورتوں کی زیادہ قدر رہونے کا سبب ہے اور وہ یہ کہ نکاح کے بارے میں جیسی آزادی مردوں کو ہے، ویسی ہی عورتوں کو ہے ۔ مرد یہاں کئی کئی نکاح کرتے ہیں ۔ عورتوں کا بھی یہی حال ہے ۔ طلاق یہاں عیب نہیں ۔ دوسرا نکاح عورتوں کو منع نہیں ۔ عذرا کا حال آپ کو معلوم ہے ۔ یہ جابر سے ساتویں جگہ ہے ۔ اور پھر دیکھیے، تمام گاؤں میں ساری بیبیاں عذرا کی کیسی عزت کرتی ہیں ۔

نکاح کا تعلق اس ملک میں ایسا قوی تعلق نہیں ہے ۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے ۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے ہیں ۔ مرد ناخوش ہوا، فوراً طلاق دے دی ۔ عورت ناراض ہوئی، جھٹ سے خلع کرلیا ۔ پھر اب یہ نہیں کہ طلاقن ہے تو کوئی اس کو عیب لگائے، نہیں ۔ اس کے ہزاروں خواہاں، سینکڑوں اس کے طالب ۔ ہمارے ہندوستان میں مردوں نے اپنی آزادی تو قائم رکھی ۔ جس کو مقدور ہوا، دو دو، تین تین چار چار بیبیاں کرلیتا ہے مگر عورتوں پر قید ہے ۔ کسی حالت میں دوسرا نکاح نہیں کرسکتیں ۔ اس سبب سے مرد کے مقابلے میں عورت دبی ہوئی ہے ۔

اسی اثنا میں ضمیراں کا نکاح بھی ٹھہر گیا ۔ مغیرہ ان بدوؤں کا ایک سردار تھا ۔ اس کے بیٹے ثابت سے قرار پائی ۔ جابر کے گھر تو بڑی خوشیاں ہونے لگیں مگر ہوشمند اور ناز پروردہ کے غم پھر تازہ ہو گئے ۔ کیونکہ جابر اسی نیت سے ہوشمند اور ناز پروردہ کو لایا تھا کہ انھیں اپنی بیٹیوں کے جہیز میں دے ۔ سو اب ہوشمند اور ناز پروردہ کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کا وقت آ پہنچا ۔ جابر نے ضمیراں کو اختیار دیا کہ ہوشمند اور ناز پروردہ سے جس کو چاہے، پسند کرے ۔ ضمیراں نے ہوشمند ہی کو لیا ۔

ضمیراں مزاج کی ایسی نیک تھی کہ اگر ہوشمند کہتی سنتی تو وہ اس کے عوض ناز پروردہ کو لے لیتی ۔

www.iqbalcyberlibrary.net

مگر باوجودیکہ ناز پروردہ کی جدائی نہایت شاق تھی، ہوشمند نے ضمیراں کے ساتھ اپنا ہی جانا مناسب سمجھا۔ اس واسطے کہ اتنی مدت جابر کے یہاں رہی اور کسی وقت فکر آزادی سے غافل نہ تھی۔ مگر کوئی سبیل نہ نکلی۔ ہر چند کہ کوئی وجہ امید کی نہ تھی مگر ہوشمند کا دل اندر سے خود بخود گواہی دیتا تھا کہ مغیرہ کے گھر جا کر ضرور کوئی صورت رہائی کی نکلے گی۔ اور اس امید کو ہوشمند نے اس طرح وثوق کے ساتھ ناز پروردہ کے روبرو بیان کیا کہ اس کی بھی تسلی ہوگئی۔ ضمیراں کا بیاہ ہوا تو وہ بھی سادہ اور بے تکلف شرعی نکاح تھا اور مہمانی اور جہیز کا سامان بھی اتنا مختصر کہ اگر جابر دہلی یا لکھنؤ میں اتنا مقدور رکھ کر یوں بیٹی کا بیاہ کر لیتا تو دنیا تھڑی تھڑی کرتی۔

غرض ضمیراں ماں باپ سے رخصت ہو کر مغیرہ کے گھر آئی۔ ہوشمند ساتھ تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد کیا اتفاق ہوا کہ ہوشمند ثابت اور ضمیراں کو کھانا کھلاتی تھی۔ ثابت کے ہاتھ پر جو ہوشمند کی نگاہ پڑی تو اس کو بعینہ اسی طرح انگوٹھی پہنے دیکھا جیسی حکیم صاحب پہنے رہا کرتے تھے۔ تا دیر غور سے دیکھتی رہی۔ وہی حلقہ وہی نگیں۔ ایک ایک دو دو دفعہ موقع پا کر ثابت کے سونے کی حالت میں بھی ہوشمند نے اس انگوٹھی کو دیکھا اور اچھی طرح یقین کر لیا کہ ضرور یہ انگوٹھی ہے حکیم صاحب کے ہاتھ کی۔ اب اس بات کے درپے ہوئی کہ یہ انگوٹھی ثابت تک کیوں کر پہنچی۔

بدو بڑے لڑاکے ہوتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ضمیراں کو سسرال گئے ہوئے تیسرا یا چوتھا مہینہ تھا کہ دفعتاً مغیرہ کے یہاں لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں اور اس نے یہ صلاح کی کہ عورتوں کو شیخ بصرہ کے گھر پہنچا دے۔ یہ ایسی بات نہ تھی کہ ہوشمند کو اس کی وجہ معلوم کرنے میں کچھ دقت ہوتی۔ تھوڑی ہی تفتیش سے یہ امر دریافت ہوا کہ مغیرہ بدوؤں کے ایک بڑے گروہ کا سردار ہے اور وہ لوگ جہاں کہیں لوٹ مار کریں، مغیرہ کو گھر بیٹھے عشر

www.iqbalcyberlibrary.net

یعنی دسواں حصہ بھیج دیتے ہیں۔ پارسال حج سے پہلے مدینے کی راہ ہند کا قافلہ لوٹا گیا تھا اور اس لوٹ میں شداد نامی مغیرہ کے گروہ کا ایک شخص بھی شریک تھا۔ اس نے لوٹ میں جس قدر حصہ پایا تھا اس کے عشر کے عوض ایک انگوٹھی جو ثابت کے ہاتھ میں تھی، مغیرہ کو دی اور چند روز ہوئے مغیرہ کو یہ خبر پہنچی کہ شداد میر قافلہ کو بھی پکڑ لایا تھا اور اس کو غلام بنانا چاہا تھا۔ وہ شخص پیر مرد تھا۔ اس نے کہا کہ میں ضعیف ہوں۔ کار وخدمت کے لائق نہیں۔ مجھ کو غلام بنانے سے تجھ کو کیا حاصل ہو گا۔ تب اس نے یہ شرط کی کہ تو مجھ کو ہزار درہم دے تو چھوڑ دوں۔

وہ پیر مرد ہندی طبیب تھا۔ چنانچہ مکے میں اس نے کچھ اپنے پیشے سے کمایا اور کچھ اپنے ہم وطنوں سے لیا اور ہزار درہم شداد کو دیئے۔ مغیرہ نے اس ہزار درہم کا عشر شداد سے مانگ بھیجا۔ شداد نے اس ہزار درہم سے انکار کر دیا۔ مغیرہ کو پکی خبر ملی تھی کہ وہ طبیب ہندی ہنوز مکے میں ہے۔ اس نے اپنے دوست شریف مکہ کی معرفت دریافت کرایا تو ہزار درہم کا ملنا صحیح تھا۔ مغیرہ نے عشر کے لیے تنگ طلبی کی۔ اب تو ہوشمند کو حکیم صاحب کا ٹھیک ٹھیک پتہ مل گیا۔ نہایت خوشی ہوئی اور جی میں کہنے لگی۔ ''ہائے! پر ہوتے تو اسی وقت اڑ کر جاتی اور ناز پرورده کو خوشخبری سناتی۔ حقیقت حال سننے کے ساتھ ہوشمند دل میں منصوبے بنانے لگی کہ حکیم صاحب مکے میں ہیں تو وہاں سال دو سال ہر طرف سے آدمی حج کو جاتے ہیں۔ کہلا بھیجنا کوئی مشکل نہیں۔ مغیرہ اور شداد میں جو لڑائی ہونے والی تھی، حج کے دن قریب آجانے کی وجہ سے وہ بھی ملتوی ہو گئی۔ ہوشمند نے تحقیق کیا تو متوکل نامی ایک معلم مغیرہ کے گاؤں کا رہنے والا، ہندی لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم کے لیے ہر سال مکے میں جایا کرتا تھا۔ یہ شخص ایک طرح کا مجاور تھا۔ ایلملم میں جہاز سے اترتے اترتے ہندیوں کو جا لیا اور دس بیس کو حج کرا دیا۔ انہوں نے اس خدمت کے صلے میں جو کچھ دے دیا، یہی متوکل کی معاش

www.iqbalcyberlibrary.net

تھی۔ متوکل بڑا نیک دل اور خدا پرست آدمی تھا اور بدو اس کے زہد و اتقاء کے بڑے معتقد تھے۔ ہوشمند جو کچھ متغیرہ کے گھر سے پاتی، اپنا پیٹ کاٹ کر، متوکل کے گھر دے آتی۔''

رفتہ رفتہ جب ہوشمند نے متوکل سے اچھی طرح تعارف پیدا کرلیا اور اس کی دیانت داری اور امانت پر اس کو اعتماد ہو گیا تو اس نے متوکل سے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک حاجت ہے۔ وہ یہ کہ آپ مکے جایئے تو شریف مکہ کے پتے سے ایک ہندی طبیب مسیح الملک سے پتہ لگا کر اتنا ان سے کہہ دیجئے گا کہ ناز پروردہ نے جو بحر العرب میں جابر بدوی کے پاس ہے، آپ کو سلام کہا ہے۔ متوکل نے بہت وثوق کے ساتھ وعدہ کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمھارا یہ پیغام میں ضرور مسیح الملک تک پہنچا دوں گا۔

غرض کہ جانے کے ساتھ متوکل نے مسیح الملک کو ڈھونڈا تو جلد ہی سے پتا مل گیا۔ اس واسطے کہ مسیح الملک خود شریف مکہ کے ہاں معالج تھے۔ جوں ہی مسیح الملک نے ناز پروردہ کا نام سنا، بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ متوکل چونکہ خدا پرست آدمی تھا، مسیح الملک کو روتے دیکھ کر پوچھنے لگا کہ اگر اس مصیبت میں مجھ سے کچھ مدد ہو سکے تو انشاء اللہ تعالیٰ میں دریغ نہ کروں گا۔ تب مسیح الملک نے اپنے لوٹے جانے اور قید رہنے کا قصہ بیان کر کے کہا کہ ناز پروردہ مجھ ہی کم بخت کی بیٹی ہے۔ آپ مجھ کو صرف یہ بتا دیجئے کہ اس کی رہائی کی عمدہ تدبیر کیا ہے؟

متوکل نے کہا کہ تمام عرب اگرچہ خودسر ہیں، مگر شریف مکہ کا ادب کرتے ہیں۔ اگر شریف ساعی ہو تو آپ کی بیٹی کی رہائی بہت سہل ہے۔ مسیح الملک یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فوراً شریف مکہ سے جا کر عرض حال کیا۔ شریف نے اسی وقت نامہ لکھ دیا اور اپنا خاص خادم مسیح الملک کے ساتھ کر دیا۔ مسیح الملک خادم شریف کو لے کر بحر العرب میں گیا اور ان کو شریف کا نامہ دیا۔ جابر نے خط

www.iqbalcyberlibrary.net

پڑھنے کے ساتھ مسیح الملک کو بہت خاطر داری کے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہا۔ مسیح الملک نے تامل کیا۔

جابر: یہ امر ہرگز قرین انصاف نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی برس روز سے میرے اہل وعیال میں داخل رہے اور میں اس کے ناموس کا محافظ رہوں اور آپ کو اجنبی سمجھوں۔

غرض جابر مسیح الملک کو گھر کے اندر لے گیا۔ ناز پرور دہ باپ کو دیکھتے ہی دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئی اور جدائی کے حالات جو دونوں کو یاد آئے تو بیٹی باپ دونوں ایسی ڈھاڑیں مار مار روئے کہ جابر کے گھر بھر کے دل ہل گئے۔

وہ رو رو کے اس طرح دونوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے

ناز پرور دہ نے تھمتے کے ساتھ اپنی ماں کی خیریت پوچھی۔

مسیح الملک: تمہاری مفارقت میں زندہ درگور ہے۔

پھر ہر ایک نے اپنی اپنی مصیبت کا تذکرہ کیا۔ مسیح الملک پر، متوکل سے ناز پرور دہ کا سلام اور پتا سن کر ایک شادی مرگ کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اس وقت اس نے متوکل سے کچھ اور نہیں پوچھا تھا۔ اس واسطے کہ مسیح الملک کو اس وقت ہوشمند کا حال معلوم نہیں تھا بلکہ جب اس نے ہوشمند کو ناز پرور دہ کے پاس نہیں پایا تو یہ جانا کہ شاید وہ کہیں اور ہو گی۔ ناز پرور دہ نے مسیح الملک سے پوچھا کہ میرا پتا آپ کو معلوم کیوں کر ہوا؟

مسیح الملک: مجھ سے متوکل نامی ایک معلم نے تمہارا سلام اور پتا بیان کیا۔

ناز پرور دہ: میں متوکل کے نام سے بھی واقف نہیں۔ شاید خدائے تعالیٰ نے میری مصیبت پر رحم

www.iqbalcyberlibrary.net

کر کے

رجال الغیب میں سے کسی کو آپ کے پاس بھیجا ہو یا ہوشمند یہاں تھی، اس نے کسی سے تذکرہ کیا ہو۔ مگر مجھ کو معلوم نہیں۔

مسیح الملک: ہوشمند بھی تمہارے ساتھ تھی؟

ناز پروردہ: شروع سے۔ وہ تو اب پانچواں مہینہ ہے کہ جابر کی بیٹی ضمیراں کے جہیز میں دی گئی اور اس کے ساتھ روانہ ہوئی۔

مسیح الملک: ضمیراں کہاں بیاہی گئی ہے؟

ناز پروردہ: یہاں سے چھ یا سات منزل کوئی مقام عمرانہ ہے۔ وہاں مغیرہ کے بیٹے ثابت سے

مسیح الملک: متوکل کا سخت عجب ہے!

ناز پروردہ: فی الواقع جابر سے پوچھیے۔ شاید کوئی شخص بحرالعرب میں اس نام کا ہو۔ مسیح الملک نے جابر سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہاں تو نہیں، عمران میں ایک معلم ہے۔ تب تو مسیح الملک اور ناز پروردہ کو یقین ہوا کہ اس کی رہائی میں ہوشمند نے تحریک کی ہے۔ تب ناز پروردہ نے ہوشمند کی وفاداریاں اور اس کے احسان اور دلجوئیاں سب مسیح الملک سے بیان کیں۔ مسیح الملک نے دل میں کہا کہ ہرگز اقتضائے حمیت و مروت نہیں ہے کہ میں ناز پروردہ کو لے جاؤں اور ہوشمند کی رہائی میں سعی نہ کروں۔ اس نے یہ سوچ کر عمرانہ جانے کا ارادہ کیا اور جابر سے منزلوں کا حال پوچھنے لگا۔

جابر نے کہا کہ آج شام تک ایک قاصد عمرانہ سے آنے والا ہے۔ اس سے ٹھیک معلوم ہوگا۔

گھڑی بھر رات گئے قاصد آیا اور ہوشمند بھی اس کے ساتھ تھی۔ مسیح الملک کو دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا۔ مسیح الملک نے پوچھا تو حال بیان کیا۔ متوکل جوج سے واپس آیا تو میں نے اپنے پیام

www.iqbalcyberlibrary.net

کا حال اس سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ آپ ملے اور چھوٹی بیگم کی رہائی کی تدبیر ہوگئی اور شریف کا نام لے کر آپ بحر العرب روانہ ہوئے۔ متوکل نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اپنی رہائی کی کچھ فکر نہ کی۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ کو رہائی کی ضرورت نہیں۔ میں تو جہنم کی کنیز ہوں۔ جن کو ضرورت ہے، خدا ان کو نصیب کرے۔ متوکل کو نہیں معلوم کیا سوجھی اور کیا مغیرہ سے کہا۔ غرض مجھ کو آزاد کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں یہ احسان سر نہیں لے سکتی تاوقتیکہ اپنی بی بی کو آزاد نہ دیکھ لوں۔ یہاں قاصد آنے والا تھا۔ مجھ کو اس کے ساتھ کر دیا۔

یوں ختم ہوئی تو سب لڑکیوں نے تعریف کی کہ سبحان اللہ! بڑی عمدہ اور بڑے مزے کی کہانی ہے۔ ہزار آفرین ہوشمند کی وفاداری پر۔

حسن آرا: عرب میں تو لوگ حج کرنے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دینداری کا چرچا زیادہ ہے۔ پھر بدوؤں نے ان بے چاروں کو ناحق کیوں لوٹا اور پرائی بہو بیٹیوں کو پکڑ کر کس طرح لونڈی بنایا؟

استانی جی: کلثوم، تم نے عرب کا جغرافیہ، عرب کی تاریخ، بہت کچھ پڑی ہے۔ وہاں کا حال تو حسن آرا بیگم کو سناؤ۔

عرب کا جغرافیہ اور بدوؤں کے حالات

کلثوم: عرب ایک ویران ملک ہے۔ اس کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بہت کم ہے۔ صدہا کوس کے ریگستان پڑے ہیں جن میں نہ پانی ہے نہ درخت، نہ گاؤں نہ بستی۔ اگر عرب میں مکہ مدینہ نہ ہوتا تو کوئی عرب کی طرف منہ بھی نہ کرتا۔ اور ملکوں میں جو لوگ جاتے ہیں تو آخر کسی غرض سے جاتے ہیں؟ کہیں غلے کی افراط ہے، کہیں میوے کی کثرت، کہیں جواہرات پیدا ہوتے

www.iqbalcyberlibrary.net

ہیں۔غرض کوئی چیز نایاب یا کثرت سے اس ملک میں ہوتی ہے کہ اس کی ضرورت لوگوں کو کھینچ لاتی ہے۔سو عرب میں خدا کا نام ہے۔نہ غلہ نہ میوہ، نہ جواہرات نہ کچھ نہ کچھ۔

محمودہ: کیوں؟ عرب کے اونٹ، عرب کے گھوڑے، تمام جہاں میں نامی ہیں۔اونٹ تو بھلا خیر ہندوستان میں بیکانیر کی طرف پورب کے ملک میں بھی ہوتا ہے مگر گھوڑے جیسے عرب میں عمدہ اور بیش قیمت ہوتے ہیں، کسی ملک میں نہیں ہوتے۔

کلثوم: آپ نے درست کہا۔عرب میں گھوڑے بڑے نفیس ہوتے ہیں۔مگر گھوڑا ایسی عام ضرورت کی چیز نہیں۔عرب میں تجارت کے لیے لوگ بہت کم جاتے ہیں۔البتہ حج کے لیے ہر سال اطراف و جوانب سے لاکھوں آدمی مکے میں جمع ہوتے ہیں، اور بعض دیندار لوگ ہجرت کر کے عرب میں جا رہے ہیں۔وہاں کے اصل باشندے بدو ہیں جن کا نہ کوئی شہر ہے، نہ گھر۔یہ لوگ اس ملک کے کنجڑوں کی طرح خانہ بدوش ہوتے ہیں۔گھر کی جگہ چرمی خیموں میں رہتے ہیں۔بال بچے، مویشی ساتھ لیے پھرتے ہیں۔جہاں پانی قریب ہوا اور مویشیوں کا چارہ پایا، رہ پڑے۔جب پانی گھاس کی تکلیف ہونے لگی، دوسری جگہ جا رہے۔لوٹ کھسوٹ ان کا موروثی پیشہ ہے۔ہر سال حج کے دنوں میں دو چار کمزور قافلے لوٹ لیتے ہیں۔

عام جغرافیہ مختصر

حسن آرا: کیوں بوا کلثوم، یہ سب تم نے کس کتاب میں پڑھا؟

کلثوم: جن کتابوں اور شہروں کا حال لکھا ہوا ہے، ان کو علم جغرافیہ کی کتابیں کہتے ہیں۔اس علم میں بہت سی کتابیں ہیں۔مگر حال میں بابو بینی پرشاد صاحب نے ''جام جہاں نما'' ایک کتاب لکھی ہے۔بڑی اچھی کتاب ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: تمام روئے زمین کے شہروں اور ملکوں کا حال اس میں ہے؟

کلثوم: بے شک۔ تمام روئے زمین کی مختصر کیفیت بھی اس کتاب کے پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے۔ مگر ایشیا اور خاص کر ہندوستان کا حال تو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

حسن آرا: ایشیا، افریقہ کے نئے نئے لفظ سننے میں آتے ہیں۔

نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کا مطلب میں خوب نہیں سمجھتی۔

محمودہ: میں آپ کو سمجھا دوں۔ جس طرح مکان میں ہر ایک حصے کا کچھ نام رکھ لیتے ہیں، غسل خانہ، آبدار خانہ، باورچی خانہ، توشے خانہ، بالا خانہ، صحن، غلام گردش، سائبان، اصطبل خانہ، پائیں باغ، شہ نشیں، دالان کوٹھری وغیرہ، اسی طرح زمین کے حصوں کے نام رکھ لیے ہیں۔ جو حصہ سمندر کے پانی میں ڈوبا ہوا ہے، اس کو بحر اعظم کہتے ہیں اور جو پانی سے کھلا ہے اس کو بر اعظم۔ بحر اعظم کے بھی ٹکڑے کر لیے ہیں: لال سمندر، کالا سمندر، ہند کا سمندر، شمالی جنوبی سمندر۔ انہی ٹکڑوں کے نام میں خشکی کے دو حصے ہیں۔ بڑا پرانی دنیا اور چھوٹا نئی دنیا۔

حسن آرا: نئی پرانی دنیا کیسی؟

محمودہ: نئی دنیا کا حال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا۔ اب کوئی چار سو برس سے معلوم ہوا کہ یہاں بستی ہے۔

نئی دنیا کو امریکہ کہتے ہیں۔ اس کے دو ٹکڑے ہیں: شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ۔ ہم لوگ پرانی دنیا میں رہتے ہیں۔ اس کے تین ٹکڑے ہیں: ایشیا، یورپ، افریقہ۔ ایشیا میں ہندوستان، چین، افغانستان، عرب، ایران، توران وغیرہ ہیں۔ یورپ انگریزوں کا ملک ہے اور افریقہ حبشیوں کا۔ مجمل حال تو یہ ہے اور مفصل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر آپ نقشہ دیکھیے تو خوب سمجھ میں

www.iqbalcyberlibrary.net

آئے ۔ہاجرہ، ذرا وہ کتاب تو دو جس میں نقشے ہیں۔

محمودہ نے ہاجرہ سے کتاب لے کر زمین کا نقشہ حسن آرا کے روبرو پھیلا دیا اور کہا ''دیکھو یہ تمام زمین کی تصویر ہے۔''

کرہ زمین کا نقشہ مع حالات عامہ

حسن آرا: تم تو کہتی تھیں زمین گول ہے۔ یہ چکی کے دو پاٹ الگ کیسے ہیں؟

محمودہ: ان دونوں کو جوڑ کر بیچ میں مٹی یا کچھ اور چیز بھر دو تو ٹھیک زمین کی صورت بن جائے۔ ایک مٹی کا گولا بنا کر اس پر موقع سے ملکوں اور سمندروں اور پہاڑوں اور ندیوں کے نشان بنا دیتے ہیں۔ اس کو کرہ کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں کا کرہ فراش خانے کے مدرسے کی استانی جی نے منگوا بھیجا ہے۔ وہ ہوتا تو اس سے خوب سمجھ میں آتا۔ مگر خیر، اسی نقشے میں دیکھیے کہ نیلی، پیلی، لال، سبز لکیروں سے جو جگہ گھری ہے، وہ تو خشکی ہے، باقی جو جگہ آپ خالی دیکھتی ہیں، وہ تمام سمندر ہے۔

حسن آرا: اچھی، ہر چہار طرف سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا ہے۔

محمودہ: بے شک۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ تین حصے کے قریب سمندر ہے اور ایک حصے کے قریب خشکی۔

حسن آرا: بھلا یہ کنکھجورے کی طرح کیا بنا ہے؟

محمودہ: پہاڑ ہیں۔

حسن آرا: امریکہ میں پہاڑوں کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔

محمودہ: واقعی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: اور یہ لہریے دار لکیریں کیا ہیں؟

محمودہ: دریا ہیں۔

حسن آرا: ہماری دلی اس نقشے میں کہاں ہے؟

محمودہ: دلی اس میں نہیں ملے گی۔ ایک بالشت میں تمام زمین ہے۔ اس میں اتنی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ تمام شہروں کے نام لکھے جائیں۔ ورنہ نقشہ ایسا گچ مچ ہو جاتا کہ پڑھا بھی نہ جاتا۔ مگر دیکھیے، ہندوستان موجود ہے۔

حسن آرا: ایک بڑا کنکھجورا یہاں بھی چل رہا ہے۔

محمودہ: ہاں، یہی ہمالیہ پہاڑ ہے جس میں کشمیر، شملہ، مسوری، لنڈھور، نینی تال وغیرہ مقامات واقع ہیں، جہاں گرمی کے دنوں میں انگریز جا کر رہا کرتے ہیں۔

حسن آرا: بھلا یہ دکن کی طرف ایک بند سا کیا لٹک رہا ہے؟

محمودہ: ہندوؤں کی لنکا جس کے قصے کی نقل رام لیلا اور دسہرے میں ہوتی ہے یہ ایک ٹاپو ہے۔

حسن آرا: خالی میدان میں جو رنگین نقطے سے دیئے ہیں، یہ کیا ہیں؟

محمودہ: چھوٹے چھوٹے ٹاپو۔

حسن آرا: ٹاپو کیا؟

محمودہ: چاروں طرف سمندر، بیچ میں اونچی زمین، جس پر آدمی بس رہے ہیں۔

حسن آرا: ٹاپوؤں کے رہنے والے کہیں آتے جاتے کیوں کر ہوں گے؟

محمودہ: کشتیوں اور جہازوں پر۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: دونوں سروں پر نہ آبادی کا نشان ہے نہ سمندر کا۔ یہ کیا بات ہے؟

محمودہ: زمین کے دونوں سرے قطب کہلاتے ہیں۔ ایک شمالی، دوسرا جنوبی۔ آج تک کوئی وہاں پہنچ نہیں سکا۔ غضب کی سردی ہے۔ سمندر مارے سردی کے جم گیا ہے۔

حسن آرا: کیا تمام روئے زمین پر سردی گرمی یکساں نہیں؟

محمودہ: ہرگز نہیں۔ بیچ میں جو یہ لکیر کھنچی ہوئی ہے، اس کو خط استوا کہتے ہیں۔ اس پر آفتاب کی کرنیں سیدھی پڑتی ہیں اور اس بلا کی گرمی ہے کہ سمندر ہے تو کھول رہا ہے، اور زمین ہے تو جلتے توے کی طرح تپ رہی ہے۔ اس خطے سے جتنی دور چلو، اتر کو یا دکھن کو، اسی قدر گرمی سردی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ قطبوں پر حد درجے کی سردی ہے۔

حسن آرا: یہ تو آپ نے بڑی عمدہ بات بتائی۔ تو انگریزوں کا ملک ہمارے ملک کی نسبت بہت سرد ہوگا اور افریقہ گرم۔

محمودہ: آدمی تین رنگ کے ہوتے ہیں: کالے، گورے اور تانبے کے رنگ کے۔ سرد ملکوں کے رہنے والے گورے ہوتے ہیں، گرم ملکوں کے کالے اور امریکہ والوں کا رنگ تانبے کا سا ہوتا ہے۔

حسن آرا: سردی گرمی کے اعتبار سے ہمارا ملک بیچ کی راس ہے۔ اور ملک والے بھی یہیں آ رہتے ہیں۔

محمودہ: جو جس ملک میں پیدا ہوا ہے، وہ اسی کو پسند کرتا ہے۔ خدا نے ان کی ویسی ہی طبیعت پیدا کی ہے اور ان کو ضرورت کی چیزیں اسی ملک میں بہ آسانی میسر آتی ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

ایشیا، یورپ، افریقہ کے نقشہ جات

حسن آرا: بھلا اس کتاب میں اور نقشے کیسے ہیں؟

ہاجرہ: یہ نقشہ تمام زمین کا تھا۔ اس کے آگے صرف ایشیا، صرف افریقہ، صرف یورپ، صرف شمالی امریکہ، صرف جنوبی امریکہ کے نقشے ہیں۔ پھر ایشیا میں جتنے ملک ہیں، ہندوستان، عرب، چین، افغانستان وغیرہ، سب کے الگ الگ نقشے ہیں۔ اسی طرح ضلع اور پرگنے اور گاؤں اور مکان کے نقشے ہوتے ہیں۔

حسن آرا: یہ کیا بات ہے، تمام زمین کا نقشہ تو چھوٹا اور ہندوستان کا بڑا۔

محمودہ: یہ تو پیمانے کا فرق ہے۔ پرگنے کا نقشہ بڑے پیمانے کا ہوتا ہے۔ یعنی مثلاً ایک میل کا ایک انچ۔ ضلع کا نقشہ اگر اتنے پیمانے پر بنائیں تو مکان میں نہ سمائے۔ اس واسطے پیمانہ چھوٹا کر دیتے ہیں۔ چار میل کا ایک انچ۔ اور ہندوستان کے اس نقشے میں پانچ سو میل کا ایک انچ ہے، اور کرہ زمین کے نقشے میں پچاس سو میل کا ایک انچ۔ نقشہ ایک تصویر ہے اور اس کا چھوٹا بڑا بنا لینا اپنے اختیار میں ہے۔

حسن آرا: اگر پرگنے کا پیمانہ رکھیں تو تمام زمین کا نقشہ خدا جانے کتنا بڑا ہو۔ قطب صاحب تک تو پھیل جائے۔

محمودہ: عجب کیا ہے۔

سمندر کے منافع

حسن آرا: سمندر تو خدا نے ناحق ہی بنایا ہے۔ تمام زمین خشک ہوتی تو آدمی ادھر سے ادھر چلتے پھرتے جہاں تک چاہتے، بستے بساتے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: یہ بڑا کفر کا کلمہ ہے توبہ کرو، دنیا میں کوئی بے فائدہ اور بے مصلحت نہیں ہے۔ اور خدا کے جتنے کام ہیں، سب عقل اور حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آدمیوں نے اتنا غور کیا مگر اس حکمت کا ایک شمہ بھی سمجھ پایا؟

حسن آرا: (کلوں پر ہولے ہولے طمانچہ مار کر) میری توبہ الٰہی توبہ! مگر استانی جی، ذرا سمندر کے فائدے مجھ کو بتایئے۔

استانی جی: میں دو چار فائدے جو مجھ کو معلوم ہیں، بتاؤں گی۔ لیکن انسان ایسا ضعیف العقل ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کا فائدہ سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اپنے قصور فہم کی وجہ سے انتظام الٰہی پر اعتراض کر بیٹھے۔ انتظام الٰہی عقل انسان کے لیے ایک کسوٹی ہے۔ جب عقل کوئی بات خلاف انتظام الٰہی سوچتی ہے تو یہ دلیل غلطی عقل ہے۔ سمندر کے فائدوں میں تم کو شک ہے تو لو سنو:

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ سمندر سے لاکھوں روپے کے بیش بہا موتی نکلتے ہیں جو ہم عورتوں کے لیے موجب زینت ہیں۔ سمندر میں لاکھوں قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں، جن کو آدمی خواہش سے کھاتے ہیں۔ مچھلیوں کی چربی جلانے کے کام آتی ہے بلکہ بعض مچھلیوں کا تیل بہت سی بیماریوں کی دوا ہے۔ سمندر میں مچھلیاں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ تم سنو تو حیران ہو جاؤ۔ ایک قسم کی مچھلی ''وہیل'' ہوتی ہے۔ سینکڑوں گز کی لمبی چوڑی، ہزاروں من کی وزنی۔ یعنی بجائے خود جہاز کا جہاز۔ پھر سمندر میں مال کے لدے ہوئے بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں۔ اگر اتنا مال خشکی کی راہ لے جائیں تو بڑی محنت، بڑی دیر اور بڑے خرچ۔ اگرچہ جہاز دخانی سمندر اور بڑے دریاؤں میں اسی طرح چلتا ہے جیسے خشکی میں ریل۔ مگر صدہا جہاز صرف ہوا کی مدد سے چلتے ہیں اور ہوا موافق ہو تو سینکڑوں

www.iqbalcyberlibrary.net

کوس ایک ایک دن میں نکل جاتے ہیں۔ یہ تھوڑے فائدے ہیں؟ اور فائدے تو فائدے، سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی ہی نہ ہو۔

حسن آرا: جناب، لاکھوں آدمی ہیں جنھوں نے سمندر کی صورت بھی نہیں دیکھی، بلکہ شاید نام بھی نہ سنا ہو۔

استانی جی: یہ میں نے کب کہا کہ دیکھنے اور نام کے سننے پر موقوف ہے۔ میں نے یہ کہا کہ سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی نہ ہو۔

حسن آرا: مہربانی فرما کر مجھ کو اس کی وجہ سمجھا دیجیے۔

استانی جی: وجہ تو ظاہر ہے۔ کھانے کے انواع واقسام کے غلے سب مینہ سے پیدا ہوتے ہیں اور مینہ سمندر سے آتا ہے۔

حسن آرا: آہا! تبھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ بادل سمندر میں پانی پینے جاتے ہیں۔

استانی جی: یہ کہنا غلط ہے، مگر مینہ ضرور سمندر سے آتا ہے۔ رابعہ، تم نے ابھی چند روز ہوئے مینہ، اوس، کہر، قوس قزح، بجلی اور اولوں کا حال پڑھا ہے۔ حسن آرا بیگم کے روبرو تو بیان کرو۔ مینہ، بجلی، بادل وغیرہ اور روشنی اور ہوا کی رفتار

رابعہ: گرمی کی وجہ سے سمندر اور دریاؤں اور ہر ایک گیلی اور سیلی چیزوں سے بھاپ نکلتی ہے اور چونکہ سمندر کا پانی ہزاروں کوس میں پھیلا ہوا ہے، سب سے زیادہ بھاپ سمندر سے اٹھتی ہے۔ اس بھاپ کا نام بادل ہے جو ہلکی ہونے کے سبب اوپر جا کر آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ کی نظر آتی ہے۔ یہ بھاپ بلندی پر پہنچ کر خنکی پاتی اور مینہ بن کر برستی ہے اور کبھی خنکی کی وجہ سے جم کر اولا ہو جاتی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: مینہ تو وہ بھاپ ہوئی جو سردی پا کر پانی بن گئی۔تو بجلی وہ بھاپ ہوگی جو آگ بن جاتی ہوگی۔

اوپر کی خنکی بھاپ کو پانی تو بنا دیتی ہے مگر کیا اس آگ کو نہیں بجھا سکتی؟

رابعہ نے تامل کیا۔

محمودہ: کوئی چیز گرمی سے خالی نہیں۔یہاں تک کہ جمی ہوئی برف میں بھی گرمی رہتی ہے۔اور دو چیزوں کو آپس میں گھسنے اور رگڑنے سے یوں بھی گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ستارہ جو ٹوٹتا ہے، ہوا کی گرمی کی تحریک پا کر بھڑک اٹھتا ہے۔اور اس قاعدے کو نہ جاننے سے لوگوں نے بڑے بڑے دھوکے اٹھائے ہیں۔قبرستانوں اور مرگھٹوں اور پرانی عمارتوں اور باغوں اور جنگلوں میں جو کبھی آگ بھڑک اٹھتی ہے، لوگ جانتے ہیں بلا ہے۔بجلی اور دو چیزیں ایسی برابر رکھی جاویں جن میں سے ایک میں زیادہ گرمی ہو اور دوسری میں کم تو زیادہ گرمی والی چیز میں زیادہ گرمی ہو جائے گی۔مثلاً ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالو تو ہاتھ کی گرمی پانی میں جائے گی، یہاں تک کہ دونوں میں یکساں گرمی ہو جائے گی اور تھوڑی دیر کے بعد پانی کی ٹھر جو ہاتھ کو محسوس نہیں ہوتی، اس کی یہی وجہ ہے۔اسی طرح سے جس بادل میں گرمی زیادہ ہوتی ہے، وہ پاس کے گرمی والے بادل میں زور سے جاتی ہے۔اس کا نام کڑک ہے جس کی آواز ہم لوگ سنتے ہیں۔

حسن آرا: ٹھنڈے پانی اور ہاتھ کی مثال جو آپ نے دی، اس میں تو ہم کو ہاتھ سے آگ نکلتے تو نظر نہیں آتی مگر بجلی میں تو ایسی آگ ہوتی ہے کہ آنکھ چندھیانے لگتی ہے۔

محمودہ: گرمی سے آگ بن جانا کون تعجب ہے۔پتھر کو پتھر پر مارو، چنگاریاں جھڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

خیر النساؑ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے وطن میں ایک مرتبہ آندھی آئی۔ بانسوں کی رگڑ سے جنگل میں اس بلا کی آگ لگی کہ تمام نیستاں جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔

حسن آرا: بجلی تو زمین پر بھی گرا کرتی ہے۔ اس کا سبب؟

استانی جی: جب بادل زمین کے قریب ہو تو نزدیک ہونے کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

حسن آرا: کیا یہ بادل آسمان میں نہیں ہوتے؟

استانی جی: اکثر میل دو میل سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور پہاڑوں پر تو گھروں میں بادل گھستے پھرتے ہیں۔ بیٹھے ہیں کہ یکایک کہر کی طرح دھواں سا بھرا۔ تھوڑی دیر بعد چاندنا ہوا تو دھواں ندارد۔ پانی میں تر بتر۔

حسن آرا: بجلی تو بڑی آفت ہے۔ کچھ اس کی روک بھی ہے؟ میں نے جہاں کڑک کی آواز سنی، اندر بھاگ جاتی ہوں۔

استانی جی: آواز کے سنتے پیچھے بھاگنا تو بے وقوفی ہے۔ بجلی گرتی ہے تو آواز پہنچنے سے پہلے گر چکتی ہے۔ ہوا کی نسبت روشنی کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے۔ تم نے کاہے کو دیکھا ہوگا، غدر کے دنوں ہم لوگ کوٹھے پر سے باوٹے کی توپوں کو دیکھتے تھے کہ رنجک کی چمک پہلے نظر آتی تھی۔ اس کے چند لمحے بعد توپ کی آواز سن پڑتی تھی۔ یہی حال بعینہٖ بجلی اور کڑک کا ہے۔ خوب دھیان لگا کر جب چاہو آزما لو۔ پہلے چمک نظر آتی ہے، اس کے تھوڑی دیر بعد کڑک کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور بجلی کی روک کی جو تم نے پوچھی تو ہاں عقلمندوں نے اس کی تدبیر بھی نکالی ہے۔ بجلی تھی تو نقصان کی چیز، عقل کے زور سے اس کو فائدہ مند کر لیا۔ تار برقی کا نام تم نے سنا ہے؟

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: ہاں، دو چار مرتبہ بڑے ابا کے پاس سے سنا کہ تار میں خبر آئی۔

استانی جی: دیکھو، انگریزوں کی ولایت کوسوں دور ہے۔ مگر تار کے ذریعے سے چار پانچ گھنٹے میں خبر آجاتی ہے۔ یہ سب بجلی کے کھیل ہیں۔

حسن آرا: روک کی نسبت آپ نے کچھ فرمایا تھا۔

استانی جی: دھات کی چیزیں لوہا، پیتل وغیرہ بجلی کو کھینچتی ہیں۔ میگزینوں میں بارود کی حفاظت کے واسطے بجلی کی روک تھام کرنی پڑتی ہے۔ چھتوں کے پہلو میں لوہے کی سلاخیں گاڑ دیتے ہیں کہ بجلی گرے تو سلاخوں کی راہ زمین میں چلی جائے۔ میرے پاس ایک رسالہ جس میں تار برقی کا سب حال لکھا ہے۔ اس میں بجلی کے عجب عجب خواص لکھے ہیں۔ جب تم زیادہ پڑھ لوگی تو اس کو دیکھنا۔

انگریزوں کا حال

حسن آرا: انگریز بھی بڑے عقل کے پتلے ہیں۔

استانی جی: قوم کی قوم کا یہی حال ہے۔ عقل کے پتلے نہ ہوتے تو کالوں کوسوں آ کر بادشاہ کس طرح بن بیٹھتے؟ ذرا انگلستان کی تاریخ پڑھو تو تم کو معلوم ہو کہ ابتدا ان لوگوں کی کیا تھی۔ نرے وحشی تھے۔ جانوروں کو مار کر گوشت کھاتے اور چمڑا پہنتے۔ پہاڑوں کی کھوہوں میں رہتے۔ کھیتی باڑی اور مکان بنانے تک کی عقل نہ تھی۔ رومیوں کی سلطنت تھی۔ انھی سے انگریزوں نے عقل و سلیقہ سیکھا۔ یہاں تک کہ رومیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اب یہ وہی انگریز ہیں کہ روئے زمین پر کوئی قوم ایسی دانشمند اور ایسی شائستہ نہیں ہے۔

حسن آرا: اب تک میں یہ سمجھتی تھی کہ خدا نے سب آدمیوں کو برابر عقل دی ہے۔ مگر آپ کے

www.iqbalcyberlibrary.net

فرمانے سے

معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے ملک کی آب وہوا میں ایک خاص تاثیر ہے کہ وہاں کے لوگ زیادہ عقیل ہوتے ہیں۔ میری کتاب میں بھی کئی جگہ دانشمندان فرنگ آیا ہے۔ پھر اس میں دوسرے ملک والوں کا کیا دوش ہے؟

استانی جی: عقل واقعی خداداد ہے۔ مگر اس کی ترقی بے علم کے نہیں ہوتی۔ اسی طرح جسم بھی خداداد ہے۔

مگر اس کی توانائی اور بالیدگی غذا پر موقوف ہے۔ عقل کی غذا علم ہے۔ سو افسوس ہے کہ علم ہندوستان سے بالکل اٹھ گیا ہے، اور جو ہے وہ جہل سے بدتر۔ ناحق کی کٹھ حجتی اور جھوٹی شاعری کے سوائے ہندوستان میں کچھ اور بھی ہے؟

حسن آرا: کیا انگریز بڑے مولوی ہوتے ہیں؟

استانی جی: لفظ مولوی کا استعمال تم کو اس مقام پر نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان عالم مولوی کہلاتے ہیں۔

ہندو پنڈت۔ مگر کچھ شک نہیں کہ جو علم کار آمد ہیں، انگریز سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی علم کے زور سے وہ نادر کلیں ایجاد کی ہیں اور آئے دن ہوتی جاتی ہیں کہ سن کر عقل دنگ ہوتی ہے۔ دنیا کا تمام کام کلوں سے لیا جاتا ہے۔ کلیں سوت کاتیں، کپڑے بنیں اور کلیں آٹا پیسیں، کلیں کتابیں چھاپیں، کلیں باجے بجائیں، کلیں لوہار بڑھئی کا کام دیں۔ بلکہ کلیں وہ کام کریں جو آدمی سے نہ ہو سکے۔

حسن آرا: کیا ان کی میمیں بھی اسی طرح کی عقل مند ہوتی ہیں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: بے شک۔عورتیں بھی سب کی سب پڑھی لکھی، ہنر مند۔اور ممکن نہیں کہ مرد اس درجہ کے

لائق ہوں اور عورتیں ہم کم بختوں کی طرح بے علم، بے ہنر۔حلیمہ کے ہمسائے میں ایک میم رہتی ہے۔ذرا ان کا حال سنو۔ بوا حلیمہ، کہوتو۔

ایک انگریز خاندان کا حال اور اس کی نیک زندگی

حلیمہ: جناب، ہمارے مکان سے ملا ہوا مکان (وہ بھی ہمارا ہی ہے) پانچ چھ مہینے ہوئے ایک میم نے کرائے پر لینا چاہا۔ ہمارے محلے کی بہشتن میم صاحب کے پاس آیا گری میں نوکر ہے۔وہی پیام لائی۔میم کا نام سن کر اماں جان نے صاف انکار کر دیا کہ ہم میم کو مکان نہیں دیتے۔

بہشتن: بیوی، ڈیوڑھا، دونا کرایہ ماہ بماہ لو۔ایسا کرایہ دار نہیں پاؤ گی۔

اماں جان: کرایہ لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے؟ دیوار بیچ تو مکان لگا ہے۔لڑکیوں بالیوں کی آواز برابر جاتی ہے۔میاں مرزائی اپنے کارخانے کے لیے منتیں کرتے رہے۔میں نے نہ دیا۔ رکھوں گی تو کسی اشراف کو، ورنہ بلا سے خالی پڑا رہنا اچھا۔

بہشتن: بیوی، میم صاحب بھی بڑی ہی اشراف آدمی ہیں۔ ہیں تو غیر قوم، غیر مذہب۔مگر مجھے اپنے نقو کے سر کی قسم، بڑی ہی بھلی مانس ہیں۔اور پاس کے رہے سہے آپ کو حال کھل جائے گا۔اگر میری بات میں فرق پاؤ، میری ناک چوٹی کاٹ لینا۔

اماں جان: بھلا ان کے یہاں انگریزوں کی آمد ورفت تو رہتی ہوگی۔

بہشتن: بیوی، صاحب تار گھر میں نوکر ہیں۔رات کو نو بجے آتے ہیں اور صبح چار بجے کام پر چلے جاتے ہیں۔ان کی حاضری وہیں جاتی ہے۔اور کوئی باہر کا نہ آتا ہے نہ جاتا ہے۔چھوٹے بچے

www.iqbalcyberlibrary.net

ہیں۔ بڑی بیٹی مس بابا اصل خیر سے تمہاری لڑکی سے عمر میں تو کم ہے، مگر میری آنکھوں میں خاک، ڈیل میں کوئی دو مٹھی نکلتی ہوئی ہے۔

اماں جان: میم صاحب یا ان کے بچے ہمارے گھر میں تو چلے آیا کریں گے؟

ہشتمن: بے مرضی ہرگز نہیں۔

اماں جان: دیکھو، کچھ قباحت نہ ہو۔ مجھ کو تو ڈر ہی لگتا ہے۔

ہشتمن: بیوی، کچھ شبہ مت کرو۔ میرا ذمہ

غرض کہ میم صاحب آ رہیں۔ دو چار دن اماں جان ہم سب بچوں پر آہستہ بولنے کی تاکید کرتی رہیں اور کوٹھے پر چڑھنے کو بھی منع کر دیا تھا اور ہم لوگوں نے بھی اتنے دنوں میم صاحب کی طرف سے آواز تک نہیں سنی۔ اوپر پیاز پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے لینے کو اماں سے پوچھ کر کوئی چار گھڑی دن رہے میں دبے پاؤں اوپر چڑھی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ باہر صحن میں میز بچھی ہوئی ہے اور میم صاحب، ان کے بچے آس پاس کرسیاں بچھائے، سب کے سب کچھ پڑھ رہے ہیں۔ چھت پر میرے چلنے کی دھم دھم سن کر چھوٹی لڑکی نے مجھ کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی آپ سے آپ سلام کیا۔ اس کا سلام کرنا تھا کہ سب کے سب مجھ کو دیکھنے لگے۔ تب تو میں نے بھی میم صاحب کو سلام کیا۔ میم صاحب نے نہایت مہربانی سے میرا اسلام لیا اور جلدی سے اٹھ، چھت کے نیچے آ کھڑی ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ ہم لوگوں نے تم سے جان پہچان پیدا کرنے میں ابتدا کی ہے۔ تم اس بات سے ناخوش تو نہیں ہوئیں؟ میم صاحب کو آئے ہوئے دیکھ، جی میں آیا کہ بھاگ جاؤں۔ لیکن ان کی بات سن کر تو دل میں کچھ دلیری سی آئی اور میں نے کہا "جناب" اس میں ناخوشی کی کیا بات ہے؟ آپ سے تعارف کرنا تو ہمارے لیے فخر ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میم صاحب: مجھ کو ایک بات پوچھنی ہے کہ اگر تمہاری اماں جان مہربانی کر کے اپنے کوٹھے پر ذرا کے ذرا آ کھڑی ہوں تو بڑا احسان کریں۔ اپنی اماں جان کو میرا بہت سلام اور پیام کہنا۔ میں نے کہا بہت خوب۔ میں ابھی جا کر کہتی ہوں۔ نیچے آ کر میں نے اماں سے سب حال بیان کیا۔ اماں جان نے پہلے کچھ تامل سا کیا۔ بارے چلی گئیں۔

میم صاحب: (سلام کے بعد) میں نے آپ کو صرف اتنا پوچھنے کے لیے تکلیف دی ہے کہ اس آنے کے سوائے اگر کچھ تکلیف ہم لوگوں کے رہنے سے آپ کو پہنچی ہو تو مہربانی فرما کر مجھ کو اس سے اطلاع دیجیے۔

اماں جان: آپ کے منھ پر کہنا تو خوشامد ہے۔ مجھ کو تو آج تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ اس مکان میں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں۔ ایسا تو کوئی ہندوستانی بھی آ کر نہیں رہا۔ ہم لوگوں میں کم بخت پردے کی بڑی قید ہے۔ بس اسی کا خیال تھا۔

میم صاحب: ہوں تو بے شک انگریز، مگر میں اسی ملک میں پیدا ہوئی اور اسی ملک میں ہوش سنبھالا۔ میں بڑے آدمی کی بیٹی ہوں۔ ماں باپ دونوں مارے گئے۔ اکیلی رہ گئی۔ شادی کر لی۔ خدا کے فضل سے چار بچے ہو گئے ہیں۔ ان کی پرورش کرتی ہوں۔ میں آپ کے دستور سے بخوبی واقف ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی بات ایسی نہ ہوگی کہ آپ کی اذیت کا باعث ہو۔ ہماری کتاب میں ہمسائے کے بہت بڑے حقوق لکھے ہیں۔ سو اگر مجھ سے وہ حق نہ بھی ادا ہو، تاہم میں امید کرتی ہوں کہ میرے سبب سے آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے گی۔

اماں جان: آپ کے رہنے سے سراسر راحت۔ مگر ہم لوگوں کی وجہ سے عجب نہیں کہ آپ کو ایذا ہوتی ہو۔

www.iqbalcyberlibrary.net

اللہ رکھے، میرے بھی چار بچے ہیں۔ مگر دن بھر آپس میں او دھم مچائے رکھتے ہیں۔ بہتیرا گھرکتی ہوں، کوستی ہوں اور عاجز آ کر ایک طمانچہ بھی مار بیٹھتی ہوں، لیکن دن بھر مجھ کو پریشان کیے رہتے ہیں۔ سگے بھائی بہن ہو کر ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ جب سے آپ آ کر رہی ہیں، ذرا امن بھی ہے۔ میں بات بات پر روکتی ہوں۔ پھر بھی کیا اثر ہوتا ہے۔ ممکن نہیں ان کا شور وغل آپ کو تکلیف نہ دیتا ہو۔

میم صاحب: کیا ہوا، بچے ہی تو ہیں۔ کھیلنے کودنے کی تو عمر ہے۔ شرارت کیا ہی کرتے ہیں۔ ان کے شوروغل ہی کی تو گھر میں بستی ہے۔

اماں جان: مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کے بچے کیوں نہیں غل کرتے!

میم صاحب: کرتے ہیں، مگر نہ ہر وقت۔

اماں جان: برائے خدا کوئی تدبیر مجھے بھی بتایئے۔ میں ان بچوں کے ہاتھوں سخت عاجز ہوں۔ نہ اپنا دیکھیں، نہ پرایا، ان کو لڑنے سے کام۔ ان کی وجہ سے میں نے شادی بیاہ میں جانا کم کر دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ نوج کیسی بے سری اولاد ہے۔ ناحق شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

میم صاحب: یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے واسطے آپ اتنا سوچ کرتی ہیں۔ بڑے ہو کر درست ہو جائیں گے۔

اماں جان: کیا بڑے ہونے کے لیے کوئی اور زمانہ آئے گا؟ اللہ رکھے تیرھویں برس میں تو یہ میری حلیمہ ہے۔ بہتیرا کہتی ہوں، تم بڑی ہو، چھوٹوں کے منھ مت لگا کرو۔ چھیڑ چھیڑ کر لڑتی ہے۔ کچھ ان وقتوں ایسے خون سفید ہو گئے ہیں، نہ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب ہے نہ بڑوں کو چھوٹوں کی محبت۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میم صاحب: بچوں سے کچھ آپ کام بھی لیتی ہیں؟

اماں جان: کام کیا ہے۔خدا کے دیئے نوکر چاکر گھر میں ہیں۔ان کا یہی کام ہے کہ کھائیں، اور پئیں اور کھیلیں۔

میم صاحب: بس یہی خرابی ہے۔میں نے تو ہر بچے پر اس کی بساط کے موافق اتنا کام ڈال رکھا ہے کہ اس کو اسی سے فرصت نہیں ملتی۔ہم سب لوگ، چھوٹے بڑے، چاہے کوئی موسم ہو، صبح کے پانچ بجے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ہر ایک نے غسل کیا، کپڑے بدلے اور تھوڑا سا ناشتا کیا۔چھ بجتے بجتے میں ان سب کو لے کر شہر کے باہر ہوا کھانے چلی جاتی ہوں اور کوئی ساڑھے سات بجے، آٹھ بجے لوٹ آتی ہوں۔آتے کے ساتھ سب کو لے کر نماز پڑھتی ہوں۔پھر سبق پڑھاتی ہوں۔گیارہ بجے سبق سن کر کھانا پکاتی ہوں۔اس کے بعد کوئی لکھتا ہے، کوئی سیتا ہے۔دن کو ہم لوگ کبھی نہیں سوتے۔تین بجے پہلے کچھ کھالیا، پھر دوسرا سبق دیا جاتا ہے۔پانچ بجے پھر غسل کیا اور کپڑے بدلے، ہوا خوری کو نکل گئی۔سات بجے واپس آئی اتنے میں صاحب آجاتے ہیں۔سب بچوں کا سبق سنتے ہیں اور ہر ایک کا کام دیکھتے ہیں اور پھر مل کر نماز پڑھتے ہیں۔نماز کے بعد کھانا کھایا، سو رہے۔فرمایئے، اب ان کو لڑائی کی فرصت کہاں؟ اور اگر میں ان کو آپس میں لڑتا دیکھوں تو کیا توقع رکھوں؟ جب یہ آپس میں ملاپ نہ رکھیں تو دنیا میں دوسرے لوگوں کے ساتھ کیوں کر گزریں گے؟

اماں جان: سبحان اللہ! آپ نے بڑا عمدہ انتظام رکھا ہے۔اور تبھی تو تم لوگ سلطنت کر رہے ہو۔ہم ہندوستانیوں کے یہی کام ہیں۔دو چار کھانوں کی ترکیب سیکھ لی۔اپنے ہاتھوں اپنے کپڑے سی لیے۔پڑھنے لکھنے کا تو دستور ہی نہیں۔نوکر چاکر رکھنے کا مقدور رہا تو احدی بن کر بیٹھے رہے۔

میم صاحب: ہم لوگوں میں ضرورت کی نظر سے ہنر نہیں سیکھتے۔بلکہ ہنر کو باعث عزت سمجھتے ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

مجھ کو اپنے باپ کی ایک بات یاد ہے کہ مجھ کو انہوں نے ولایت پڑھنے کے لیے بھیجا تو چچا کو چٹھی لکھ دی تھی کہ اس کو کسی اچھے مدرسے میں داخل کر دینا۔ چچا نے لکھا کہ فلانے مدرسے میں بڑی عمدہ اور اعلیٰ درجے کی تعلیم ہوتی ہے مگر وہاں فیس بہت دینی پڑتی ہے۔ میرے باپ نے لکھا کہ دو سو روپیہ مہینا میں نے اس لڑکی کا حق علیحدہ کر دیا ہے۔ اس کی تعلیم میں صرف ہو تو جمع ہونے سے بہتر ہوگا۔ کیونکہ ہنر کا جمع کیا جانا روپے کے جمع کیے جانے سے کہیں مفید ہے۔ چنانچہ مجھ کو چچا نے اسی بڑے مدرسے میں داخل کیا جس میں فیس اور میرا ضروری خرچ ملا کر دو سو روپیہ مہینا خرچ ہو جاتا تھا۔ جب میرے باپ غدر میں مارے گئے تو اب کہیں سہارا نہ تھا۔ ناچار مجھ کو مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ ایک برس کی اور کسر رہ گئی۔ ورنہ میں ایک سال اور پڑھتی۔ ماں باپ کے مارے جانے کا رنج اور مدرسے کو ایسی مجبوری کے ساتھ چھوڑنے کا صدمہ، میں سچ کہتی ہوں، دونوں نے میرے دل میں بڑا اثر کیا۔ ہر چند میں ناتمامی کی حالت میں مدرسے سے نکلی، پھر بھی میری لیاقت کا چرچا دور دور تھا۔ اور مدرسے سے نکلنے کے ساتھ جب لوگوں نے جانا کہ میں شادی کرنے پر آمادہ ہوں تو سینکڑوں آدمیوں نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ ہم لوگوں میں یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ شادی لڑکا لڑکی کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ رضامندی آپ کے مذہب میں بھی شرط ہے۔ لیکن دیکھتی ہوں کہ اس کا برتاؤ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اکثر بے تمیزی کی حالت میں آپ لوگ اولاد کو بیاہ دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ لوگوں میں اکثر زن و شوہر میں بے لطفی اور ناسازگاری رہا کرتی ہے۔ جب کثرت سے لوگ خواہاں ہوئے تو مجھ کو انتخاب میں بڑی دقت پیش آئی۔ مدرسہ کی استانی جو مجھ پر سگی ماں کی طرح مہربان تھیں، میں نے ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مجھ کو یہ نیک صلاح دی کہ علم، لیاقت اور نیکی انسان کے بڑے جوہر ہیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

جس میں یہ صفتیں پاؤ اسی کو اختیار کرو۔ چنانچہ خوب تحقیق و تفتیش کرنے کے بعد ان صاحب کو پسند کیا۔ صاحب بڑے عالم ہیں۔ مدرسے سے خطاب فضیلت حاصل کیا ہے اور نیک اس درجے کے ہیں کہ یہاں کے سارے انگریز پادری ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور میں تو صاحب کی نیک مزاجی سے اس قدر خوش ہوں کہ سلطنت کی خوشی بھی اس مقابلے میں ہیچ نظر آتی ہے۔ صاحب کی تنخواہ تو کچھ بہت نہیں، صرف چار سو روپیہ مہینا پاتے ہیں، مگر جس محبت اور مہربانی سے وہ مجھ کو اور بچوں کو رکھتے ہیں، میرا منھ نہیں کہ ان کا شکریہ ادا کرسکوں۔ پندرہ برس میرے بیاہ کو ہوئے، کسی بات میں مجھ سے ردوکد کی نوبت نہیں آئی۔ بچوں کے ساتھ کچھ اس طرح کی مدارات ہے کہ ہر ایک بچہ دل و جان سے فدا ہے۔ جب کچہری سے آتے ہیں، بچوں کو عید کی سی خوشی ہوتی ہے۔ مگر مجال نہیں کہ کوئی ان کی خلاف مرضی بات کرسکے۔ نہ مارتے، نہ گھرکتے، نہ ترشروئی کرتے۔ مگر کچھ ایسا ڈھنگ کر رکھا ہے کہ محبت میں رعب، پیار میں ڈر۔ انھی کے انتظام سے ان بچوں کی اصلاح بھی خاطر خواہ ہوتی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں، سب کہے میں ہیں۔ میری بڑی کا نام مس روز ہے۔ آپ نے کھڑکی میں قفل لگا رکھا ہے، ورنہ میری لڑکیاں تو ایسی ملنسار ہیں کہ دن میں سو سو بار کھڑکی میں آ کر کھڑی ہوتی ہیں اور آپ کے بچوں سے ملنے کو ترستی ہیں۔ قفل کھول دینے میں اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ایک دن ذرا ہمارا گھر دیکھیے۔ اس سے خاطر جمع رکھیے کہ سوائے میرے اور بچوں کے کوئی غیر اندر نہ رہنے پائے گا۔

اماں جان: ان شاء اللہ تعالیٰ میں کسی دن حاضر آؤں گی۔

اگلے دن اماں جان ہم سب کو ساتھ لے، کھڑکی کی راہ، میم صاحب کے گھر گئیں۔ گھر اتنا صاف ستھرا کہ صحن میں تنکے کا نام نہیں۔ خانہ داری کا اسباب اس سلیقے کے ساتھ اپنے اپنے موقع

www.iqbalcyberlibrary.net

سے رکھا تھا کہ ہم لوگوں میں شادی بیاہ میں بھی ایسی آرائش نہیں ہوتی۔ کوئی چیز نایاب اور قیمتی تو ایسی تھی نہیں۔ اکثر چیزیں ایسی تھیں کہ ہمارے گھر میں بھی نہیں تھیں۔ مگر وہاں کی چیزوں پر اور ہی کچھ رونق تھی۔ منہ دھونے کا تسلا کیسا صاف منجھا ہوا کہ آنکھ نہ ٹھہرے۔ بید کے مونڈھے کی بھی کچھ اصل ہے؟ مگر تیلیاں چمکتی ہوئی۔ اوپر ایک دستکار جالی کا نفیس غلاف۔ سادگی میں تکلف۔ غرض جو چیز تھی، صفائی کا نمونہ تھی۔ جی چاہے کہ صحن میں کھانا بکھیر کر کھا لیجیے۔ وہاں کا سامان دیکھ کر مجھ کو یقین ہوا کہ صفائی بڑی زینت ہے۔ میم صاحب کے بچے اپنے اپنے کمروں میں کوئی لکھ رہا تھا، کوئی سی رہا تھا۔ سب نے ہم کو آتے دیکھا مگر کیا مقدور کہ بے ماں کی اجازت کے باہر نکل آئیں۔ میم صاحب نے ہم سب کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ ہم لوگ تو ادھر ادھر دیکھ ہی رہے تھے اماں جان بھی کن آنکھوں سے چیزوں کو دیکھتی جاتی تھیں۔

میم صاحب: کیا آپ کی تواضع کروں؟ پان میں نہیں کھاتی، عطر ہم لوگوں کا شاید آپ کو پسند نہ ہو۔ خشک مٹھائی کا تو کچھ پرہیز نہیں۔ (ایک کنٹر منگا کر طشتریوں میں ہم لوگوں کے روبرو رکھ دیا۔ ہم لوگوں نے تامل کیا۔)

میم صاحب: (ہنس کر) بے تامل کھاؤ۔ اس میں تو کوئی حاجت نہیں۔ اور یوں آپ کے مذہب میں ہمارے ساتھ کھانا جائز لکھا ہے، اور روم مصر میں کوئی مسلمان بھی اس قسم کا پرہیز نہیں کرتا۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں نے نیا مسئلہ نکالا ہے۔

اماں جان: نہیں، پرہیز کی کیا بات ہے۔ مگر ابھی سب کھانا کھا چکے ہیں۔

میم صاحب: کیا ہوا؟ آپ کچھ نقصان کا اندیشہ نہ کیجیے۔ ہم لوگوں کی مٹھائیوں میں بھی دوا ہوتی ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

غرض نہایت نفیس اور لطیف مٹھائی ہم سب نے کھائی۔ اس کے بعد میم صاحب نے اپنے بچوں کو پکارا۔ سب آ موجود ہوئے۔ میم صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بچوں کی عقل دیکھئے کہ ہر ایک اپنی اپنی ہمجولی کے پاس آ کر بیٹھا۔ مس روز میرے پاس آ کر بیٹھیں اور پہلا سوال انہوں نے مجھ سے یہی کیا کہ آپ پڑھتی ہیں؟ ان کا پوچھنا تھا کہ مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور میں نے شرمندہ ہو کر کہا ''کچھ نہیں۔'' مس روز نے میری بات کو نہایت تعجب سے سنا اور چپ ہو گئیں۔ پھر اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں، اپنے بنے ہوئے قیمتی اور عمدہ سے عمدہ تکیوں اور کرسیوں کے غلاف، میزوں کی چادریں، کپڑے کے پھول، موزے، کتاب میں رکھنے کی نشانیاں، گلوبند، موباف، دستی رومال، جھالریں، ڈوری کے کام دکھائے۔ میں تو میں، اماں جان حیران رہ گئیں۔ پھر میم صاحب سب کمروں میں لے گئیں۔ کتابوں کی الماری سے ایک کتاب نکال کر اپنے رشتے داروں اور دنیا کی عمدہ عمارتوں اور نامی اور مشہور لوگوں کی تصویریں دکھائیں۔ گئے تو اس نیت سے تھے کہ ذرا بیٹھ کر چلے آئیں گے مگر کوئی چار گھڑی دن رہ گیا، تب اماں جان نے کہا کہ آج میں نے آپ کا بڑا حرج کیا۔

میم صاحب: مجھ کو آپ کی ملاقات سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور ہرگز میرا کوئی حرج نہیں ہوا۔

اماں جان: مگر گستاخی معاف، میں آپ کے پاس سے اداس ہو کر چلی۔

میم صاحب: خیر ہے؟ بات تو کہیے۔

اماں جان: اب اپنی حالت پر جو نظر کرتی ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے۔ بھلا یہ کوئی زندگی کا ڈھنگ ہے!

خیر میری تو تیر گئی۔ افسوس! اولاد کو بھی میں نے اپنا ہی ایسا اٹھایا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میم صاحب: افسوس کی کیا بات ہے۔ ہر ملک کے وہ ہر رسمے۔

اماں جان: آگ لگے اس ملک کو جس میں ہنر کا نام نہیں۔ ہم لوگ شہر میں بڑے سلیقہ شعار کہلاتے ہیں۔مگر سچ یہ ہے کہ ہنر اور سلیقہ آپ لوگوں پر ختم ہے۔

غرض میم صاحب سے رخصت ہو کر گھر آئے تو جدھر آنکھ پڑتی تھی، ہر چیز حقیر اور بھونڈی نظر آتی تھی۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ اس رات رنج کے مارے مجھ سے کھانا تک نہیں کھایا گیا۔ اگلے دن میں نے اماں جان سے کہا کہ اگر فرمائیں تو میں مس روز سے کچھ سیکھوں۔

اماں جان: بھلا بیٹی، مس روز کچھ اپنے دیس کی تو ہیں نہیں کہ جان پہچان کا پاس ہوا۔ خدا ناخواستہ کچھ محتاج نہیں کہ روپے پیسے کا لالچ کریں۔ میں ان سے کس منہ سے کہوں؟ دیکھو، کسی طرح ان کی ماں سے دریافت کروں گی۔ میں نے جا کر کھڑکی کھولی تو مس روز صحن میں ٹہل رہی تھیں۔مجھ سے پوچھا: ''آپ کہیں تو میں آپ کے گھر آؤں؟''

اماں جان: شوق سے۔

اماں جان نے مس روز سے آنے کو تو کہا، میں اپنے جی میں کہہ رہی تھی خدا کرے وہ نہ آئیں۔ آئیں گی تو کہاں بٹھائیں گے۔

حسن آرا: کیوں؟ کیا تمہارے گھر میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی؟ میں تو سنتی ہوں تمہارا مکان بڑا عالیشان ہے

اور فرش فروش، مونڈھے، ہر طرح کا وافر سامان موجود ہے۔

حلیمہ: خدا کا دیا سب کچھ ہے۔مگر میں میم صاحب کے یہاں جا کر دیکھ چکی تھی۔ان کے لائق ایک چیز بھی نہ تھی۔ ہمارے یہاں وہ صفائی اور وہ اجلا پن کہاں؟

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: کچھ میم صاحب کی وقعت ہی تمہارے ذہن میں جم گئی ہے ورنہ ماشاء اللہ تم بھی صاف اور ستھری رہتی ہو۔

حلیمہ: ہاں، تم یونہی سمجھو۔ مگر میری طرح میم صاحب کا مکان دیکھے ہوتیں تو جانتیں کہ صفائی کس کو کہتے ہیں۔

حسن آرا: بلا سے، تم نے مس روز کے لیے سفید سوزنی بچھوادی ہوتی۔

حلیمہ: کچھ آپ کے فرمانے پر موقوف نہ تھا۔ جلدی جلدی جو کچھ ہو سکا، کیا ہی۔ مگر کس کس چیز کو چھپاتی۔ جب مس روز آئیں تو میں نے باورچی خانے کی طرف پشت کر کے کرسی بچھا دی۔ تھوڑی دیر میں آفتاب سامنے آ گیا۔ مس روز کرسی پھیر، عین باورچی خانے کے سامنے ہو بیٹھیں اور میرا یہ حال کہ ان کو برابر باتوں میں لگائے جاؤں تا کہ ادھر ادھر ان کی نظر نہ پڑے۔ دو چار باتوں کے بعد مس روز بولیں کہ میرا جی چاہتا ہے آپ مجھ کو بہن بنا لیجیے۔ میں نے کہا کہ بہن بننے کا تو منہ نہیں، مجھ کو آپ شاگرد کیجیے اور کچھ سکھایئے تو بڑی مہربانی ہو گی۔

مس روز: بہ سر و چشم۔

میں: کیا سکھایئے گا؟

مس روز: پڑھنا لکھنا تو آپ کو اپنے کا سیکھنا چاہیے۔ مس گریوز جو زنانے درجے کی انسپکٹر ہیں، مجھ سے (استانی جی کا نام لیا) ان کے مکتب کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ مگر سلائی ہر قسم کی میں سکھا دوں گی۔ اور اس سے زیادہ مجھ کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھ سے سیکھیں۔

میں: آپ کی اماں جان تو اس میں کچھ مضائقہ نہ کریں گی؟

دیکھئے مضائقہ؟ لوگ ان کے مزاج سے ابھی واقف نہیں ہیں۔ میری والدہ ضرور ہیں لیکن ارزوے

www.iqbalcyberlibrary.net

انصاف میں نے ایسی نیک عورت کوئی نہیں دیکھی۔ زیادہ رہنے سے خود آپ کو معلوم ہو گا۔ دوسرے کے لیے شاید اپنی جان تک سے ان کو دریغ نہیں ہے، آپ سے تو ہمسائیگی اور ملاقات ہے۔کوئی ہو، ان کو ہمدردی کرنی ضرور۔

میں: آپ کی اماں جان کبھی آپ کو گھرکتی تو نہیں؟

مس روز: ان کو ہر ایک طرح کا اختیار مجھ پر حاصل ہے۔مگر خدا مجھ کو ایسی نافرمان بیٹی نہ بنائے کہ میری اماں جان کو گھرکنے کی نوبت آئے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی کی بات ہو گی کہ میں اپنی پیاری اور مہربان اور خیر خواہ اور دل سوز ماں کے خلاف رائے کوئی بات کروں؟

میں: چھوٹے بھائی بہنوں سے آپ سے کسی بات میں ردوکد ہوتی ہو گی۔ اس وقت تو آپ کی اماں جان ضرور دخل دیتی ہوں گی۔

مس روز: اگر میں اپنے چھوٹوں سے ردوکد کروں تو تف ہے میری بڑائی پر۔ میں اپنے سب چھوٹے بھائی بہنوں کی شکرگزار ہوں کہ وہ لوگ ہر طرح میرا ادب کرتے ہیں اور میں سب کو جان کی طرح عزیز رکھتی ہوں اور سب پر دم دیتی ہوں۔

میں: کیا سچ مچ تم بھائی بہنوں میں کبھی جھگڑا نہیں ہوتا؟

مس روز: بھائی بہن تو بھائی بہن، ہم لوگوں کو تو خدا کے فضل سے غیروں کے ساتھ بھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔

میں: آپ کی باتوں کو سن کر مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ اوپر تلے کے بھائی بہنوں میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔

مس روز: اور مجھ کو آپ سے یہ سن کر تعجب ہوا کہ بھائی بہنوں میں لڑائی کا ہونا ضرور ہے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

میں: اجی، لڑائی کچھ خدانہ خواستہ بیر نہیں۔ یہی بحث وتکرار۔

مس روز: جی ہاں، میں سمجھتی ہوں۔ مگر مجھ کو حیرت ہے کہ وہ کیسے بھائی بہن ہیں جو آپ میں تکرار رکھتے ہیں۔

میں: چھوٹے ناسمجھ کسی بات پر ضد کریں تو اس کا کیا علاج؟

مس روز: نرمی سے، پیار کے ساتھ، ان کو سمجھا دینا۔

میں: اگر وہ نہ سمجھیں؟

مس روز: وہ نہ سمجھے یا بڑا نہ سمجھے؟

میں: وہ ایک ہی بات ہے۔

مس روز: یہ تو بڑے کا قصور ہے۔

میں: بھلا صاحب، کھانے پہننے کی کسی چیز کو آپ کا جی چاہتا ہو گا تو آپ کی اماں جان کسی بات میں روک ٹوک نہیں کرتیں؟

مس روز: خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھ کو اپنے کھانے اور پہننے کے واسطے ضرورت نہیں۔ مجھ سے زیادہ اماں جان کو میری ضرورتوں کا خیال رہتا ہے۔ اور میں دیکھتی ہوں، جو چیز مجھ کو درکار ہے اور میری حالت کے لیے مناسب ہے، اماں جان بے کہے خود اس کا سامان کر لیتی ہیں۔ پھر مجھ کو اس میں دخل دینے سے حاصل؟

میں: بھلا کسی نوکر چاکر پر آپ کو خفا ہونے کا اتفاق ہوا۔

مس روز: میری اماں جان نے مجھ کو تعلیم دی ہے کہ اگر آدمی (جس کا بال بال گناہ گار اور خطا وار ہے)

www.iqbalcyberlibrary.net

چاہتا ہے کہ اس کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے تو چاہیے کہ وہ اپنے زیر دستوں کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ پھر نوکروں پر خفا ہونے کا کیا موقع ہے؟

میں: تبھی اتنے دن آپ کو اس مکان میں رہتے ہوئے ہو گئے، آواز تک نہیں سن پڑی۔

مس روز: خدا کا شکر ہے، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، اسی طرح گھر کو غل غپاڑے سے خالی پاتی ہوں۔

میں: کیوں صاحب، کیا کسی بات پر چھوٹے بچوں کو آپ کے گھر مار نہیں پڑتی؟

مس روز: اگر خدانخواستہ بچوں کو مار پیٹنے کی ضرورت ہو تو سمجھیں کہ ان کی خرابی علاج سے درگزری ہے۔

مار پیٹ آخری درجہ بچوں کو سزا ہے، جیسے پھانسی آخری درجہ مجرموں کی سزا ہے۔

میں: پڑھنا لکھنا، سینا پرونا آپ نے اپنی امی جان سے سیکھا یا کسی دوسرے سے؟

مس روز: بہت کچھ اپنی امی جان سے تھوڑا سا مدرسے میں۔

میں: پڑھنے پر بھی آپ کی اماں جان نے کبھی نہیں مارا؟

مس روز: کبھی نہیں۔

میں: (ہنس کر) آپ مجھ کو مارا کیجیے گا؟

مس روز: (ہنس کر) ضرور لیکن اس طرح کی مار جیسی میں نے کھائی ہے۔

میں: کب سے شروع کرائیے گا؟

مس روز: ابھی۔

میں: آپ اپنی اماں جان سے پوچھ لیجیے۔

www.iqbalcyberlibrary.net

مس روز: میں کہہ چکی ہوں کہ ایسے کاموں میں ان سے دریافت کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

میں: کیا ہوا، پھر بھی آپ احتیاطاً ان سے اجازت لے لیجیے۔

مس روز نے جیب سے کاغذ پنسل نکال، وہیں بیٹھے بیٹھے ماں کو رقعہ لکھ بھیجا۔ اسی کی پشت پر یہ جواب لکھا آیا کہ اگر تم ہمسائی کی بیٹی کو (جو مجھے تمہاری طرح عزیز ہیں) کچھ سکھا سکو تو جتنی محنت تم نے ان کاموں کے سیکھنے میں کی ہے، اس سے بہتر اس کا انعام نہیں۔ اور بے شک اگر ہم ہمسائی کے بچوں کو سکھانے کی کوشش نہ کریں تو ہمارا یہاں رہنا لا حاصل محض ہے۔ اور جب یہاں سے اٹھیں گے تو یہ حق اپنی گردن پر لے جائیں گے۔ اگر تم کسی تدبیر سے ان کو سیکھنے پر آمادہ کر سکو تو میں نہایت خوش ہوں گی اور آئندہ کی کوششوں میں ہر طرح تمہاری شریک ہوں گی۔

غرض یہ کہ اس دن سے میں نے اس مکتب میں آنا شروع کیا اور مس روز نہایت مہربانی سے مجھ کو سکھایا کرتی ہیں۔ گھر بار اس طرح کا نیک ہے کہ میں نے تو اس قسم کے آدمی نہیں دیکھے۔ دو ہی مہینے میں تمام محلے کو گرویدہ کر لیا ہے۔ غربا کو چپکے چپکے بہت کچھ ملتا ہے۔ کوئی بیمار پڑے، میم صاحب پاس سے مفت دوا دیتی ہیں اور دلجوئی ایسی کہ اپنا بھی نہ کرے۔ ایک دن میری چھوٹی بہن کا جی اچھا نہ تھا۔ میم صاحب پہر دن رہے سے آدھی رات تک بیٹھی رہیں۔ کبھی یہ دوا پلا، کبھی وہ دوا پلا۔ بہتیرا اماں جان نے کہا کہ آپ آرام کیجیے، بہت رات گزر گئی، سرکیں تک نہیں۔ جب وہ سو گئی اور آرام ہو گیا، تب گئیں۔ یہ بات میں نے انہی میں دیکھی ہے۔ اپنے اوپر مصیبت ہو تو بڑی مستقل مزاج، بڑی مضبوط بڑی صابر۔ بھول کر بھی زبان پر نہ لائیں اور دوسرے کی آنکھیں دکھتی سن پائیں تو پھڑک اٹھیں، بے تاب ہو جائیں۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: تم تو میم صاحب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی ہو۔ لوگ تو انگریزوں کو عموماً برا سمجھتے ہیں۔

حلیمہ: ان کو انگریزوں سے سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ ہمارا بھی یہی حال تھا۔ ڈرتے ڈرتے ہم لوگوں نے میم صاحب سے ملاقات کی اور بہت دنوں تک دل میں کھٹکتے رہے۔ معاملہ پڑا تو جانا۔

حسن آرا: نیک ہیں تو باہر کیوں نکلتی ہیں؟

استانی جی: اپنی رسم، اپنا دستور۔ پردے کا دستور مسلمانوں میں ہے۔ اب ہندو بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی عورتوں کو پردے میں چھپانے لگے ہیں۔ ورنہ روئے زمین پر اور کسی قوم میں پردے کا رواج نہیں۔

علم تاریخ کا تذکرہ اور آدمیوں کی مختلف رسمیں

حسن آرا: آدمی میں ذات رواج کا مختلف ہونا بڑی حیرت کی بات ہے۔

استانی جی: ایک رواج کا اختلاف؟ اجی صورتیں، قد و قامت، لباس، وضع، بولی، راہ و رسم میں بھی تو اختلاف ہے۔ دنیا میں کوئی دو ہزار تو بولیاں ہیں۔ راہ و رسم کے اختلاف کا تو یہ حال ہے کہ سرحد چین پر اب تک یہ دستور ہے کہ جتنے سگے بھائی ہوں، سب کی بی بی ایک۔ اسی واسطے ان لوگوں میں نسب ماں کی طرف سے لیا جاتا ہے۔ جزیرہ انڈمان، میں جس کو کالا پانی کہتے ہیں، مرد، عورت سب مادرزاد برہنہ پھرتے ہیں، سچ کہا ہے، ہر ملکے و ہر رسمے۔ ملکوں کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو۔ عجب عجب دستور ہے۔ تاریخ چین میں، میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ وہاں چھوٹا پاؤں بڑی خوبصورتی کی بات سمجھی جاتی ہے۔ بچپن میں لڑکیوں کو لوہے کی جوتی پہنا دیتے ہیں تاکہ پاؤں

www.iqbalcyberlibrary.net

بڑھنے نہ پائے۔ بڑے ہونے پر چھوٹے پاؤں بدن کا بوجھ نہیں سہار سکتے اور چلنے میں عورتیں گر پڑتی ہیں۔ وہ اس کو داخل نزاکت سمجھتے ہیں۔ چپٹی ناک کی بڑی تعریف ہے۔ بڑی بڑی حکمتوں سے ناک کے بانسے کو دباتے ہیں۔ مرہٹے بیوہ عورتوں کا سر منڈوا دیتے ہیں۔ راجپوت لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے ہیں۔ عرب کی عورتیں کئی کئی نکاح کرتی ہیں۔

حسن آرا: آخر اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ شروع میں تو سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔

استانی جی: آدم کی اولاد جب بہت بڑھ گئی تو ایک جگہ نہیں رہ سکتی تھی۔ دس ہزار بیس ہزار کے غول اطراف و جوانب میں جا بسے اور وطن اصلی سے کچھ تعلق نہ رہا۔ شدہ شدہ اختلاف اس درجے کو پہنچا کہ گویا دو ملک کے لوگ ایک آدم کی نسل سے نہیں ہیں۔

اجرام فلکی اور علم ہیئت کے اصول سرسری طور پر اور تھوڑا سا چاند گہن اور سورج گہن کا بیان

حسن آرا: کچھ خدا کی قدرت میں عقل کام نہیں کرتی۔ کتنی بڑی زمین بنا دی ہے! کتنے آدمی بسا دیئے ہیں!

استانی جی: خدا کی قدرت کے آگے تو زمین نہایت چھوٹی ہے۔ اس قادر مطلق نے تو ایسے عالم بے شمار پیدا کر دیئے ہیں کہ ان کے مقابلے میں زمین کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔

حسن آرا: وہ کون؟ عالم عاقبت؟

استانی جی: عاقبت نہیں، یہ ستارے جو تم آسمان میں دیکھتی ہو۔

حسن آرا: یہ زمین سے بڑے ہیں؟

استانی جی: بہت بڑے ہیں۔

حسن آرا: بہت تعجب کی بات ہے! سچ مچ میں کچھ اندھی تو نہیں ہو گئی؟

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: خدا نہ کرے۔

حسن آرا: یہ ستارے جو آسمان میں ٹمٹماتے ہیں، ان کو آپ زمین سے بڑا فرماتی ہیں؟ مجھ کو تو ناخن سے بھی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

استانی جی: تم اکیلی کو کیا سبھی کو چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر واقع بہت بڑے ہیں۔ آنکھ کا قاعدہ ہے کہ دور کی چیز کو چھوٹا دیکھتی ہے۔ اس نقص کے رفع کرنے کو عقلمندوں نے دوربین ایجاد کی ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا شیشہ ہے۔ مگر دور کی چیز اس کے ذریعے سے بڑی نظر آتی ہے۔ جن کتابوں میں چاند، سورج اور ستاروں کا بیان ہوتا ہے، وہ علم ہیئت کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے جب میرے والد صاحب نے اپنا تصنیف کیا ہوا رسالہ ''سیر آسمان'' مجھ کو پڑھایا تو بات بات پر تم سے زیادہ تعجب مجھ کو ہوتا تھا۔ بلکہ میں نے اپنے والد صاحب سے عرض بھی کیا کہ یہ باتیں مجھی کو عجب معلوم ہوتی ہیں یا فی الواقع عجیب ہیں، تو جناب والد صاحب نے فرمایا کہ انسان ناقص العقل جو کچھ زمین پر دیکھتا ہے، اپنی کم فہمی کی وجہ سے جانتا ہے کہ خدا کی قدرت اسی میں منضر ہے اور اس کی کاریگری کے اسرار و کرشمے یہی ہیں اور خدائی کارخانے سب اس نے سمجھ لیے ہیں۔ انسان کا حال گولر کے بھنگے کا سا ہے۔ وہ اسی کے اندر پیدا ہوا اور اسی کو جہان خیال کرتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا کی پیدائش سے لے کر اب تک جو کچھ انسان نے جانا اور سمجھا ہے، وہ خداوند عالم کے کارخانہ قدرت میں ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے ایک ننھی سی بوند، بلکہ اس سے بھی کم۔

حسن آرا: اچھا، پھر استانی جی، کیا سچ مچ زمین سورج سے چھوٹی ہے؟

استانی جی: ہاں ہاں، چھوٹی بھی کیسی چھوٹی، جیسے بڑے مٹکے کے آگے مٹر کا دانہ۔

حسن آرا: بھلا آفتاب ہم سے کتنا دور ہوگا؟

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: پونے پانچ کروڑ کوس (نو کروڑ تیس لاکھ میل (س ۔ل)

حسن آرا: پونے پانچ کروڑ کوس؟ اے ہے! کچھ سمجھ میں نہیں آتا!

استانی جی: میں آفتاب کی دوری تم کو دوسری طرح سمجھاؤں۔توپ کا گولا کتنا تیز چلتا ہے؟ تمہارے ذہن میں اس کی رفتار کا کچھ اندازہ ہے؟

حسن آرا: کوئی ریل سے دونا؟

استانی جی: نہیں ۔ایک منٹ میں ڈیڑھ میل ۔یعنی گھنٹے میں کوئی سو میل اور ریل کو تو گھنٹے میں تیس میل سے زیادہ چلتے ہوئے نہیں سنا۔شاید انگریزوں کی ولایت میں کچھ زیادہ تیز ہوگی۔

حسن آرا: گھنٹے کا حساب مجھ کو محمودہ بیگم نے بتایا تو تھا، پر خیال سے اتر گیا۔اچھی استانی جی، ذرا آپ بتا دیجئے۔

استانی جی: دن رات کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹے کا ساٹھواں حصہ منٹ۔

حسن آرا: ہاں تو گولا ایک منٹ میں ڈیڑھ میل جاتا ہے۔

(پھر سوچ کر) ایک منٹ میں ڈیڑھ میل۔

استانی جی: ہاں، ایک لاکھ،توپ چھوڑ دی جائے تو 19 برس میں گولا آفتاب پر پہنچے۔

حسن آرا: اے ہے! خدا کی پناہ! کیا ٹھکانا ہے!

حسن آرا: چاند زمین سے کتنا بڑا ہے؟

استانی جی: چاند بڑا نہیں، چھوٹا ہے۔

حسن آرا: تو کچھ پاس بھی ہوگا؟

استانی جی: ہاں، ایک لاکھ بیس ہزار کوس دور۔(دو لاکھ چالیس ہزار میل (س ۔ل)

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: اچھی استانی جی، یہ نور کے اتنے بڑے بڑے گولے اللہ میاں نے اسی واسطے بنائے ہوں گے کہ زمین پر ان کی روشنی پہنچے۔

استانی جی: آفتاب تو اپنی ذات سے روشن ہے، مگر چاند کا یہ حال نہیں۔ وہ ہماری زمین کی طرح بے نور ہے۔

حسن آرا: کیا جس طرح آنکھ ستاروں کے قد و قامت میں غلطی کرتی ہے، ان کی چمک میں بھی غلطی کرتی ہے؟

استانی جی: چمک دار تو سب ستارے ہیں، لیکن جو ستارے اپنی ذاتی چمک نہیں رکھتے، آفتاب کی شعاع جس طرح زمین پر پڑتی ہے، اسی طرح وہ ستارے بھی آفتاب کی دھوپ پڑنے سے ہم کو چمکدار نظر آتے ہیں۔

حسن آرا: آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ستارے بے نور ہیں، جیسے چاند، اور بعض مثل آفتاب اپنی ذات سے روشن۔

استانی جی: تم نے ٹھیک سمجھا۔ یہی حال ہے۔

حسن آرا: مگر آفتاب کے برابر تو کسی میں چمک نہیں۔

استانی جی: آفتاب تو پاس ہے، ستارے اس قدر دور ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

حسن آرا: بھلا جو ستارے اپنی ذات سے روشن نہیں ہیں، کیا آفتاب کی شعاع ان پر ہر وقت رہتی ہے۔

استانی جی: زمین پر بھی ہر وقت رہتی ہے۔

حسن آرا: استانی جی، رات کے وقت جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ کہیں بھی نہیں

www.iqbalcyberlibrary.net

ہوتی۔

استانی جی: زمین گول ہے۔جس طرف سے آفتاب کے سامنے ہوئی، وہاں دن اور دوسری طرف اندھیرا، جس کو رات کہتے ہیں۔اسی طرح ستاروں کی بھی ایک نہ ایک طرف آفتاب کے سامنے رہتی ہے۔

حسن آرا: زمین تو بے دھوپ کے بھی نظر آتی ہے مگر تارے جتنے ہیں، چمکتے ہوئے ہی نظر آتے ہیں۔اس کا کیا سبب ہے؟

استانی جی: اس کا سبب ہے، دور ہونا۔ستارے اتنی دور ہیں کہ صرف روشنی کے سہارے ہم کو ٹمٹماتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ورنہ کیا امید ان کے نظر آنے کی ہے۔

حسن آرا: تارے دن کو کیوں نہیں دکھائی دیتے؟

استانی جی: خود آفتاب کی دہکتی ہوئی شعاعیں ہم پر ہوتی ہے۔تاروں کی مدھم چمک نظر نہیں آتی۔جیسے دن کو چراغ کا نور پھیکا پھیکا ہو جاتا ہے۔

حسن آرا: یہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے ایک طرف اجالا اور دوسری طرف اندھیرا رہتا ہے۔بات تو ٹھیک ہے۔گول چیز کو روشنی کے سامنے رکھیں گے تو سامنے والی طرف اجالا ہوگا، اور دوسری طرف تاریکی۔مگر چاہیے تھا کہ زمین پر جہاں دن تھا، سدا دن رہتا اور جہاں رات تھی، سدا رات۔

استانی جی: کشش جانتی ہو؟ (حسن آرا نے تامل کیا)

محمودہ: ایں، بھول گئیں؟ وہ کشش جس کے اثر سے چیزیں زمین پر گرتی ہیں۔

حسن آرا: ہاں ہاں، جانتی ہوں۔پھر؟

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: یہ کشش صرف زمین میں نہیں ہے۔ ہر ایک چیز ایک دوسری کو کھینچ رہی ہے۔ زمین، چاند سورج، ستارے، سب ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس کھینچا تانی کا آخر یہ اثر ہوا کہ زمین ملا کر گیا۔ سیارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔ (ہمارے سورج کے نو سیارے ہیں۔ (س۔ل)

حسن آرا: زمین بھی ایک سیارہ ہے؟

استانی جی: بے شک۔

حسن آرا: اچھا، زمین آفتاب کے گرد گھومتی سہی، مگر اس سے دن رات کا ادل بدل تو لازم نہیں آتا۔

استانی جی: سہی کیا معنی، یوں کہو، گھومتی ہے۔ اور دن رات کا ادل بدل یوں ہے کہ زمین اپنے اوپر بھی پلٹے کھاتی جاتی ہے۔ ایک پلٹے کا نام رات دن ہے اور آفتاب کے گرد ایک چکر کا نام برس۔ حساب سے یہ نکلا کہ ایک گھنٹے میں اٹھاون ہزار میل زمین اپنے چکر میں چلی جاتی ہے۔ اور جس طرح ریل ناؤ کے بیٹھنے والوں کو ریل اور ناؤ کی حرکت معلوم نہیں ہوتی، ہم لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ زمین کہاں جا رہی ہے۔

حسن آرا: صرف گیارہ ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں؟ اور باقی؟

استانی جی: باقی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور کون جانے شاید ان ٹھہرے ہوئے سیاروں میں ایک ایک بجائے خود آفتاب ہو۔ اس کے گرداگرد اور سیارے گھومتے ہوں اور جو ہم کو نظر نہیں آتے۔

حسن آرا: ایسا نہ ہو، گھومتے گھومتے یہ گولے ایک دوسرے سے ٹکرا اٹھیں۔ اچھی استانی جی، تب کیا ہوگا؟

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: عجب نہیں کہ قیامت اسی طرح آئے۔ بلکہ آفتاب کے گرد گھومنے والے چار سیارے انگریزوں نے نئے دیکھے ہیں۔ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ وہ چاروں کبھی ایک تھے۔ نہیں معلوم کب اور کیوں ٹوٹ کر چار بن گئے۔

حسن آرا: ان سیاروں سے کچھ چنداں روشنی تو ہم کو پہنچتی نہیں۔ بھلا آفتاب، ماہتاب تو قدرتی مشعلیں ہیں۔ یہ سیارے اللہ میاں نے کیوں بنائے ہیں۔

استانی جی: تمہیں اللہ میاں نے کیوں بنایا ہے؟ اپنی قدرت کے بھید وہ خوب جانتا ہے۔ جس طرح زمین ایک جہان ہے، ہر ہر سیارہ بجائے خود ایک جہان ہے۔ شاید ان میں ہم جیسے انسان بستے ہوں۔

حسن آرا: یہ صرف آپ قیاساً فرماتی ہیں یا سیاروں میں آدمیوں کا رہنا تحقیق ہوا ہے؟

استانی جی: قیاسی بات ہے۔ لیکن قیاس معقول ہے۔ کچھ نامعقول نہیں۔ بعض سیاروں میں پہاڑ، سمندر، بادل، ہوا یہ چیزیں تحقیق ہوئی ہیں۔ پس کیا عجب کہ آدمی بھی ہوں۔ چاند میں جو ایک دھبا سا دکھائی دیتا ہے، جانتی ہو کیا ہے؟

حسن آرا: میں نے سنا ہے کہ کوئی بڑھیا چاند میں بیٹھی چرخہ کاتا کرتی ہے۔ (سب ہنسنے لگے)

استانی جی: یہ پہاڑوں کی بڑھیا ہے۔

حسن آرا: جتنی باتیں آپ نے فرمائیں، سب میرے دل نے قبول کیں۔ علم ہیئت بہت دلچسپ چیز ہے اور میں وہ رسالہ ''سیر آسمان'' ضرور پڑھوں گی۔

رابعہ نے آہستگی سے حسن آرا کے کان میں کہا کہ چاند اور سورج کو کبھی گرہن لگتا ہے اس کا سبب بھی استانی جی سے پوچھ لو۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا: پوچھنے کی ضرورت ہے؟ تمام دنیا اس کا سبب جانتی ہے کہ یہ ایک قسم کا عذاب الٰہی ہے۔

رابعہ: ہاں، لوگ کہتے ہیں۔ مگر شاید پوچھنے سے کوئی ٹھیک بات دریافت ہو۔

حسن آرا: میں تو ایسی موٹی بات پوچھ کر خفیف ہونا نہیں چاہتی۔

استانی نے ان دونوں کی سرگوشی سن کر پوچھا "کیا ہے؟"

حسن آرا: جناب، کچھ بھی نہیں۔ رابعہ چاند گرہن اور سورج گرہن کا سبب دریافت کرتی تھیں۔ سو میں نے بتا دیا۔

استانی جی: کیا؟

حسن آرا: عذاب الٰہی۔

استانی جی: عذاب الٰہی بلکہ خدا کی قدرت اور اس کا جلال۔

حسن آرا: کچھ خوب سمجھ میں نہیں آیا۔

استانی جی: میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ زمین اور چاند اپنی ذات سے نورانی نہیں۔ زمین گھومتی گھماتی جب سورج اور چاند کے بیچ میں آپڑے گی تو چاند گرہن ہوگا اور جب چاند سورج اور زمین کے درمیان حائل ہوگا تو سورج گرہن۔ مگر یہ باتیں بہت مشکل ہیں اور ابھی تم کو ان کا سمجھنا دشوار ہے۔ انشاء اللہ جب تم رسالہ "سیر آسمان" کے پڑھنے کی لیاقت حاصل کرو گی تو میری باتیں بخوبی تمہارے ذہن نشین ہو جائیں گی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا کا مکتب سے رخصت ہونا

ہم شروع کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ حسن آرا مکتب میں بیٹھی تو گیارھویں برس میں تھی۔ جب اس کو خیر سے چودھواں برس لگا تو جھجھر والوں کی طرف سے بیاہ کا تقاضا شروع ہوا۔ اس عرصے میں حسن آرا نے سارا قرآن مجید پڑھا، اور چونکہ دو سیپارے روز تلاوت کا معمول تھا، ایسا یاد تھا کہ گویا حفظ ہے۔ اردو بے تکان، بے تکلف، لکھتی پڑھتی تھی۔ سواد خط بھی کچھ برا نہ تھا۔ قرآن کا ترجمہ اور کنز المصلے، قیامت نامہ، راہ نجات، وفات نامہ، قصہ شاہ روم، قصہ سپاہی زادہ، معجزہ شاہ یمن، رسالہ مولود شریف، شہید مشتاق الانوار، اتنی تو مذہبی کتابیں اس کی نظر سے گزر گئیں اور ان کے علاوہ حساب کے ضروری قاعدے کسر تک، اور ہندوستان کا جغرافیہ، ہندوستان کی تاریخ چند پند، منتخب الحکایات، مراۃ العروس، سب کچھ سیکھ پڑھ' فارغ ہو گئی۔ اردو کے اخبار بے تامل پڑھ کر سمجھ لیا کرتی تھی اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ خانہ داری کے جو ہنر عورتوں کو درکار ہیں، سب اس نے حاصل کیے اور معلومات مفید کا اتنا ذخیرہ اس نے جمع کر لیا کہ وہ اس کی تمام عمر کی آسائش اور مسرت کے لیے کافی تھا۔ کتاب کے ذریعے سے جو کچھ اس نے سیکھا، اس کا ہزار چند استانی اصغری خانم اور مکتب کی لڑکیوں سے باتوں باتوں میں حاصل کیا۔ جب اس کے بیاہ کی تاریخ قریب پہنچی تو ہر چند گھر والوں نے اس کو مکتب جانے سے روکا مگر اس کو شوق تھا۔ حسب دستور مکتب آتی رہتی یہاں تک کہ مائیوں بیٹھنے میں صرف تین دن باقی رہ گئے، تب ناچار سلطانہ بیگم خود استانی جی اصغری خانم کے پاس گئیں۔ سلام و دعا اور مزاج پرسی کے بعد سلطانہ بیگم بولیں: استانی جی، تم میں ایسا پڑا تھا کہ روز کہتی تھی، آج جاؤں۔ لیکن تمہاری اس لونڈی کے بیاہ کرنے کی فکر میں ایک دم چھٹی نہیں ملتی۔ سیتی میں نہیں، پروتی میں نہیں، مگر کام ہے کہ سمٹنے ہی میں نہیں آتا۔ آخر میں آج

www.iqbalcyberlibrary.net

زبردستی نکل کھڑی ہوئی۔ سو کام کاج کا حرج کیا اور میں نے کہا کہ چلو ذرا کھڑے کھڑے استانی جی سے تو مل آؤں۔

استانی جی: درست ہے۔ یہی تو کام کاج کا وقت ہے۔ آپ نے ناحق تکلیف کی مجھی کو بلا بھیجا ہوتا۔ میں بھی دن رات آپ کے کام میں لگی لپٹی رہتی ہوں۔ جوڑے جو میں نے سینے اور مسالا ٹانکنے کو آپ سے منگوائے تھے، سب تیار ہیں۔ پہلے تو میرا جی ڈرتا تھا کہ جوڑے ماشاءاللہ بہت بھاری ہیں اور خدا کے فضل سے امیر گھر جانے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو یہ لڑکیاں کہیں بگاڑ دیں۔ مگر نہیں۔ حسن آرا کی محبت سے لڑکیوں نے خوب جی لگا کر سیا اور مسالا بھی بہت ہی صفائی سے ٹانکا۔ اس جوڑی گلبدن کے پائجامے میں جو میں نے پرسوں سلوا کر بھیجا ہے، ذرا کلیوں کا گوکھرو کچھ زیادہ کیا ہے۔ بہتیرا شہر بانو کہتی رہی کہ استانی جی، لاؤ، ادھیڑ کر پھر ٹانک دوں، میں نے کہا، خیر، رہنے بھی دو۔ ادھیڑ سے گوکھرو خراب ہو جائے گا۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔

سلطانہ بیگم: وہ جوڑا میں نے اپنے یہاں کی مغلانیوں کو دکھایا تھا۔ پھڑک گئیں اور کہنے لگیں کہ پھر کہاں مردوں کی چنکی اور کہاں عورتوں کی۔ میں بولی، اری، مردوں کا یہاں کیا مذکور۔

مغلانیاں: اے حضور، یہ جوڑا میاں علی جان کے کارخانے کا ٹکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے ٹانکا ایسا درست بیٹھتا چلا گیا۔ تو لونڈیوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب کہ عورتوں کا کام کیسا ہی پھل کیوں نہ ہو، مردوں کے کام کو نہیں پا سکتا۔

میں: کہاں کے علی جان اور کیسے مرد۔ یہ جوڑا تو میری استانی جی کے مکتب کی لڑکیوں نے سیا اور انھی نے اس میں مسالا ٹانکا ہے۔ یہ سن کر مغلانیاں بار بار جوڑے کو کھول کھول کر بغور دیکھتی تھیں۔ بولیں، حضور فرماتی ہیں تو ہم کو یقین ہے۔ لیکن عورتوں کے ہاتھ میں یہ صفائی اور ستھرا پن ہم نے تو

www.iqbalcyberlibrary.net

نہیں دیکھا۔

استانی جی: خیر، اور جوڑوں کی سلائی مجھ کو بھی پسند ہے۔ پھر آپ نے حسن آرا بیگم کے تمام جوڑے بھیج دیئے ہوتے۔ لڑکیاں تو خوشی خوشی سی دیتیں۔

سلطانہ بیگم: اور یہ سارا جہیز کس نے ٹانکا؟ مغلانیوں سے تو میں نے صرف موٹا کام لیا۔ چاندنیاں ہوئیں، گھڑیاں ہوئیں، دستر خوان ہوئے، سوزنیاں ہوئیں، موباف، غلاف، تکیے، توشک، لحاف، اس طرح کی چیزیں البتہ مغلانیوں نے سی ہیں۔ یا ہاں، شب خوابی کے کپڑے، باقی پہننے کے کپڑے اکثر تو مکتب میں اور کچھ تھوڑے باجی اماں کے یہاں سے پروے گئے۔

استانی جی: الٰہی، خیر سے حسن آرا بیگم کو نصیب ہوں اور ہزاروں گھس پس کر پرانے ہوں۔

سلطانی بیگم: (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں استانی جی، دعا کیجیے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔ بیٹیوں کا بھی کچھ عجب نازک معاملہ ہے۔ کن کن مصیبتوں سے پالو، پرورش کرو اور پھر دھن پرایا۔ کیا کروں، کچھ بن نہیں پڑتی ورنہ میں حسنا کو اپنی نظروں سے دور نہ ہونے دیتی۔ شہر میں ایک سمدھیانا کر کے وہ وہ آفتیں اٹھائیں کہ میں نے آگے کو توبہ کی اور کان سیت لیے، ورنہ حکیم صاحب بے چارے کا کچھ قصور نہیں۔ کیسی کیسی باتیں حسنا کے واسطے منگوائیں۔ ایک سے ایک بڑی چڑھی۔ میں نے کہا، حاشا! ادھر کی دنیا ادھر ہو جائیگی، میں اب بیٹی نہ دوں گی۔ کالا منہ ایسے شہر کا جس میں یہ کچھ رسوائی اور فضیحت ہے۔ سو استانی جی، اب دیہات والوں سے معاملہ کیا ہے۔ خدا کے ہاتھ میں شرم ہے۔

استانی جی: حسن آرا بیگم سے آپ مطمئن رہیے۔ اول تو جھجھر والے خود بڑے رئیس ہیں، دوسرے خاک چاٹ کر کہتی ہوں، آپ انشاءاللہ دیکھ لیجیے گا کہ بیاہ کے دوسرے تیسرے ہی مہینے

www.iqbalcyberlibrary.net

حسن آرا بیگم تمام ریاست کے سیاہ وسفید کی مالک نہ بن بیٹھیں، تو مجھ کو الاہنا دیجئے گا۔ کیا آپ کو حسن آرا کے مزاج میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا؟

سلطانہ بیگم: فرق تو آپ کی عنایت سے زمین آسمان کا ہے۔ آپ کے فیضان تعلیم نے خاک کو اکسیر، تانبے کو کندن، ذرے کو خورشید، پوتھ کو لعل سفید، حیوان کو آدم اور حسنا کو ماشاء اللہ حسن آرا بیگم بنا دیا۔ اس کی خوبی تقدیر کی یہی ایک بڑی نشانی ہے کہ وہ شاگرد اور آپ جیسی اس کی استانی ہے۔ یہ ایسا احسان آپ نے سب گھر والوں پر کیا ہے کہ جب تک جئیں گے، آپ کے مرہون منت رہیں گے۔ مگر جب سے حسنا نے بیاہ کی تیاری ہوتے دیکھی ہے، کچھ سہم سی گئی ہے۔ یونہی گھر میں اس کا جی نہیں لگتا تھا، اور بھی دل اچاٹ ہو گیا۔ ارادہ تھا کہ پورے مہینے بھر مائیوں بٹھاؤں گی۔ اس کی حالت دیکھ کر میں نے کہا مائیوں سے بدتر تو یہ خود ہوتی جاتی ہے۔ رنگت زرد ہو گئی ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ چہرہ دیکھو اداس، صورت دیکھو غمگین۔ میں کہتی ہوں اس کو اتنی عمر میں فکر کیوں ہے؟ اس عمر میں تو لڑکیوں کو دلہن بننے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔

استانی جی: حسن آرا بیگم اور لڑکیوں کی طرح نادان نہیں ہیں۔ ماشاء اللہ بڑی فہمیدہ اور زیرک لڑکی ہے۔ یہی، گھر چھوڑنے کا خیال ہو گا۔

سلطانہ بیگم: گھر کی تو اس کو مطلق پروا نہیں۔ البتہ مکتب اس کی جان ہے۔ دیکھئے، کیوں کر بچی کا دل بہلے گا۔

استانی جی: میں سمجھا دوں گی۔ اور یوں آدمی اپنے پیاروں سے جدا ہوتا ہے تو رنج ہوتا ہی ہے۔

سلطانہ بیگم: اترسوں خیر سے پچیسویں تاریخ اور جمعے کا دن ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو حسنا کو مائیوں بٹھایا جائے۔ کنبے والے پچھوا پچھوا بھیجتے ہیں کہ اب تک لڑکی کو مائیوں نہیں بٹھایا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

استانی جی: خدا مبارک کرے۔ تاریخ بھی اچھی، دن بھی اچھا اور حسن آرا بیگم کو مائیوں بٹھانے کی ضرورت تو کچھ نہ تھی، مگر خیر، دنیا کی رسم ہے۔

سلطانہ بیگم: پھر آپ فرمائیں تو حسنا گھر سے نکلے۔ میں تو کئی دن سے کہہ رہی ہوں۔ منہ سے کچھ نہیں

کہتی۔ آنکھ بچی اور مکتب میں۔

استانی جی: کل اور معاف کیجیے۔ پرسوں انشاء اللہ میں حسن آرا بیگم کو مکتب سے رخصت کردوں گی۔

لڑکیوں کی خواہش ہے کہ کل دونوں وقت مکتب کی طرف سے حسن آرا بیگم کی دعوت ہو۔ رت جگا کریں۔ پرسوں سویرے ذرا آپ بھی جمال آرا بیگم کو ساتھ لے کر تشریف لایئے گا۔ اور لڑکیوں کی ماں بہنیں بھی آئیں گی۔

اس کے بعد سلطانہ بیگم تو رخصت ہوئیں۔ اگلے دن بڑے تکلف سے، بڑی دھوم دھام کے ساتھ حسن آرا بیگم کی دعوت ہوئی۔ مکتب کی لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں وہ وہ کھانے پکائے کہ کیا کوئی رکابدار پکائے گا۔ رات کو رت جگا ہوا۔ حسن آرا کے سہاگ کے مائیوں کے گیت گائے گئے۔ اور لڑکیوں نے یہ صلاح کی کہ مکتب کی طرف سے چڑھاوے کا جوڑا تو خیر دیا ہی جاوے گا' مانجھے کا جوڑا بھی مکتب ہی کا ہو۔ اور حسن آرا بیگم وہی جوڑا پہن کر مکتب سے رخصت ہوں۔ صبح سویرے اٹھ، نماز اور تلاوت سے فارغ ہو، مکتب میں جھاڑو دلوا، سلیقے کے ساتھ دالان میں صاف اور ستھرا فرش بچھوا دیا۔ اتنے میں مہمانوں سے بھر گیا۔ لڑکیوں کی ماں بہنوں میں تو کوئی ایسی نہ تھی کہ نہ آئی ہو۔ محلے کی ساری بیویاں بے بلائے سیر دیکھنے کو آموجود ہوئیں اور اچھی خاصی شادی رچ گئی۔

www.iqbalcyberlibrary.net

جب سب لوگ بیٹھ بٹھا چکے تو اندر کوٹھڑی سے لڑکیاں حسن آرا بیگم کو مانجھے کا جوڑا پہنا کر باہر لائیں اور استانی جی کے عین سامنے لا بٹھایا۔ تب استانی جی نے حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر یہ تقریر کی:

بوا حسن آرا بیگم، آج میں تم کو اپنی اور اپنے مکتب کی لڑکیوں کی طرف سے رخصت کرتی ہوں۔ آج استانی شاگردی اور ہم مکتبی کا، سب خاتمہ ہو گیا۔ (یہ سن کر سارے مہمانوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے اور استانی جی کا دل بھی اس قدر بھر آیا کہ گو ضبط کرتی تھیں مگر آواز سے رقت ظاہر ہوتی تھی) مگر محبت، اخلاص انشاء اللہ جب تک دم میں دم ہے، باقی رہے گا۔ حسن آرا بیگم، میں تم کو مثل اپنی بتول اور محمودہ کے چاہتی ہوں اور پیار کرتی تھی اور کرتی ہوں۔ اور جب تک دنیا میں ہوں، خدا نے چاہا، کروں گی۔ مگر استادی شاگردی کا ایسا ناتا ہے کہ مجھ کو اس محبت کا برتاؤ رکاوٹ کے ساتھ کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی میں نے تمہاری غلطیوں پر متنبہ کیا ہو گا، بلکہ شاید کسی بے جا بات پر ملامت بھی کی ہو۔ سو وہ تنبیہہ اور ملامت تمہارے فائدے، تمہاری اصلاح اور تمہاری بہتری کے واسطے تھی۔ جب دو آدمی دنیا میں کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں، چاہے وہ تعلق ہمسائیگی اور ہم وطنی اور انسانیت کا کیوں نہ ہو، بہت سے حقوق ایک دوسرے پر ہوتے ہیں۔ جو تعلق مجھ کو تمہارے ساتھ تھا، میں کہہ چکی ہوں کہ تعلق مادری و فرزندی کے قریب قریب تھا۔ ہر چند میں تمہارے حقوق ادا کرنے میں اپنے مقدور بھر کوشش کرتی رہی ہوں لیکن ممکن ہے کہ مجھ سے تمہارے کسی حق کے ادا کرنے میں کچھ فروگزاشت ہوئی ہو۔ سو آج میں اس بھرے مجمع میں تم سے بہ منت اس کی معافی چاہتی ہوں۔ اس واسطے کہ میں بھی آدمی ہوں اور آدمی کو یہ کبھی غرور نہیں کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے فرائض انسانیت کو پورا پورا ادا کیا ہے۔ (ہر طرف سے واہ وا! سبحان اللہ! کا

www.iqbalcyberlibrary.net

شور ہوا مگر اس کے ساتھ رقت بھی تھی): بوا حسن آرا بیگم، انسان کا خمیر انس سے ہے۔ دو چار دفعہ کی صاحب سلامت سے آدمی کو آدمی کی محبت پڑ جاتی ہے۔ اور تم سے تو تین برس کامل اس درجہ کا اختلاط رہا کہ رات دن پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ بس آج میں تم کو اسی صدمے اور اسی رنج کے ساتھ رخصت کرتی ہوں جس طرح بتول اور محمودہ کو کروں گی، اگر خدا کو منظور ہے۔ (سب لوگ جتنے اس وقت موجود تھے، پکار کر روئے)۔

استانی جی: تھوڑی دیر ضبط کرنے کے بعد) بوا حسن آرا بیگم، میں جدائی اور رخصت کے مضمون کو بار بار کہنا نہیں چاہتی۔ اس واسطے کہ اس سے تم کو اور سب سننے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو تمہارے رخصت ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ دنیا جہاں کی بیٹیوں کا دستور ہے کہ بیاہ ہوا اور ماں باپ سے جدا ہوئیں اور مجھ کو بھی اپنی ماں سے کبھی ایسا ہی تعلق تھا جیسا کہ اب تم کو بیگم صاحبہ سے یا مجھ سے ہے۔ تمہاری طرح میں بھی ایک آپا رکھتی تھی۔ تمہاری جیسی سہیلیاں میری بھی تھیں۔ مگر آخر سسرال کی نئی دنیا میں آ کر بسی، اور کیا میں اکیلی بسی؟ مجھ ایسی ہزاروں لاکھوں۔ تم کو شاید شہر کے باہر بیاہے جانے کا خیال ہوتا ہوگا۔ سو جھجھر کچھ دور نہیں ہے۔ باہر شہر کے ہے، مگر تمہارے واسطے نہیں، جن کے لیے ماشاءاللہ ہر طرح کی سواری موجود ہے۔ اگر آنا ہو تو پہر نہیں، سوا پہر۔ بوا حسن آرا بیگم، میکے کے تعلقات یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ خود بخود ضعیف ہو جاتے ہیں۔ پس کیا دل کو اتنا سمجھا لینا کچھ بڑا کام ہے کہ پہلے سے ادھر کے تعلقات کو ضعیف فرض کر لیا جائے؟ حسن آرا بیگم، حالت میں جو انقلاب عظیم ہونے والا ہے، مجھ کو امید ہے کہ تم اس سے بے بہرہ نہیں ہو۔ اور تم کو شکر کرنا چاہیے کہ جس امتحان کے لیے تم بلائی جاتی ہو، تم کو اس کے واسطے تیاری کرنے کی اچھی خاصی فرصت اور فراغت حاصل تھی۔ جو کچھ تم نے پڑھا اور سیکھا اور سنا، اب اس امتحان میں تمہارا

www.iqbalcyberlibrary.net

اصلاح کار اور مددگار ہو گا۔ جو شخص تمہاری طرح کتابوں کا ذخیرہ پاس رکھتا ہے، اگر وہ اپنے تئیں تنہا سمجھے یا وہ اپنے تئیں اپنے پیاروں سے بچھڑا ہوا خیال کرے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ یہی کتابیں تمہاری تنہائی کی سہیلیاں ہیں، اور سہیلیاں بھی کیسی ماں کی طرح مہربان، استانی کی طرح شفیق، مونس، غم خوار، رفیق، غم گسار، ناصح، دوستدار، خیر خواہ، وفا شعار۔ بوا حسن بیگم، اب تک جو تم پڑھتی رہیں، تم کو قصہ اور کہانی معلوم ہوا ہو گا۔ لیکن وہ کہانی اب تک جگ بیتی تھی اور اب آپ بیتی ہو گی۔ جتنی کتابیں تمہارے پاس ہیں، اگرچہ تھوڑی ہیں، مگر غور کرنے اور عمل کرنے کو بہت ہیں، اور میں تمہارے ہی فائدے کی نظر سے یہ آخری نصیحت تم کو کرتی ہوں کہ تم اسی طرح التزام کے ساتھ ان کو پڑھتی اور دیکھتی رہنا جیسے مکتب کے پڑھنے کی حالت میں پڑھا اور دیکھا کرتی تھیں۔ جس روز سے تم مکتب میں داخل ہوئیں میں نے تمہارے حالات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے، اور اب تک جو جو مباحثے، اور مناظرے تم میں اور لڑکیوں میں واقع ہوئے ہیں، سب کو سلسلہ وار لکھتی چلی گئی۔ اب میں دیکھتی ہوں تو ان سے ایک اچھی خاصی کتاب بن گئی۔ میں نے اس کا نام بنات النعش رکھ دیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو میں تم کو بطور اپنی یادگار کے دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر استانی اصغری خانم نے سرخ اطلس کے کامدار جزدان سے کتاب نکالی۔ کلابتوں کا شیرازہ، جلد جیسے سونے کا ڈلا۔ خود استانی جی کے دست خاص کی نہایت پاکیزہ وخط نستعلیق میں لکھی ہوئی کہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جائیں۔ لوح، بین السطور، جدول، سر آغاز، ہر جگہ طلائی کام۔

پہلے تو حاضرین مجلس میں دست بدست وہ کتاب پھری، پھر استانی جی نے بدستور جزدان میں رکھ کر حسن آرا بیگم کو دی۔ حسن آرا گھونگھٹ نکالے نکالے، سروقد کھڑی ہو، استانی جی کو بہت ادب سے سلام کر کے بیٹھ گئی۔ کتاب کی دیکھ بھال میں کوئی دو چار لمحے سلسلے سخن منقطع رہا اور پھر استانی جی

www.iqbalcyberlibrary.net

نے اپنی تقریر شروع کی:

بو احسن آرا بیگم، اس کتاب میں تم اپنی بلکہ مکتب کی سب لڑکیوں کی ہو بہو تصویریں پاؤ گی۔ (یہ سن کر کل حاضرین جنہوں نے کتاب کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا تھا، متعجب ہوئے) تصویر سے مراد ہے کہ تمہارے مزاج، تمہاری عادتیں، تمہاری خو بو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے، کتاب کے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائے گا کہ تمہارا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب تم کو وہ عادتیں یاد دلائے گی جن کی اصلاح مجھ کو بڑے بڑے اہتمام کرنے پڑے ہیں۔ تم کو اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ گویا پھر وہی تم ہو اور تمہارا مکتب ہے۔ وہی بات بات پر ضد اور وہی بات بات پر تعجب ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے تم کو معلوم ہو گا کہ مکتب کی تعلیم نے تم پر کہاں تک اثر کیا، کون کون سی بری عادتیں تھیں کہ چھڑا دیں، کون کون سی غلط فہمی تھی کہ اس کی اصلاح کی، اور کون کون سی نیک باتیں ہیں کہ اولاً ان کی بہتری تم سے تسلیم کرا کے، پھر تم کو ان کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ ظاہر میں تم آج سے اس مکتب سے جدا ہوئیں مگر میرے اور سب لڑکیوں کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ تم نزدیک رہو گی اور وقتاً فوقتاً جو فائدہ تم کو اس مکتب سے پہنچنا ممکن ہے، پہنچتا رہے گا۔ جو نئی کتاب ہم لوگ پائیں گے یا جو عمدہ مضمون سنیں اور دیکھیں گے، ضرور تم کو پڑھنے میں شریک کر لیا کریں گے۔

بو احسن آرا بیگم، تم تو جانتی ہو کہ میں ایک غریب آدمی ہوں لیکن خدا کا شکر کرتی ہوں کہ میں اپنی حالت سے رضامند اور اپنی حیثیت میں خوش ہوں۔ کیونکر بقول ایک بزرگ کے، آسمان کو دیکھتی ہوں کہ ضرور کسی نہ کسی دن طائر روح کو قفس عنصری سے نکل کر اوج فلک پر پرواز کرنا ہے۔ پھر زمین کو دیکھتی ہوں اور پاتی ہوں کہ جب مروں گی تو صرف چند بالشت میری ہڈیوں کے لیے درکار

www.iqbalcyberlibrary.net

ہو گی۔ پھر غور کرتی ہوں تو دنیا میں نہ کچھ ساتھ لائی اور نہ کچھ ساتھ لے جاؤں گی۔ اور ہزاروں لاکھوں خدا کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے مقابلے میں ہر طرح اور ہر اعتبار سے میری حالت بہ مدارج بہتر ہے۔ ان خیالات نے میرے دل پر یہ اثر کیا ہے کہ دوزخ شکم بھر لینے کو کچھ دال دلیا اور تن بدن ڈھانک لینے کو کچھ موٹا جھوٹا کپڑا۔ اس کے سوائے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ہونا میں اپنے واسطے ضرور سمجھوں اور اس کے حاصل کرنے کی فکر کروں۔ پھر بھی خدا نے فضل و کرم سے مجھ کو اپنی ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے بڑھ کر بہت کچھ دے رکھا ہے۔ کچھ تھوڑا سا باتقاضائے محبت، اس میں سے اور کچھ مکتب سے لے کر میں نے دو سو روپے کا ایک جوڑا تمہارے لیے بنایا ہے۔ مکتب کی رقم تم جانتی ہو کہ میں اس کی مالک نہیں ہوں، لڑکیوں کی چیز ہے، جن کے کاموں کے دام سے یہ رقم فراہم کی جاتی ہے۔ پس یہ جوڑا خلعتِ مکتبی ہے جو میں تم کو نہایت خوشی سے دیتی ہوں۔ خدا تم کو اس کا پہننا مبارک کرے۔ تمہارے جہیز میں اس سے کہیں زیادہ قیمت کے جوڑے ہوں گے۔ مگر جب دیکھو گی کہ کس چاؤ اور کس شوق سے، کس محبت سے ہم چند غریب آدمیوں نے مل کر جوڑا بنایا ہے، تو ہم سب کو امید ہے کہ تمہارے قیمتی اور عمدہ اور نفیس جہیز میں اس کا شامل کیا جانا کچھ بدنما نہ ہو گا (یہ سن کر حسن آرا نے پھر اسی حالت میں اٹھ کر سلام کیا۔)

حسن آرا بیگم، اب دن زیادہ چڑھ گیا ہے اور لوگوں کے کھانے پکانے کا وقت ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ زیادہ دیر تک تم سب کو باتوں میں لگائے رکھوں۔ مگر صرف ایک بات مجھ کو اور کہہ لینے دو کہ اگر اس کو نہ کہوں گی تو گویا تمہارا فرض رخصت ہمارے ذمے رہ جائے گا۔ دنیا ہمارا میکا ہے اور عاقبت بجائے سسرال کے ہے۔ کوئی لڑکی سدا میکے نہیں رہتی۔ اویر سویر ایک نہ ایک دن اس کو سسرال جانا ضرور ہو گا۔ اسی طرح کوئی شخص ہمیشہ دنیا میں نہیں رہے گا۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

www.iqbalcyberlibrary.net

جس لڑکی نے میکے میں رہ کر ہنر سیکھا، عقل وتمیز حاصل کی، سسرال میں ساس سسرے کی لاڈو، نند بھاوجوں کی چہیتی اور اپنے میاں کی پیاری ہو گی۔ اسی طرح جس نے دنیا میں رہ کر اچھے عمل اور نیک کردار کیے، عاقبت میں اسی کی عزت اور اسی کی توقیر ہے۔ اور ایسے ہی لوگ بہشت کے مالک ہوں گے۔ مگر جس لڑکی نے ماں باپ کی نازبرداریوں میں وقت ضائع کیا اور اپنے مزاج کی اصلاح اور عادات کی درستی اور تحصیل ہنر کی کچھ فکر نہ کی۔ سسرال میں جائے گی تو میاں کی نظروں میں ذلیل، ساس نندوں کے نزدیک بے وقر۔ بعینہ یہی حال ہوگا ان کا جو زندگی کے دن غفلت اور بے پروائی میں اکارت کرتے ہیں۔ وہ قیامت میں رسوا اور فضیحت ہوں گے۔ جس طرح لڑکیاں میکے سے جہیز لے کر جاتی ہیں، دنیا کے میکے کا جہیز اپنے اپنے عمل ہیں، جو آدمی کے ساتھ جاتے ہیں۔ حسن آرا بیگم، میں جانتی ہوں کہ ان دنوں تمہارے دل میں عجب عجب طرح کے خیالات گزرتے ہوں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا! مگر اپنے خیالات کو ذرا اونچا کرو اور اپنی نظر کو تھوڑا اور آگے بڑھاؤ۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کیا چیز ہے۔ کس لیے ہم یہاں آئے ہیں۔ کیا ہم کر رہے ہیں اور انجام کار کیا ہونا ہے۔ جس طرح تمہارے میکے رہنے کے دن پورے ہو چکے، ہر شخص کے واسطے ایک دن وہ بھی ہوگا کہ اس کی مدت حیات تمام ہو جائے گی۔

آؤ، سب مل کر اس خدا کی درگاہ میں دعا کریں کہ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق دے۔ (ہر طرف سے آمین آمین کا شور ہوا) دنیا کے میکے اور سسرالیں تو چند روزہ باتیں ہیں، الٰہی اس جہان میں، جہاں سدا سدا کا رہنا ہے، پردہ رکھ لیجیو اور فضیحت مت کیجیو۔ (سب نے پکار کر کہا آمین آمین۔) الٰہی، یہ تیری کنیز جس کو ہم لوگ حسن آرا بیگم کہہ کر پکارتے ہیں، منزل دنیا جس کو تیرے حکم سے ہم سب طے کر رہے ہیں، شروع کرنے والی ہے۔ تیرا فضل و کرم اس کا حافظ، تیری توفیق اس کا

www.iqbalcyberlibrary.net

بدرقہ، تیری عنایت و مہربانی اس کی زادراہ ہو۔ (سب کو رقت ہوئی اور سب نے کہا آمین۔)

اس کے بعد استانی جی نے اٹھ کر حسن آرا کو دیر تک گلے لگا کر پیار کیا اور آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھ کر حسن آرا پر دم کی اور دروازے تک ساتھ لے جا کر پالکی میں سوار کرا دیا اور مجلس تمام ہوئی۔

-----======☆☆☆☆☆======-----